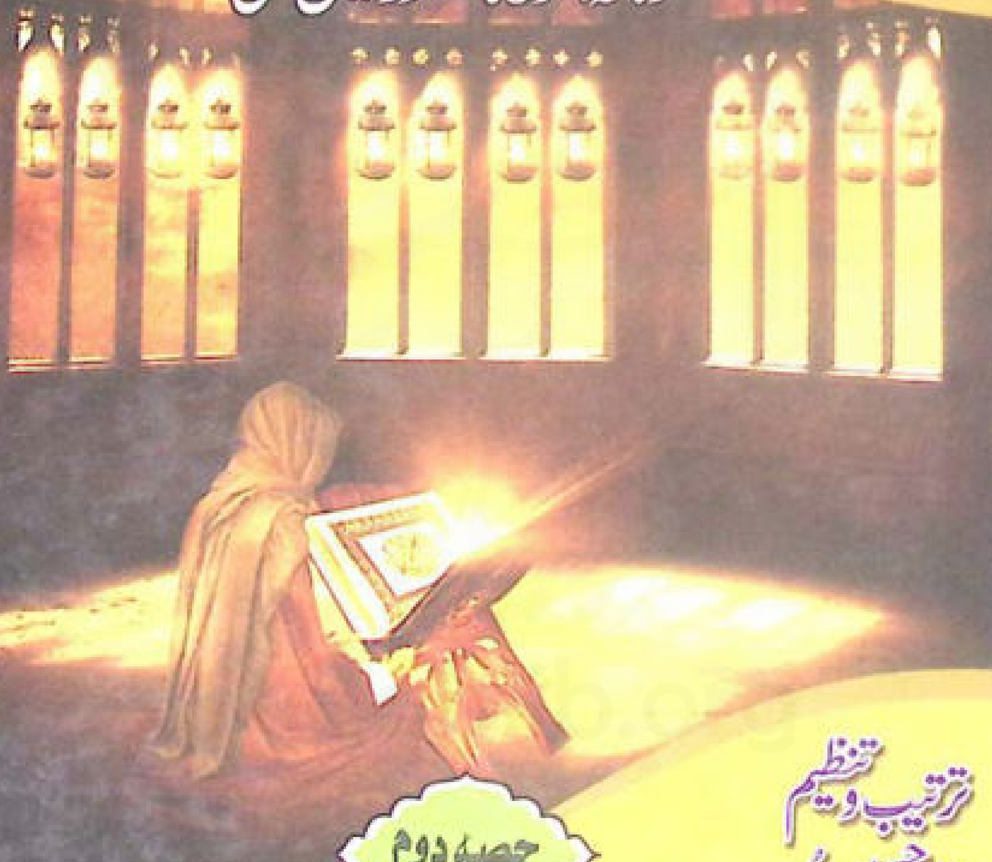
انتخاب از تفسیر نمونہ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

انبیائے قرآن

(حضرت شعیبؑ تا حضرت یونسؑ)

ترجمہ: مولانا صفدر حسین نجفی



حصہ دوم

ترتیب و تنظیم
مجاہد حسین حُر

انبیائے قرآن

(از شعیب تا یونس علیہم السلام)

استفادہ از تفسیر نمونہ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی دام ظلہ الوارف

ترجمہ شدہ محسن ملت حجۃ الاسلام والمسلمین سید صفدر حسین نجفی نوراللہ مرقدہ

ترتیب و تنظیم

مجاہد حسین حرؔ

ناشر

معراج کمپنی لاہور

We Publish Your Needs

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

042-37361214-03214971214

www.facebook.com/merajcompanypakistan

نام کتاب .... انبیائے قرآن (از شعیب تا یونس علیہم السلام)

ترتیب و تنظیم .... مجاہد حسین حر

پروف ریڈنگ .... خانم آر چوہدری

کمپوزنگ .... قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس فیز ۴

ناشر .... معراج کمپنی لاہور

ہدیہ ....

ملنے کا پتا

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

انتساب

خدا کے نمائندوں کی پیروی کرنے والوں کے نام

عرض ناشر

حمد ہے اس ذات کے لئے جس نے انسان کو قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور درود وسلام ہو اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جسے اس نے عالمین کے لئے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور سلام ورحمت ہو ان کی آل پاک پر جنہیں اس نے پورے جہاں کے لئے چراغ ہدایت بنایا۔

ہر زمانے کے لوگوں کے لئے نمونہ عمل ان کے زمانے اور اس سے پہلے کے انبیاء کرام رہے ہیں ہر زمانے میں لوگوں کی مشکلات تقریباً ایک جیسی ہی رہی ہیں صرف کرداروں کے نام بدلے ہیں اس زمانے کے انسانوں کے لئے بھی چودہ سو سال پہلے خالق کائنات نے اپنی آخری کتاب میں اپنے انبیا کے قصے بیان کئے ہیں تاکہ لوگوں کو اپنی راہ کے متعین کرنے میں خداوند قدوس کے نیک لوگوں کا طریقہ کار معلوم ہو سکے اور وہ بھی ان کے نقش قدم پر چل کر کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔

اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے ادارے نے "انبیائے قرآن (از شعیب تا یونس)" کے نام سے یہ کتاب نذر قارئین کی ہے۔ انشاء اللہ العزیز یہ کتاب آپ کو پسند آئے گی۔

ادارہ

فہرست کتاب

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام کی سرزمین ”مدین“

یہاں گفتگو قوم شعیب اور اہل مدین کی ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے توحید کا راستہ چھوڑ دیا تھا اور شرک وبت پرستی کی سنگلاخ زمین میں سرگرداں ہو گئے تھے یہ لوگ نہ صرف بتوں کو پوجتے تھے بلکہ درہم و دینار اور اپنے مال وثروت کی بھی پرستش کرتے تھے اور اسی لئے وہ اپنے کاروبار اور بارونق تجارت کو نادرستی، کم فروشی اور غلط طریقوں سے آلودہ کرتے تھے۔

ابتداء میں فرمایا گیا ہے: ”مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا“۔ [1]

مدین (بروزن ”مریم“) حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے قبیلے کی آبادی کا نام ہے یہ شہر خلیج عقبہ کے مشرق میں واقع ہے اس کے لوگ اولاد اسماعیل میں سے تھے مصر، لبنان اور فلسطین سے تجارت کیا کرتے تھے۔

آج کل شہر مدین کا نام ”معان“ ہے بعض جغرافیہ دانوں نے خلیج عقبہ کے درمیان سے

---

[1] سورہ ہود آیت 84

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں لفظ ”اخاھم“ (ان کا بھائی) اس بناء پر ہے کہ اپنی قوم سے پیغمبروں کی انتہائی محبت کو بیان کیا جائے نہ صرف اس بناء پر کہ وہ افراد ان کے گروہ اور قبیلے سے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ان کے خیر خواہ اور ہمدرد بھائی کی طرح تھے۔

کوہ سینا تک زندگی بسر کرنے والوں پر مدین کے نام کا اطلاق کیا ہے،توریت میں بھی لفظ ''مدیان'' آیا ہے لیکن بعض قبائل کے لئے (البتہ ایک ہی لفظ شہر اور اہل شہر پر عام طور پر استعمال ہو جاتا ہے)

قوم شعیب کی اقتصادی برائیاں

اس پیغمبر اور ہمدرد و مہربان بھائی نے جیسا کہ تمام انبیاء کا آغاز دعوت میں طریقہ ہے، پہلے انہیں مذہب کے اساسی ترین رکن ''توحید'' کی طرف دعوت دی اور کہا: اے قوم: ''یکتا ویگانہ خدا کی پرستش کرو، کہ جس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے''۔[1]

اس وقت اہل مدین میں ایک اقتصادی خرابی شدید طور پر رائج تھی جس کا سرچشمہ شرک اور بت پرستی کی روح ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''خرید و فروخت کرتے وقت چیزوں کا پیمانہ اور وزن کم نہ کرو''۔[2]

کم فروشی کے ذریعے فساد اور برائی ،لوگوں کے حقوق غصب کرنے کا فساد اور حقوق پر تجاوز کا فسانہ، معاشرتی میزان اور اعتدال کو درہم برہم کرنے کا فساد، اموال اور اشخاص پر عیب لگانے کا فساد۔ خلاصہ یہ کہ لوگوں کی حیثیت، آبرو، ناموس اور جان کے حریم پر تجاوز کرنے کا فساد۔

''لا تعثوا'' ''فساد نہ کرو'' کے معنی میں ہے اس بناء پر اس کے بعد ''مفسدین'' کا ذکر زیادہ سے زیادہ تاکید کی خاطر ہے۔

قرآن مجید میں موجود آیات سے یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہوتی ہے کہ توحید کا

---

[1] سورہ ہود آیت 84

[2] سورہ ہود آیت 84

اعتقاد اور آئیڈیالوجی کا معاملہ ایک صحیح و سالم اقتصاد کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے نیز آیات اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اقتصادی نظام کا درہم برہم ہونا معاشرے کی وسیع تباہی اور فساد کا سرچشمہ ہے۔

آخر میں انہیں یہ گوش گزار کیا گیا ہے کہ ظلم و ستم کے ذریعے اور استعماری ہتھکنڈوں سے بڑھنے والی دولت تمہاری بے نیازی اور استغناء کا سبب نہیں بن سکتی بلکہ حلال طریقے سے حاصل کیا ہوا جو سرمایہ تمہارے پاس باقی رہ جائے چاہے وہ تھوڑا ہی ہو اگر خدا اور اس کے رسول پر ایمان کے ساتھ ہو تو بہتر ہے۔ [1]

ہٹ دھرموں کی بے بنیاد منطق

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس ہٹ دھرم قوم نے اس آسمانی مصلح کی دعوت کے جواب میں کیا ردعمل ظاہر کیا۔

وہ جو بتوں کو اپنے بزرگوں کے آثار اور اپنے اصلی تمدن کی نشانی خیال کرتے تھے اور کم فروشی اور دھوکا بازی سے معاملات میں بڑے بڑے فائدے اور مفادات اٹھاتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب میں کہنے لگے:

اے شعیب: کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں کہ جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے تھے اور یا اپنے اموال کے بارے میں اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھیں تو تو ایک بردبار حوصلہ مند اور سمجھدار آدمی ہے تجھ سے یہ باتیں بعید ہیں۔ [2]

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ انہوں نے حضرت شعیب کی نماز کا ذکر

---

[1] سورہ ہود آیت 86

[2] سورہ ہود آیت 87

کیوں کیا؟ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اس بناء پر تھا کہ حضرت شعیب زیادہ نماز پڑھتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ نماز انسان کو برے اور قبیح اعمال سے روکتی ہے لیکن وہ لوگ جو نماز اور ترک منکرات کے رابطے کو نہ سمجھ سکے انہوں نے اس بات کا تمسخر اڑایا اور کہا کہ کیا یہ ذکر و اذکار اور حرکات تجھے حکم دیتی ہیں کہ ہم اپنے بزرگوں کے طور طریقے اور مذہبی ثقافت کو پاؤں تلے روند دیں یا اپنے اموال کے بارے میں اپنا اختیار گنوا بیٹھیں۔

اس ظالم اور ستم گر قوم نے جب خود کو شعیب علیہ السلام کی منطقی باتوں کے مقابلے میں بے دلیل دیکھا تو اپنی برائیوں کو جاری و ساری رکھنے کے لئے ان پر تہمتوں کی بوچھاڑ کر دی۔

سب سے پہلے وہی پرانا لیبل جو مجرم اور ظالم لوگ ہمیشہ سے خدا کے انبیاء پر لگاتے رہے ہیں آپ پر بھی لگایا اور کہا: "تو تو بس پاگل ہے"۔ [1]

تیری گفتگو میں کوئی منطقی اور مدلل بات دکھائی نہیں دیتی تیرا خیال ہے کہ ایسی باتیں کر کے تو ہمیں اپنے مال میں آزادی عمل سے روک دے، اس کے علاوہ "تو بھی تو صرف ہماری طرح کا ایک انسان ہے"۔ [2] کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم تیری اطاعت کریں گے آخر تجھے ہم پر کون سی فضیلت اور برتری حاصل ہے۔

"تیرے بارے میں ہمارا یہی خیال ہے کہ تو ایک جھوٹا شخص ہے"۔ [3]

ان کی یہ گفتگو کیسی تضادات پر مبنی ہے کبھی تو انہیں ایسا جھوٹا اور مفاد پرست انسان کہتے تھے جو دعوائے نبوت کی وجہ سے ان پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے اور کبھی انہیں مجنون کہتے تھے ان کی آخری بات یہ تھی کہ بہت اچھا "اگر تو سچا ہے تو ہمارے سر پر آسمان سے پتھر برسا اور ہمیں اس مصیبت میں مبتلا کر دے جس کی ہمیں دھمکی دے رہا ہے تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ہم

---

[1] سورہ شعراء آیت 185

[2] سورہ شعراء آیت 185

[3] سورہ شعراء آیت 186

ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے"۔ [1] یہ الفاظ کہہ کر انھوں نے اپنی ڈھٹائی اور بے حیائی کی انتہا کر دی اور اپنے کفر و تکذیب کا بدترین مظاہرہ کیا۔

جناب شعیب علیہ السلام کا جواب

لیکن جنھوں نے ان کی باتوں کو حماقت پر حمل کیا تھا اور ان کی بے عقلی کی دلیل قرار دیا تھا حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا: "اے میری قوم: (اے وہ لوگو: کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور جو کچھ میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے بھی پسند کرتا ہوں) اگر خدا نے مجھے واضح دلیل وحی اور نبوت دی ہو اور اس کے علاوہ مجھے پاکیزہ روزی اور حسب ضرورت مال دیا ہو تو کیا اس صورت میں صحیح ہے کہ میں اس کے فرمان کی مخالفت کروں یا تمہارے بارے میں کوئی غرض رکھوں اور تمہارا خیر خواہ نہ بنوں"۔ [2]

اس جملے سے حضرت شعیب علیہ السلام یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کام میں میرا صرف روحانی، انسانی اور تربیتی مقصد ہے میں ایسے حقائق کو جانتا ہوں جنھیں تم نہیں جانتے اور انسان ہمیشہ اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جسے نہیں جانتا ہے۔

اس کے بعد یہ عظیم پیغمبر مزید کہتے ہیں: "یہ گمان نہ کرنا کہ میں تمھیں کسی چیز سے منع کروں اور پھر خود اسی کی جستجو میں لگ جاؤں"۔ [3]

تمھیں کہوں کم فروشی نہ کرو اور دھوکا بازی اور ملاوٹ نہ کرو لیکن میں خود یہ اعمال انجام دوں کہ دولت و ثروت اکٹھا کرنے لگوں یا تمھیں تو بتوں کی پرستش سے منع کروں مگر خود ان کے

---

[1] سورہ شعراء آیت 186

[2] سورہ ہود آیت 88

[3] سورہ ہود آیت 88

سامنے سر تعظیم خم کروں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔

اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام پر الزام لگاتے تھے کہ خود یہ فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا وہ صراحت سے اس امر کی نفی کرتے ہیں۔

آخر میں ان سے کہتے ہیں: ''میرا صرف ایک ہدف اور مقصد ہے اور وہ ہے اپنی قدرت و استطاعت کے مطابق تمہاری اور تمہارے معاشرے کی اصلاح''۔ [1]

یہ وہی ہدف ہے جو تمام پیغمبروں کے پیش نظر رہا ہے، یعنی عقیدے کی اصلاح، اخلاق کی اصلاح، عمل کی اصلاح، روابط اور اجتماعی نظاموں کی اصلاح۔

''اور اس ہدف تک پہنچنے کے لیے صرف خدا سے توفیق طلب کرتا ہوں''۔ [2]

مشکلات کے حل کے لیے اس کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے کوشش کرتا ہوں اور اس راہ میں سختیاں گوارا کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس کے بعد انہیں ایک اخلاقی نکتے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی سے بغض و عداوت کی بناء پر یا تعصب اور ہٹ دھرمی سے اپنے تمام مصالح نظر انداز کر دیتا ہے اور انجام کو فراموش کر دیتا ہے، چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''اے میری قوم ایسا نہ ہو کہ میری دشمنی اور عداوت تمہیں گناہ، عصیاں اور سرکشی پر ابھارے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہی بلائیں، مصیبتیں، تکلیفیں عذاب اور سزائیں جو قوم نوح، قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچیں وہ تمہیں بھی آلیں، یہاں تک کہ قوم لوط کے شہروں کا زیر و زبر ہونا اور ان پر سنگباری کا واقعہ تم سے کوئی دور نہیں ہے''۔

نہ ان کا زمانہ تم سے کوئی دور ہے اور نہ ان کے علاقے تم سے دور ہیں اور نہ ہی تمہارے اعمال اور گناہ ان لوگوں سے کچھ کم ہیں۔ ''مدین'' کہ جو قوم شعیب کا مرکز تھا وہ قوم لوط کے

---

[1] سورہ ہود آیت 88

[2] سورہ ہود آیت 88

علاقے سے کوئی زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ کیونکہ دونوں شامات کے علاقوں میں تھے۔ زمانے کے لحاظ سے اگر چہ کچھ فاصلہ تھا تاہم اتنا نہیں کہ ان کی تاریخ فراموش ہو چکی ہوتی۔ باقی رہا عمل کے لحاظ سے تو اگر چہ قوم لوط کے جنسی انحرافات نمایاں تھے اور قوم شعیب کے اقتصادی انحرافات زیادہ تھے۔ اور ظاہراً بہت مختلف تھے لیکن دونوں معاشرے میں فساد پیدا کرنے، اجتماعی نظام خراب کرنے، اخلاقی فضائل کو نابود کرنے اور برائی پھیلانے میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے تھے۔

ایک دوسرے کو دھمکیاں

یہ عظیم پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کہ انتہائی جچے تلے، بلیغ اور دلنشین کلام کی وجہ سے جن کا لقب، ''خطیب الانبیاء'' ہے، ان کا کلام ان لوگوں کے لئے روحانی و مادی زندگی کی راہیں کھولنے والا تھا۔ انہوں نے بڑے صبر، حوصلے، متانت اور دلسوزی کے ساتھ ان سے تمام باتیں کیں لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس گمراہ قوم نے انہیں کس طرح سے جواب دیا۔

انہوں نے چار جملوں میں کہ جو ڈھٹائی، جہالت اور بے خبری کا مظہر تھے آپ کو جواب دیا: پہلے وہ کہنے لگے: ''اے شعیب علیہ السلام تمہاری زیادہ تر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں''۔ [1]

بنیادی طور پر تیری باتوں کا کوئی سر پیر نہیں، ان میں کوئی خاص بات اور منطق ہی نہیں کہ ہم ان پر کوئی غور وفکر کریں۔ لہٰذا ان میں کوئی ایسی چیز نہیں جس پر ہم عمل کریں اس لیے تم اپنے آپ کو زیادہ نہ تھکاؤ اور دوسرے لوگوں کے پیچھے جاؤ۔

''دوسرا یہ کہ ہم تجھے اپنے مابین کمزور پاتے ہیں''۔ [2]

---

[1] سورہ ہود آیت 91

[2] سورہ ہود آیت 91

لہٰذا اگر تم یہ سوچتے ہو کہ تم اپنی بے منطق باتیں طاقت کے بل پر منوالو گے تو یہ بھی تمہاری غلط فہمی ہے۔

یہ گمان نہ کرو کہ اگر ہم تم سے پوچھ گچھ نہیں کرتے تو یہ تمہاری طاقت کے خوف سے ہے۔ اگر تیری قوم وقبیلہ کا احترام پیش نظر نہ ہوتا تو ہم تجھے بدترین طریقے سے قتل کر دیتے اور تجھے سنگسار کرتے۔ [1]

آخر میں انہوں نے کہا: تو ہمارے لیے کوئی طاقتور اور ناقابل شکست نہیں ہے۔ [2]

اگرچہ تو اپنے قبیلے کے بزرگوں میں شمار ہوتا ہے لیکن جو پروگرام تیرے پیش نظر ہے اس کی وجہ سے ہماری نگاہ میں کوئی وقعت اور منزلت نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام ان باتوں کے نشتروں اور توہین آمیز رویئے سے (سیخ پا ہوکر) اٹھ کر نہیں گئے بلکہ آپؑ نے اس طرح انہیں پر منطق اور بلیغ پیرائے میں جواب دیا: "اے قوم میرے قبیلے کے یہ چند افراد تمہارے نزدیک خدا سے زیادہ عزیز ہیں۔" [3]

تم میرے خاندان کی خاطر کہ جو تمہارے بقول چند نفر سے زیادہ نہیں ہے، مجھے آزار نہیں پہنچاتے ہو، تو کیوں خدا کے لیے تم میری باتوں کو قبول نہیں کرتے ہو۔ کیا عظمت خدا کے سامنے چند افراد کی کوئی حیثیت ہے؟

کیا تم خدا کے لئے کسی احترام کے قائل ہو" جبکہ اسے اور اس کے فرمان کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔" [4]

آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کہتے ہیں: "یہ خیال نہ کرو کہ خدا تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا اور تمہاری باتیں نہیں سنتا۔ یقین جانو کہ میرا پروردگار ان تمام اعمال پر محیط ہے جو تم انجام دیتے ہو"۔ [5]

بلیغ سخن ور وہ ہے کہ جو اپنی باتوں میں مدمقابل کی تمام تنقیدوں کا جواب دے۔ قوم

[1] سورہ شعیب آیت 91

[2] سورہ ہود آیت 91

[3] سورہ ہود آیت 92

[4] سورہ ہود آیت 92

[5] سورہ ہود آیت 92

شعیب علیہ السلام کے مشرکین نے چونکہ اپنی باتوں کے آخر میں ضمناً انہیں سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی اوران کے سامنے اپنی طاقت کا اظہار کیا تھا لہٰذا ان کی دھمکی کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے موقف کو اس طرح سے بیان کیا:

اے میری قوم جو کچھ تمہارے بس میں ہے کر گزرو اور اس میں کوتاہی نہ کرو اور جو کچھ تم سے ہوسکتا ہے اس میں رورعایت نہ کرو۔ میں بھی اپنا کام کروں گا۔ لیکن تم جلد سمجھ جاؤ گے کہ کون رسوا کن عذاب میں گرفتار ہوتا ہے اور کون جھوٹا ہے میں یا تم۔

اور اب جبکہ معاملہ اس طرح ہے تو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں، تم اپنی طاقت، تعداد، سرمائے اور اثرورسوخ سے مجھ پر کامیابی کے انتظار میں رہو اور میں بھی اس انتظار میں ہوں کہ عنقریب دردناک عذاب الٰہی تم جیسی گمراہ قوم کے دامن گیر ہو اور تمہیں صفحہ ہستی سے مٹادے۔

مدین کے تباہ کاروں کا انجام

گزشتہ اقوام کی سرگزشت کے بارے میں قرآن مجید میں ہم نے بارہا پڑھا ہے کہ پہلے مرحلے میں انبیاء انہیں خدا کی طرف دعوت دینے کے لیے قیام کرتے تھے اور ہر طرح سے تعلیم وتربیت اور پندونصیحت میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے تھے۔ دوسرے مرحلے میں جب ایک گروہ پر پندونصائح کا کوئی اثر نہ ہوتا تو انہیں عذاب الٰہی سے ڈراتے تاکہ وہ آخری افراد تسلیم حق ہوجائیں جو قبولیت کی اہلیت رکھتے ہیں اور راہ خدا کی طرف پلٹ آئیں نیز اتمام حجت ہو جائے۔

تیسرے مرحلے میں جب ان پر کوئی چیز موثر نہ ہوتی تو روئے زمین کی ستھرائی اور پاک سازی کرلیے سنت الٰہی کے مطابق عذاب آجاتا اور راستے کے ان کانٹوں کو دور کردیتا۔

قوم شعیب علیہ السلام یعنی اہل مدین کا بھی آخرکار مرحلہ انجام آپہنچا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:

''جب (اس گمراہ، ظالم اور ہٹ دھرم قوم کو عذاب دیئے جانے کے بارے میں) ہمارا فرمان آپہنچا تو ہم نے شعیب علیہ السلام اور اس پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کی برکت سے نجات دی۔'' [1] ''پھر آسمانی پکار اور مرگ آفریں عظیم صیحہ نے ظالموں اور ستمگروں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔'' [2]

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ ''صیحہ'' ہر قسم کی عظیم آواز اور پکار کے معنی میں ہے، قرآن نے بعض قوموں کی نابودی صیحہ آسمانی کے ذریعے بتائی ہے۔ یہ صیحہ احتمالاً صاعقہ کے ذریعے یا اس کی مانند ہوتی ہے اور جیسا کہ ہم نے قوم ثمود کی داستان میں بیان کیا ہے کہ صوتی امواج بعض اوقات اس قدر قوی ہو سکتی ہیں کہ ایک گروہ کی موت کا سبب بن جائیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے: ''اس آسمانی صیحہ کے اثر سے قوم شعیب کے لوگ اپنے گھروں میں منہ کے بل جا گرے اور مر گئے اور ان کے بے جان جسم درس عبرت بنے ہوا ایک مدت تک وہیں پڑے رہے''۔ [3]

ان کی زندگی کی کتاب اس طرح بند کر دی گئی کہ ''گویا کبھی وہ اس سرزمین کے ساکن ہی نہ تھے''۔

سات روز تک شدت کی گرمی پڑی اور ہوا بالکل نہ چلی، اس کے بعد اچانک آسمان پر بادل آئے، ہوا چلی ان کو گھروں سے نکال پھینکا، گرمی کی وجہ سے بادل کے سایہ کے نیچے چلے گئے۔

اس وقت صاعقہ موت کا پیغام لے کر آئی خطرناک آواز، آگ کی بارش اور زمین میں زلزلہ آ گیا، اس طرح وہ سب نابود ہو گئے۔

---

[1] سورہ ہود آیت 94

[2] سورہ ہود آیت 94

[3] سورہ ہود آیت 94

وہ تمام دولت وثروت کہ جس کی خاطر انہوں نے گناہ اور ظلم وستم کیے نابود ہو گئی۔ انکی زمینیں اور زرق برق زندگی ختم ہو گئی اور ان کا شور وغوغا خاموش ہو گیا اور آخر کار جیسا کہ قوم عاد وثمود کی داستان کے آخر میں بیان ہوا ہے فرمایا گیا ہے: دور ہو سرزمین مدین لطف ورحمت پروردگار سے جیسے کہ قوم ثمود دور ہوئی۔ [1]

"واضح ہے کہ یہاں "مدین" سے مراد اہل مدین ہیں جو رحمت خدا سے دور ہوئے"۔

---

[1] سورہ ہود آیت 95

حضرت موسیٰ علیہ السلام

تمام پیغمبر کی نسبت قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ زیادہ آیا ہے۔ تیس سے زیادہ سورتوں میں موسیٰ علیہ السلام و فرعون اور بنی اسرائیل کے واقعہ کی طرف سو مرتبہ سے زیادہ اشارہ ہوا ہے۔

اگر ہم ان آیتوں کی الگ الگ شرح کریں اس کے بعد ان سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیں تو بعض افراد کے اس توہم کے برخلاف کہ قرآن میں تکرار سے کام لیا گیا ہے، ہم کو معلوم ہوگا کہ قرآن میں نہ صرف تکرار نہیں ہے بلکہ ہر سورہ میں جو بحث چھیڑی گئی ہے اس کی مناسبت سے اس سرگزشت کا ایک حصہ شاہد کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ضمناً یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے اس زمانے میں مملکت مصر نسبتاً وسیع مملکت تھی۔ وہاں کے رہنے والوں کا تمدن بھی حضرت نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی اقوام سے زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ لہٰذا حکومت فراعنہ کی مقاومت بھی زیادہ تھی۔

اسی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحریک اور نہضت بھی اتنی اہمیت کی حامل ہوئی کہ اس میں بہت زیادہ عبرت انگیز نکات پائے جاتے ہیں۔ بنابریں اس قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور بنی اسرائیل کے حالات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کلی طور پر اس عظیم پیغمبر علیہ السلام کی زندگی کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے پانچ ادوار

1۔ پیدائش سے لے کر آغوش فرعون میں آپ کی پرورش تک کا زمانہ۔

2۔ مصر سے آپؑ کا نکلنا اور شہر مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس کچھ وقت گزارنا۔

3۔ آپؑ کی بعثت کا زمانہ اور فرعون اور اس کی حکومت والوں سے آپؑ کے متعدد تنازعے۔

4۔ فرعونیوں کے چنگل سے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات اور وہ حوادث جو راستہ میں اور بیت المقدس پہنچنے پر رونما ہوئے۔

5۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے درمیان کشمکش کا زمانہ۔

ولادت حضرت موسیٰ علیہ السلام

حکومت فرعون نے بنی اسرئیل کے یہاں جو نومولود لڑکے ہوتے تھے انہیں قتل کرنے کا ایک وسیع پروگرام بنایا تھا۔ یہاں تک کہ فرعون کی مقرر کردہ دائیاں بنی اسرائیل کی باردار عورتوں کی نگرانی کرتی تھیں۔

ان دائیوں میں سے ایک والدہ موسیٰ علیہ السلام کی دوست بن گئی تھی۔ (شکم مادر میں موسیٰ علیہ السلام کا حمل مخفی رہا اور اس کے آثار ظاہر نہ ہوئے) جس وقت مادر موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ بچے کی ولادت کا وقت قریب ہے تو آپ نے کسی کے ذریعہ اپنی دوست دائی کو بلانے بھیجا۔ جب وہ آ گئی تو اس سے کہا: میرے پیٹ میں ایک فرزند ہے، آج مجھے تمہاری دوستی اور محبت کی ضرورت ہے۔

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو آپ کی آنکھوں میں ایک خاص نور چمک رہا تھا، چنانچہ اسے دیکھ کر وہ دایہ کانپنے لگی اور اس کے دل کی گہرائی میں محبت کی ایک بجلی سما گئی، جس نے اس کے دل کی تمام فضاء کو روشن کر دیا۔

یہ دیکھ کر وہ دایہ، مادر موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر بولی کہ میرا یہ خیال تھا کہ حکومت کے دفتر میں جا کے اس بچے کے پیدا ہونے کی خبر دوں تا کہ جلاد آئیں اور اسے قتل کر دیں اور میں اپنا انعام پالوں۔ مگر میں کیا کروں کہ میں اپنے دل میں اس نوزائیدہ بچے کی شدید محبت کا احساس کرتی ہوں۔ یہاں تک کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ اس کا بال بھی بیکا ہو۔ اس کی اچھی طرح حفاظت کرو۔ میرا خیال ہے کہ آخر کار یہی ہمارا دشمن ہوگا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام تنور میں

وہ دایہ مادر موسیٰ علیہ السلام کے گھر سے باہر نکلی۔ تو حکومت کے بعض جاسوسوں نے اسے دیکھ لیا۔ انھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ گھر میں داخل ہو جائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے اپنی ماں کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا ماں یہ سن کے گھبرا گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کرے۔

اس شدید پریشانی کے عالم میں جب کہ وہ بالکل حواس باختہ ہو رہی تھی اس نے بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور تنور میں ڈال دیا۔ اس دوران میں حکومت کے آدمی آ گئے مگر وہاں انھوں نے روشن تنور کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ انھوں نے مادر موسیٰ علیہ السلام سے تفتیش شروع کر دی۔ پوچھا۔ دایہ یہاں کیا کر رہی تھی۔؟ موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے کہا کہ وہ میری سہیلی ہے مجھ سے ملنے آئی تھی۔ حکومت کے کارندے مایوس ہو کے واپس ہو گئے۔

اب موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ہوش آیا۔ آپ نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ بچہ کہاں ہے؟ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ناگہاں تنور کے اندر سے بچے کے رونے کی آواز آئی۔ اب ماں تنور کی طرف

دوڑی۔ کیا دیکھتی ہے کہ خدا نے اس کے لئے آتش تنور کو "ٹھنڈا اور سلامتی کی جگہ" بنا دیا ہے۔ وہی خدا جس نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے لیے آتش نمرود کو "برد وسلام" بنا دیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بچے کو صحیح وسالم باہر نکال لیا۔

لیکن پھر بھی ماں محفوظ نہ تھی۔ کیونکہ حکومت کے کارندے دائیں بائیں پھرتے رہتے اور جستجو میں لگے رہتے تھے۔ کسی بڑے خطرے کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ ایک نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز سن لیتے۔

اس حالت میں خدا کے ایک الہام نے ماں کے قلب کو روشن کر دیا۔ وہ الہام ایسا تھا کہ ماں کو بظاہر ایک خطرناک کام پر آمادہ کر رہا تھا۔ مگر پھر بھی ماں اس ارادے سے اپنے دل میں سکون محسوس کرتی تھی۔

''ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا اور جب تجھے اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا نہیں اور نہ غمگین ہونا کیونکہ ہم اسے تیرے پاس لوٹا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے قرار دیں گے''۔ [1]

اس نے کہا: ''خدا کی طرف سے مجھ پر یہ فرض عائد ہوا ہے۔ میں اسے ضرور انجام دوں گی''۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ میں اس الہام کو ضرور عملی جامہ پہناؤں گی اور اپنے نوزائیدہ بچے کو دریائے نیل میں ڈال دوں گی۔

اس نے ایک مصری بڑھئی کو تلاش کیا (وہ بڑھئی قبطی اور فرعون کی قوم میں سے تھا) اس نے اس بڑھئی سے درخواست کی کہ میرے لیے ایک چھوٹا سا صندوق بنا دے۔

بڑھئی نے پوچھا: جس قسم کا صندوقچہ تم بنوانا چاہتی ہو اسے کس کام میں لاؤ گی؟

موسیٰ علیہ السلام کی ماں جو دروغ گوئی کی عادی نہ تھی اس نازک مقام پر بھی سچ بولنے سے

---

[1] سورہ قصص آیت ۷

باز نہ رہی۔ اس نے کہا: میں بنی اسرائیل کی ایک عورت ہوں۔ میرا ایک نوزائیدہ بچہ لڑکا ہے۔ میں اس بچے کو اس صندوق میں چھپانا چاہتی ہوں۔

اس قبطی بڑھئی نے اپنے دل میں یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ جلادوں کو یہ خبر پہنچادے گا۔ وہ تلاش کر کے ان کے پاس پہنچ گیا۔ مگر جب وہ انہیں یہ خبر سنانے لگا تو اس کے دل پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ اس کی زبان بند ہوگئی۔ وہ صرف ہاتھوں سے اشارے کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ ان علامتوں سے انہیں اپنا مطلب سمجھادے۔ حکومت کے کارندوں نے اس کی حرکات دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ شخص ہم سے مذاق کر رہا ہے۔ اس لیے اسے مارا اور باہر نکال دیا۔

جیسے ہی وہ اس دفتر سے باہر نکلا اس کے ہوش وحواس یکجا ہوگئے، وہ پھر جلادوں کے پاس گیا اور اپنی حرکات سے پھر مار کھائی۔

آخر اس نے یہ سمجھا کہ اس واقعے میں ضرور کوئی الٰہی راز پوشیدہ ہے۔ چنانچہ اس نے صندوق بنا کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دے دیا۔

دریا کی موجیں گہوارے سے بہتر

غالباً صبح کا وقت تھا۔ ابھی اہل مصر محو خواب تھے۔ مشرق سے پو پھٹ رہی تھی۔ ماں نے نوزائیدہ بچے اور صندوق کو دریائے نیل کے کنارے لائی، بچے کو آخری مرتبہ دودھ پلایا۔ پھر اسے، مخصوص صندوق میں رکھا (جس میں یہ خصوصیت تھی کہ ایک چھوٹی کشتی کی طرح پانی پر تیر سکے) پھر اس صندوق کو نیل کی موجوں کے سپرد کر دیا۔

نیل کی پر شور موجوں نے اس صندوق کو جلد ہی ساحل سے دور کر دیا۔ ماں کنارے کھڑی دیکھ رہی تھی۔ معاً اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا دل سینے سے نکل کر موجوں کے اوپر تیر رہا ہے۔ اس وقت، اگر الطاف الٰہی اس کے دل کو سکون وقرار نہ بخشتا تو یقیناً وہ زور زور سے

رونے لگتی اور پھر سارا راز فاش ہو جاتا، کسی آدمی میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان حساس لمحات میں ماں پر جو گزر رہی تھی۔ الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچ سکے مگر۔ ایک فارسی شاعرہ نے کسی حد تک اس منظر کو اپنے فصیح اور پر از جذبات اشعار میں مجسم کیا ہے۔

ترجمہ اشعار:

1۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے حکم الٰہی کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل میں ڈال دیا۔

2۔ وہ ساحل پر کھڑی ہوئی حسرت سے دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اے میرے بے گناہ ننھے بیٹے

3۔ اگر لطف الٰہی تیرے شامل حال نہ ہو تو، تو اس کشتی میں کیسے سلامت رہ سکتا ہے جس کا کوئی ناخدا نہیں ہے۔

4۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو اس وقت وحی ہوئی کہ تیری یہ کیا خام خیالی ہے ہمارا مسافر تو سوئے منزل رواں ہے۔

5۔ تو نے جب اس بچے کو دریا میں ڈالا تھا تو ہم نے اسے اسی وقت سنبھال لیا تھا۔ تو نے خدا کا ہاتھ دیکھا مگر اسے پہچانا نہیں۔

6۔ اس وقت پانی کی سطح (اس کے لیے) اس کے گہوارے سے زیادہ راحت بخش ہے۔ دریا کا سیلاب اس کی دایہ گیری کر رہا ہے اور اس کی موجیں آغوش مادر بنی ہوئی ہیں۔

7۔ دیکھو! دریاؤں میں ان کے ارادہ و اختیار سے طغیانی نہیں آتی۔ وہ ہمارے حکم کے مطیع ہیں وہ وہی کرتے ہیں جو ہمارا امر ہوتا ہے۔

8۔ ہم ہی سمندروں کو طوفانی ہونے کا حکم دیتے ہیں اور ہم ہی سیل دریا کو روانی اور امواج بحر کو تلاطم کا فرمان بھیجتے ہیں۔

9۔ ہستی کا نقش ہمارے ایوان کے نقوش میں سے ایک نقش ہے جو دیکھو، ہے، یہ کائنات تو اس کاشتے از خرواری نمونہ ہے۔ اور خاک، پانی، ہوا اور آتش ہمارے ہی اشارے سے متحرک ہیں۔

10۔ بہتر یہی ہے کہ تو بچے کو ہمارے سپرد کردے اور خود واپس چلی جا۔ کیونکہ تو اس سے ہم سے زیادہ محبت نہیں کرتی۔

دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت

اب دیکھنا چاہیے کہ فرعون کے محل میں کیا ہو رہا تھا؟

روایات میں مذکور ہے کہ فرعون کی ایک اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ ایک سخت بیماری سے شدید تکلیف میں تھی۔ فرعون نے اس کا بہت کچھ علاج کرایا مگر بے سود۔ اس نے کاہنوں سے پوچھا۔ انھوں نے کہا: ''اے فرعون ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ اس دریا میں سے ایک آدمی تیرے محل میں داخل ہوگا۔ اگر اس کے منہ کی رال اس بیمار کے جسم پر مل جائے گی تو اسے شفا ہو جائیگی''۔

چنانچہ فرعون اور اس کی ملکہ آسیہ ایسے واقعے کے انتظار میں تھے کہ ناگہاں ایک روز انہیں ایک صندوق نظر آیا جو موجوں کی سطح پر تیر رہا تھا۔ فرعون نے حکم دیا کہ سرکاری ملازمین فوراً دیکھیں کہ یہ صندوق کیسا ہے اور اسے پانی میں سے نکال لیں۔ دیکھیں کہ اس میں کیا ہے؟

نوکروں نے وہ عجیب صندوق فرعون کے سامنے لا کے رکھ دیا۔ کسی کو اس کا ڈھکنا کھولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مطابق مشیت الٰہی، یہ لازمی تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کے لیے صندوق کا ڈھکنا فرعون ہی کے ہاتھ سے کھولا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جس وقت فرعون کی ملکہ نے اس بچے کو دیکھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ ایک بجلی چمکی ہے جس نے اس کے دل کو منور کر دیا ہے۔

ان دونوں بالخصوص فرعون کی ملکہ کے دل میں اس بچے کی محبت نے گھر بنالیا اور جب اس بچے کا آب دہن اس کے لیے موجب شفا ہو گیا تو یہ محبت اور بھی زیادہ ہو گئی۔

قرآن میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ:۔ فرعون کے اہل خانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو نیل کی موجوں کے اوپر سے پکڑ لیا۔ تاکہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے باعث اندوہ ہو جائے۔ [1]

''یہ امر بدیہی ہے کہ فرعون کے اہل خانہ نے اس بچے کے قنداقہ (وہ کپڑا جس میں بچہ کو لپیٹتے ہیں) کو اس نیت سے دریا سے نہیں نکالا تھا کہ اپنے جانی دشمن کو اپنی گود میں پالیں، بلکہ وہ لوگ بقول ملکہ فرعون، اپنے لیے ایک نور چشم حاصل کرنا چاہتے تھے''۔

لیکن انجام کار ایسا ہی ہوا، اس معنی و مراد کی تعبیر میں لطافت یہی ہے کہ خدا اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتا ہے کہ وہ کس طرح اس گروہ کو جنھوں نے اپنی تمام قوتیں اور وسائل، بنی اسرائیل کی اولاد ذکور کو قتل کرنے کے لیے وقف کر دیا تھا، اس خدمت پر مامور کرے کہ جس بچے کو نابود کرنے کے لیے انھوں نے یہ پروگرام بنایا تھا، اسی کو وہ اپنی جان کی طرح عزیز رکھیں اور اسی کی پرورش کریں۔

قرآن کی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بچے کی بابت فرعون، اس کی ملکہ اور دیگر اہل خاندان میں باہم نزاع اور اختلاف بھی ہوا تھا، کیونکہ قرآن شریف میں یوں بیان ہے: فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کا نور ہے۔ اسے قتل نہ کرو۔ ممکن ہے یہ ہمارے لیے نفع بخش ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ [2]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون بچے کے چہرے اور دیگر علامات سے، من جملہ ان کے اسے صندوق میں رکھنے اور دریائے نیل میں بہادینے سے یہ سمجھ گیا تھا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے کسی کا بچہ ہے۔

یہ سمجھ کر نا گہاں، بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی کی بغاوت اور اس کی سلطنت کے زوال کا کابوس اس کی روح پر مسلط ہو گیا اور وہ اس امر کا خواہاں ہوا کہ اس کا وہ ظالمانہ قانون، جو

---

[1] سورہ قصص آیت 8
[2] سورہ قصص آیت 9

بنی اسرائیل کے تمام نوزائیدہ اطفال کے لیے جاری کیا گیا تھا اس بچے پر بھی نافذ ہو۔

فرعون کے خوشامدی درباریوں اور رشتہ داروں نے بھی اس امر میں فرعون کی تائید و حمایت کی اور کہا اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ بچہ قانون سے مستثنیٰ رہے۔

لیکن فرعون کی بیوی آسیہ جس کے بطن سے کوئی لڑکا نہ تھا اور اس کا پاک دل فرعون کے درباریوں کی مانند نہ تھا، اس بچے کے لیے محبت کی کان بن گیا تھا۔ چنانچہ وہ ان سب کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی اور چونکہ اس قسم کے گھریلو اختلافات میں فتح ہمیشہ عورتوں کی ہوتی ہے، وہ بھی جیت گئی۔

اگر اس گھریلو جھگڑے پر، دختر فرعون کی شفایابی کے واقعے کا بھی اضافہ کر لیا جائے تو اس اختلاف باہمی میں آسیہ کی فتح کا امکان روشن تر ہو جاتا ہے۔

قرآن میں ایک بہت ہی پر معنی فقرہ ہے: وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کر رہے ہیں۔ [1]

البتہ وہ بالکل بے خبر تھے کہ خدا کا واجب النفوذ فرمان اور اس کی شکست ناپذیر مشیت نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ یہ طفل نوزائیدہ انتہائی خطرات میں پرورش پائے۔ اور کسی آدمی میں بھی ارادہ و مشیت الٰہی سے سرتابی کی جرأت اور طاقت نہیں ہے۔

اللہ کی عجیب قدرت

اس چیز کا نام قدرت نمائی نہیں ہے کہ خدا آسمان و زمین کے لشکروں کو مامور کر کے کسی پر قوت اور ظالم قوم کو نیست و نابود کر دے۔

بلکہ قدرت نمائی یہ ہے کہ ان ہی جباران مستکبر سے یہ کام لے کر وہ اپنے آپ کو خود ہی نیست و نابود کر لیں اور ان کے دل و دماغ میں ایسے خیالات پیدا ہو جائیں کہ بڑے شوق سے لکڑیاں جمع کریں اور اس کی آگ میں جل مریں، اپنے لیے خود ہی قید خانہ بنائیں اور اس میں اسیر ہو کے جان دے دیں، اپنے لیے خود ہی صلیب کھڑی کریں اور اس پر چڑھ مر جائیں۔

[1] سورہ قصص آیت 9

فرعون اور اسکے زور مند اور ظالم ساتھیوں کے ساتھ بھی یہی پیش آیا۔ چنانچہ تمام مراحل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات اور پرورش انہی کے ہاتھوں سے ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دایہ قبطیوں میں سے تھی، صندوق موسیٰ علیہ السلام کو امواج نیل سے نکالنے اور نجات دینے والے متعلقین فرعون تھے، صندوق کا ڈھکنا کھولنے والا خود فرعون یا اس کی اہلیہ تھی، اور آخر کار فرعون شکن اور مالک غلبہ واقتدار موسیٰ علیہ السلام کے لیے امن وآرام اور پرورش کی جگہ خود فرعون کا محل قرار پایا۔

یہ ہے پروردگار عالم خدا کی قدرت۔

موسیٰ علیہ السلام پھر آغوش مادر میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اس طرح سے جیسا کہ ہم نے پیشتر بیان کیا ہے، اپنے فرزند کو دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کردیا۔ مگر اس عمل کے بعد اس کے دل میں جذبات کا یکا یک شدید طوفان اٹھنے لگا، نوزائیدہ بیٹے کی یاد، جس کے سوا اس کے دل میں کچھ نہ تھا، اس کے احساسات پر غالب آگئی تھی، قریب تھا کہ وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے اور اپنا راز فاش کردے، قریب تھا کہ چیخ مارے اور اپنے بیٹے کی جدائی میں نالے کرے۔

لیکن عنایت خداوندی اس کے شامل حال رہی جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے: "موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل اپنے فرزند کی یاد کے سوا ہر چیز سے خالی ہوگیا، اگر ہم نے اس کا دل ایمان اور امید کے نور سے روشن نہ کیا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ راز فاش کردیتی۔ لیکن ہم نے یہ اس لیے کیا تاکہ وہ اہل ایمان میں سے رہے"۔ [1]

یہ قطعی فطری امر ہے کہ: ایک ماں جو اپنے بچے کو اس صورت حال سے اپنے پاس سے جدا کرے وہ اپنی اولاد کے سوا ہر شے کو بھول جائے گی۔ اور اس کے حواس ایسے باختہ ہو

---

[1] سورہ قصص آیت 10

جائیں گے کہ ان خطرات کا لحاظ کیے بغیر جو اس کے اور اس کے بیٹے دونوں کے سر پر منڈلا رہے تھے فریاد کرے اور اپنے دل کا راز فاش کر دے۔

لیکن وہ خدا جس نے اس ماں کے سپرد یہ اہم فریضہ کیا تھا، اسی نے اس کے دل کو ایسا حوصلہ بھی بخشا کہ وعدہ الٰہی پر اس کا ایمان ثابت رہے اور اسے یہ یقین رہے کہ اس کا بچہ خدا کے ہاتھ میں ہے آخر کار وہ پھر اسی کے پاس آجائے گا اور پیغمبر بنے گا۔

اس لطف خداوندی کے طفیل ماں کے دل کا سکون لوٹ آیا مگر اسے آرزو رہی کہ وہ اپنے فرزند کے حال سے باخبر رہے "اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا کہ جا تو دیکھتی رہ کہ اس پر کیا گزرتی ہے"۔ [1]

موسیٰ علیہ السلام کی بہن ماں کا حکم بجا لائی اور اتنے فاصلے سے جہاں سے سب کچھ نظر آتا تھا دیکھتی رہی۔ اس نے دور سے دیکھا کہ فرعون کے عمال اس کے بھائی کے صندوق کو پانی میں سے نکال رہے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں سے نکال کر گود میں لے رہے ہیں۔

"مگر وہ لوگ اس بہن کی اس کیفیت حال سے بے خبر تھے"۔ [2]

بہر حال ارادہ الٰہی یہ تھا کہ یہ طفل نوزاد جلد اپنی ماں کے پاس واپس جائے اور اس کے دل کو قرار آئے۔ اس لیے فرمایا گیا ہے: "ہم نے تمام دودھ پلانے والی عورتوں کو اس پر حرام کر دیا تھا"۔ [3]

یہ طبیعی ہے کہ شیر خوار نوزاد چند گھنٹے گزرتے ہی بھوک سے رونے لگتا ہے اور بے تاب ہو جاتا ہے۔ دریں حال لازم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لیے کسی عورت کی تلاش کی جاتی۔ خصوصاً جبکہ ملکہ مصر اس بچے سے نہایت دل بستگی رکھتی تھی اور اسے اپنی جان کے برابر

---

[1] سورہ قصص آیت 11

[2] سورہ قصص آیت 11

[3] سورہ قصص آیت 12

عزیز رکھتی تھی۔

محل کے تمام خدام حرکت میں آ گئے اور در بدر کسی دودھ پلانے والی کو تلاش کرنے لگے۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ وہ کسی کا دودھ پیتا ہی نہ تھا۔

ممکن ہے کہ وہ بچہ ان عورتوں کی صورت ہی سے ڈرتا ہو اور ان کے دودھ کا مزہ (جس سے وہ آشنا نہ تھا) اسے اس کا ذائقہ ناگوار اور تلخ محسوس ہوتا ہو۔ اس بچے کا طور کچھ اس طرح کا تھا گویا کہ ان (دودھ پلانے والی) عورتوں کی گود سے اچھل کے دور جا گرے در اصل یہ خدا کی طرف سے "تحریم تکوینی" تھی کہ اس نے تمام عورتوں کو اس پر حرام کر دیا تھا۔

بچہ لحظہ بہ لحظہ زیادہ بھوکا اور زیادہ بیتاب ہوتا جاتا تھا۔ بار بار رو رہا تھا اور اس کی آواز سے فرعون کے محل میں شور ہو رہا تھا۔ اور ملکہ کا دل لرز رہا تھا۔

خدمت پر مامور لوگوں نے اپنی تلاش کو تیز تر کر دیا۔ ناگہاں قریب ہی انہیں ایک لڑکی مل جاتی ہے۔ وہ ان سے یہ کہتی ہے: میں ایک ایسے خاندان کو جانتی ہوں جو اس بچے کی کفالت کر سکتا ہے۔ وہ لوگ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔

"کیا تم لوگ یہ پسند کرو گے کہ میں تمہیں وہاں لے چلوں"؟ [1]

میں بنی اسرائیل میں سے ایک عورت کو جانتی ہوں جس کی چھاتیوں میں دودھ ہے اور اس کا دل محبت سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا ایک بچہ تھا وہ اسے کھو چکی ہے۔ وہ ضرور اس بچے کو جو محل میں پیدا ہوا ہے، دودھ پلانے پر آمادہ ہو جائے گی۔

وہ تلاش کرنے والے خدام یہ سن کر خوش ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو فرعون کے محل میں لے گئے۔ اس بچے نے جونہی اپنی ماں کی خوشبو سونگھی اس کا دودھ پینے لگا۔ اور اپنی ماں کا روحانی رس چوس کر اس میں جان تازہ آ گئی۔ اسکی آنکھوں میں خوشی کا نور چمکنے لگا۔

---

[1] سورہ قصص آیت 12

اس وقت وہ خدام جو ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئے تھے۔ بہت ہی زیادہ خوش و خرم تھے۔ فرعون کی بیوی بھی اس وقت اپنی خوشی کو نہ چھپا سکی۔ ممکن ہے اس وقت لوگوں نے کہا ہو کہ تو کہاں چلی گئی تھی۔ ہم تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئے۔ تجھ پر اور تیرے شیر مشکل کشا پر آفرین ہے۔

صرف تیرا ہی دودھ کیوں پیا

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ماں کا دودھ پینے لگے، فرعون کے وزیر ہامان نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ تو ہی اسکی ماں ہے۔ بچے نے ان تمام عورتوں میں سے صرف تیرا ہی دودھ کیوں قبول کرلیا؟

ماں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ایسی عورت ہوں جس کے دودھ میں سے خوشبو آتی ہے۔ میرا دودھ نہایت شیریں ہے۔ اب تک جو بچہ بھی مجھے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ فوراً ہی میرا دودھ پینے لگتا ہے۔

حاضرین دربار نے اس قول کی صداقت کو تسلیم کرلیا اور ہر ایک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو گراں بہا ہدیے اور تحفے دیے۔

ایک حدیث جو امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے اس میں منقول ہے کہ: ''تین دن سے زیادہ کا عرصہ نہ گزرا تھا کہ خدا نے بچے کو اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا''۔

بعض اہل دانش کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ ''تحریم تکوینی'' (یعنی دوسری عورتوں کا حرام کیا جانا) اس سبب سے تھا کہ خدا یہ نہیں چاہتا تھا کہ میرا فرستادہ پیغمبر ایسا دودھ پیئے جو حرام سے آلودہ ہو اور ایسا مال کھا کے بنا ہو جو چوری، ناجائز ذرائع، رشوت اور حق الناس کو غصب کر کے حاصل کیا گیا ہو۔

خدا کی مشیت یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی صالحہ ماں کے پاک دودھ سے غذا حاصل کریں۔ تاکہ وہ اہل دنیا کے شر کے خلاف ڈٹ جائیں اور اہل شر وفساد سے نبرد آزمائی کر سکیں۔

''ہم نے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا۔ تاکہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں اور اس کے دل میں غم واندوہ باقی نہ رہے اور وہ یہ جان لے کہ خدا کا وعدہ حق ہے۔ اگرچہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے''۔ [1]

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: کیا وابستگان فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو پورے طور سے ماں کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ اسے گھر لے جائے اور دودھ پلایا کرے اور دوران رضاعت روزانہ یا کبھی کبھی بچے کو محل میں لایا کرے تاکہ ملکہ مصر اسے دیکھ لیا کرے یا یہ کہ بچہ محل ہی میں رہتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں معین اوقات میں آکر اسے دودھ پلا جاتی تھی؟

مذکورہ بالا دونوں احتمالات کے لیے ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ لیکن احتمال اول زیادہ قرین قیاس ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ: آیا عرصہ شیر خوارگی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں چلے گئے یا ان کا تعلق اپنی ماں اور خاندان کے ساتھ باقی رہا اور محل سے وہاں آتے جاتے رہے؟

اس مسئلے کے متعلق بعض صاحبان نے یہ کہا ہے کہ شیر خوارگی کے بعد آپ کی ماں نے انہیں فرعون اور اس کی بیوی آسیہ کے سپرد کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان دونوں کے پاس پرورش پاتے رہے۔

اس ضمن میں راویوں نے فرعون کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طفلانہ (مگر بامعنی) باتوں کا ذکر کیا ہے کہ اس مقام پر ہم ان کو بعذر طول کلام کے پیش نظر قلم انداز کرتے ہیں۔ لیکن

---

[1] سورہ قصص آیت 1

فرعون کا یہ جملہ کہ اس نے بعثت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کہا: ''کیا ہم نے تجھے بچپن میں پرورش نہیں کیا اور کیا تو برسوں تک ہمارے درمیان نہیں رہا''۔ [1]

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام چند سال تک فرعون کے محل میں رہتے تھے۔

علی ابن ابراہیم کی تفسیر سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تا زمانہ بلوغ فرعون کے محل میں نہایت احترام کے ساتھ رہے۔ مگر ان کی توحید کے بارے میں واضح باتیں فرعون کو سخت ناگوار ہوتی تھیں۔

یہاں تک کہ اس نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس خطرے کو بھانپ گئے اور بھاگ کر شہر میں آگئے۔ یہاں وہ اس واقعے سے دوچار ہوئے کہ دو آدمی لڑ رہے تھے جن میں سے ایک قبطی اور ایک سبطی تھا۔ [2]

موسیٰ علیہ السلام مظلوموں کے مددگار کے طور پر

اب ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نشیب و فراز سے بھرپور زندگی کے تیسرے دور کو ملاحظہ کرتے ہیں۔

اس دور میں ان کے وہ واقعات ہیں جو انہیں دوران بلوغ اور مصر سے مدین کو سفر کرنے سے پہلے پیش آئے اور یہ وہ اسباب ہیں جو ان کی ہجرت کا باعث ہوئے۔

''بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب تمام اہل شہر غافل

[1] سورہ شعراء، آیت 18

[2] اس واقعہ کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

تھے''۔ [1]

یہ واضح نہیں ہے کہ یہ کونسا شہر تھا۔ لیکن احتمال قوی یہ ہے کہ یہ مصر کا پایہ تخت تھا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس مخالفت کی وجہ سے جو ان میں فرعون اور اس کے وزراء میں تھی اور بڑھتی جا رہی تھی، مصر کے پایہ تخت سے نکال دیا گیا تھا۔ مگر جب لوگ غفلت میں تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو موقع مل گیا اور وہ شہر میں آ گئے۔

اس احتمال کی بھی گنجائش ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل سے نکل کر شہر میں آئے ہوں کیونکہ عام طور پر فرعونیوں کے محلات شہر کے ایک کنارے پر ایسی جگہ بنائے جاتے تھے جہاں سے وہ شہر کی طرف آمد و رفت کے راستوں کی نگرانی کر سکیں۔

شہر کے لوگ اپنے مشاغل معمول سے فارغ ہو چکے تھے اور کوئی بھی شہر کی حالت کی طرف متوجہ نہ تھا۔ مگر یہ کہ وہ وقت کونسا تھا؟ بعض کا خیال ہے کہ ''ابتدائے شب'' تھی، جب کہ لوگ اپنے کاروبار سے فارغ ہو جاتے ہیں، ایسے میں کچھ تو اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے ہیں۔ کچھ تفریح اور رات کو بیٹھ کے باتیں کرنے لگتے ہیں۔

بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں آئے اور وہاں ایک ماجرے سے دوچار ہوئے دیکھا: ''دو آدمی آپس میں بھڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرف دار اور ان کا پیرو تھا اور دوسرا ان کا دشمن تھا''۔ [2]

کلمہ ''شیعتہ'' اس امر کا غماز ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل میں اسی زمانے سے مراسم ہو گئے تھے اور کچھ لوگ ان کے پیرو بھی تھے احتمال یہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مقلدین اور شیعوں کی روح کو فرعون کی جابرانہ حکومت کے خلاف لڑنے کے لئے بطور ایک مرکزی طاقت کے تیار کر رہے تھے۔

---

[1] سورہ قصص آیت 18

[2] سورہ قصص آیت 15

جس وقت بنی اسرائیل کے اس آدمی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا: "تو ان سے اپنے دشمن کے مقابلے میں امداد چاہی"۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہو گئے تاکہ اسے اس ظالم دشمن کے ہاتھ سے نجات دلائیں بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ قبطی فرعون کا ایک باورچی تھا اور چاہتا تھا کہ اس بنی اسرائیل کو بیگار میں پکڑ کے اس سے لکڑیاں اٹھوائے "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس فرعونی کے سینے پر ایک مکا مارا وہ ایک ہی مکے میں مر گیا اور زمین پر گر پڑا"۔ [2]

اس میں شک نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس فرعونی کو جان سے مار دینے کا ارادہ نہ تھا قرآن سے بھی یہ خوب واضح ہو جاتا ہے ایسا اس لئے نہ تھا کہ وہ لوگ مستحق قتل نہ تھے بلکہ انہیں ان نتائج کا خیال تھا جو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو پیش آسکتے تھے۔

لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً کہا: "کہ یہ کام شیطان نے کرایا ہے کیونکہ وہ انسانوں کا دشمن اور واضح گمراہ کرنے والا ہے"۔ [3]

اس واقعے کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ بنی اسرئیلی کا گریبان اس فرعونی کے ہاتھ سے چھڑا دیں ہر چند کہ وابستگان فرعون اس سے زیادہ سخت سلوک کے مستحق تھے لیکن ان حالات میں ایسا کام کر بیٹھنا قرین مصلحت نہ تھا اور جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عمل کے نتیجے میں پھر مصر میں نہ ٹھہر سکے اور مدین چلے گئے۔

پھر قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے اس نے کہا: "پروردگارا میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف کردے، اور خدا نے اسے بخش دیا کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے"۔

[1] سورہ قصص آیت 15

[2] سورہ قصص آیت 15

[3] سورہ قصص آیت 15

[1]

یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السلام اس معاملے میں کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ حقیقت میں ان سے ترک اولیٰ سرزد ہوا کیونکہ انہیں ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہئے تھی جس کے نتیجے میں وہ زحمت میں مبتلا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی ترک اولیٰ کے لئے خدا سے طلب عفو کیا اور خدا نے بھی انہیں اپنے لطف وعنایت سے بہرہ مند کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''خداوندا تیرے اس احسان کے شکرانے میں کہ تو نے میرے قصور کو معاف کر دیا اور دشمنوں کے پنجے میں گرفتار نہ کیا اور ان تمام نعمتوں کے شکریہ میں جو مجھے ابتداء سے اب تک مرحمت کرتا رہا، میں عہد کرتا ہوں کہ ہرگز مجرموں کی مدد نہ کروں گا اور ظالموں کا طرف دار نہ ہوں گا''۔ [2]

بلکہ ہمیشہ مظلومین اور ستم دیدہ لوگوں کا مددگار رہوں گا۔ [3]

مفسرین نے، اس قبطی اور بنی اسرائیل کی باہمی نزاع اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مرد قبطی کے مارے جانے کے بارے میں بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی مخفیانہ مدین کی طرف روانگی

فرعونیوں میں سے ایک آدمی کے قتل کی خبر شہر میں بڑی تیزی سے پھیل گئی قرائن سے شاید لوگ یہ سمجھ گئے تھے کہ اس کا قاتل ایک بنی اسرائیل ہے اور شاید اس سلسلے میں لوگ موسیٰ علیہ السلام کا نام بھی لیتے تھے۔

---

[1] سورہ قصص آیت 15

[2] سورہ قصص آیت 17

[3] کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کام مقام عصمت کے خلاف نہیں ہے؟

البتہ یہ قتل کوئی معمولی بات نہ تھی اسے انقلاب کی ایک چنگاری یا اس کا مقدمہ شمار کیا جاتا تھا اور درحقیقت یہ معاملہ کوئی اہم اور بحث طلب تھا ہی نہیں کیونکہ ستم پسند وابستگان فرعون نہایت بے رحم اور مفسد تھے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کے سر قلم کیے اور بنی اسرائیل پر کسی قسم کا ظلم کرنے سے بھی دریغ نہ کیا اس جہت سے یہ لوگ اس قابل نہ تھے کہ بنی اسرائیل کیلئے ان کا قتل احترام انسانیت کے خلاف ہو۔

البتہ مفسرین کے لئے جس چیز نے دشواریاں پیدا کی ہیں وہ اس واقعے کی وہ مختلف تعبیرات ہیں جو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی ہیں چنانچہ وہ ایک جگہ تو یہ کہتے ہیں:

"ھذا من عمل الشیطان"

''یہ شیطانی عمل ہے''۔

اور دوسری جگہ یہ فرمایا:

"رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی"

''خدایا میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما دے''۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کی یہ دونوں تعبیرات اس مسلمہ حقیقت سے کیونکر مطابقت رکھتی ہیں کہ:

''عصمت انبیاء کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء ماقبل بعثت اور مابعد عطائے رسالت ہر دو حالات میں معصوم ہوتے ہیں''۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کی جو توضیح ہم نے آیات فوق کی روشنی میں پیش کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کچھ سرزد ہوا وہ ترک اولیٰ سے زیادہ نہ تھا انھوں نے اس عمل سے اپنے آپ کو زحمت میں مبتلا کرلیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی کا قتل ایسی بات نہ تھی کہ وابستگان فرعون اسے آسانی سے برداشت کر لیتے۔

نیز ہم جانتے ہیں کہ "ترک اولیٰ" کے معنی ایسا کام کرنا ہے جو بذات خود حرام نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ "عمل احسن" ترک ہو گیا بغیر اس کے کہ کوئی عمل خلاف حکم الہی سرزد ہوا ہو؟

حکومت کی مشینری اسے ایک معمولی واقعہ سمجھ کر چھوڑنے والی نہ تھی کہ بنی اسرائیل کے غلام اپنے آقاؤں کی جان لینے کا ارادہ کرنے لگیں۔

لہذا ہم قرآن میں یہ پڑھتے ہیں کہ "اس واقعے کے بعد موسیٰ علیہ السلام شہر میں ڈر رہے تھے اور ہر لحظہ انہیں کسی حادثے کا کھٹکا تھا اور وہ نئی خبروں کی جستجو میں تھے"۔ [1]

ناگہاں انہیں ایک معاملہ پیش آیا آپ نے دیکھا کہ وہی بنی اسرائیلی جس نے گزشتہ روز ان سے مدد طلب کی تھی انہیں پھر پکار رہا تھا اور مدد طلب کر رہا تھا (وہ ایک اور قبطی سے لڑ رہا تھا)۔

"لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تو آشکارا طور پر ایک جاہل اور گمراہ شخص ہے"۔ [2]

تو ہر روز کسی نہ کسی سے جھگڑ پڑتا ہے اور اپنے لئے مصیبت پیدا کر لیتا ہے اور ایسے کام شروع کر دیتا ہے جن کا ابھی موقع ہی نہیں تھا کل جو کچھ گزری ہے میں تو ابھی اس کے عواقب کا انتظار کر رہا ہوں اور تو نے وہی کام از سر نو شروع کر دیا ہے۔

بہر حال وہ ایک مظلوم تھا جو ایک ظالم کے پنجے میں پھنسا ہوا تھا (خواہ ابتدا میں اس سے کچھ قصور ہوا ہو یا نہ ہوا ہو) اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ اس کی مدد کریں اور اسے اس قبطی کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دیں لیکن جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ اس قبطی آدمی کو (جو ان دونوں کا دشمن تھا) پکڑ کر اس بنی اسرائیل سے جدا کریں وہ قبطی چلایا،

[1] سورہ قصص آیت 15

[2] سورہ قصص آیت 16

اس نے کہا: ''اے موسیٰ! کیا تو مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا تھا''۔ [1] ''تیری حرکات سے تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تو زمین پر ایک ظالم بن کر رہے گا اور یہ نہیں چاہتا کہ مصلحین میں سے ہو''۔ [2]

اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے محل اور اس کے باہر ہر دو جگہ اپنے مصلحانہ خیالات کا اظہار شروع کر دیا تھا بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کے فرعون سے اختلافات بھی پیدا ہو گئے تھے اسی لئے تو اس قبطی آدمی نے یہ کہا:

یہ کیسی اصلاح طلبی ہے کہ تو ہر روز ایک آدمی کو قتل کرتا ہے؟

حالانکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارادہ ہوتا کہ اس ظالم کو بھی قتل کر دیں تو یہ بھی راہ اصلاح میں ایک قدم ہوتا۔

بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ گزشتہ روز کا واقعہ طشت از بام ہو گیا ہے اور اس خوف سے کہ اور زیادہ مشکلات پیدا نہ ہوں، انھوں نے اس معاملے میں دخل نہ دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سزائے موت

اس واقعے کی فرعون اور اس کے اہل دربار کو اطلاع پہنچ گئی انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کے تکرر سرزد ہونے کو اپنی شان سلطنت کے لئے ایک تہدید سمجھا۔ وہ باہم مشورے کے لئے جمع ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔

(جہاں فرعون اور اس کے اہل خانہ رہتے تھے) وہاں سے ایک شخص تیزی کے ساتھ

[1] سورہ قصص آیت 19

[2] سورہ قصص آیت 19

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں مطلع کیا کہ آپ کو قتل کرنے کا مشورہ ہو رہا ہے، آپ فوراً شہر سے نکل جائیں، میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ [1]

یہ آدمی بظاہر وہی تھا جو بعد میں ''مومن آل فرعون'' کے نام سے مشہور ہوا، کہا جاتا ہے کہ اس کا نام حزقیل تھا وہ فرعون کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھا اور ان لوگوں سے اس کے ایسے قریبی روابط تھے کہ ایسے مشوروں میں شریک ہوتا تھا۔

اسے فرعون کے جرائم اور اس کی کرتوتوں سے بڑا دکھ ہوتا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ کوئی شخص اس کے خلاف بغاوت کرے اور وہ اس کار خیر میں شریک ہو جائے۔

بظاہر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ آس لگائے ہوئے تھا اور آن کی پیشانی میں من جانب اللہ ایک انقلابی ہستی کی علامات دیکھ رہا تھا اسی وجہ سے جیسے ہی اسے یہ احساس ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خطرے میں ہیں، نہایت سرعت سے ان کے پاس پہنچا اور انہیں خطرے سے بچا لیا۔

ہم بعد میں دیکھیں گے کہ وہ شخص صرف اسی واقعے میں نہیں، بلکہ دیگر خطرناک مواقع پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے با اعتماد اور ہمدرد ثابت ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس خبر کو قطعی درست سمجھا اور اس ایماندار آدمی کی خیر خواہی کو بہ نگاہ قدر دیکھا اور اس کی نصیحت کے مطابق شہر سے نکل گئے۔ ''اس وقت آپ خوف زدہ تھے اور ہر گھڑی انہیں کسی حادثے کا کھٹکا تھا''۔ [2]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت خضوع قلب کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہو کر اس بلا کو ٹالنے کے لئے اس کے لطف و کرم کی درخواست کی: ''اے میرے پروردگار: تو مجھے اس ظالم قوم سے رہائی بخش''۔ [3]

میں جانتا ہوں کہ وہ ظالم اور بے رحم ہیں میں تو مظلوموں کی مدافعت کر رہا تھا اور

---

[1] سورہ قصص آیت 19

[2] سورہ قصص آیت 21

[3] سورہ قصص آیت 21

ظالموں سے میرا کچھ تعلق نہ تھا اور جس طرح سے میں نے اپنی توانائی کے مطابق مظلوموں سے ظالموں کے شر کو دور کیا ہے تو بھی اے خدائے بزرگ ظالموں کے شر کو مجھ سے دور رکھ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ شہر مدین کو چلے جائیں یہ شہر شام کے جنوب اور حجاز کے شمال میں تھا اور قلمرو مصر اور فراعنہ کی حکومت میں شامل نہ تھا۔

مدین کہاں تھا؟

''مدین'' ایک شہر کا نام تھا جس میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کا قبیلہ رہتا تھا یہ شہر خلیج عقبہ کے مشرق میں تھا (یعنی حجاز کے شمال اور شامات کے جنوب میں) وہاں کے باشندے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے وہ مصر، لبنان اور فلسطین سے تجارت کرتے تھے آج کل اس شہر کا نام معان ہے۔ [1]

نقشے کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا مصر سے کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے، اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام چند روز میں وہاں پہنچ گئے۔

ملک اردن کے جغرافیائی نقشہ میں، جنوب غربی شہروں میں سے ایک شہر ''معان'' نام کا ملتا ہے، جس کا محل وقوع ہمارے مذکورہ بالا بیان کے مطابق ہے۔

لیکن وہ جوان جو محل کے اندر ناز و نعم میں پلا تھا ایک ایسے سفر پر روانہ ہو رہا تھا جیسا کہ سفر اسے کبھی زندگی بھر پیش نہ آیا تھا۔

اس کے پاس نہ زاد راہ تھا، نہ توشہ سفر، نہ کوئی سواری، نہ رفیق راہ اور نہ کوئی راستہ بتانے والا، ہر دم یہ خطرہ لاحق تھا۔

---

[1] بعض لوگ کلمہ ''مدین'' کا اطلاق اس قوم پر کرتے ہیں جو خلیج عقبہ سے کوہ سینا تک سکونت پذیر تھی توریت میں بھی اس قوم کو ''مدیان'' کہا گیا ہے۔

کہ حکومت کے اہلکار اس تک پہنچ جائیں اور پکڑ کے قتل کر دیں اس حالت میں ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کیا حال ہو گا۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ مقدر ہو چکا تھا کہ وہ سختی اور شدت کے دنوں کو پیچھے چھوڑ دیں اور قصر فرعون انہیں جس جال میں پھنسانا چاہتا تھا۔

اسے توڑ کر باہر نکل آئیں اور وہ کمزور اور ستم دیدہ لوگوں کے پاس رہیں ان کے درد و غم کا بہ شدت احساس کریں اور مستکبرین کے خلاف ان کی منفعت کے لئے بحکم الٰہی قیام فرمائیں۔

• بعض اہل تحقیق نے اس شہر کی وجہ تسمیہ بھی لکھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بیٹا جس کا نام "مدین" تھا اس شہر میں رہتا تھا۔

اس طویل، بے زاد و راہ اور بے رفیق و رہنما سفر میں ایک عظیم سرمایہ ان کے پاس تھا اور وہ تھا ایمان اور توکل بر خدا۔

"لہٰذا جب وہ مدین کی طرف چلے تو کہا: خدا سے امید ہے کہ وہ مجھے راہ راست کی طرف ہدایت کرے گا"۔ [1]

ایک نیک عمل نے موسیٰ علیہ السلام پر بھلائیوں کے دروازے کھول دیئے

اس مقام پر ہم اس سرگزشت کے پانچوں حصے پر پہنچ گئے ہیں اور وہ موقع یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مدین میں پہنچ گئے ہیں۔

یہ جوان پاکباز انسان کئی روز تک تنہا چلتا رہا یہ راستہ وہ تھا جو نہ کبھی اس نے دیکھا تھا نہ اسے طے کیا تھا بعض لوگوں کے قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام مجبور تھے کہ پا برہنہ راستہ طے

[1] سورہ قصص آیت 22

کریں، بیان کیا گیا ہے کہ مسلسل آٹھ روز تک چلتے رہے یہاں تک کہ چلتے چلتے ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔

جب بھوک لگتی تھی تو جنگل کی گھاس اور درختوں کے پتے کھا لیتے تھے ان تمام مشکلات اور زحمات میں صرف ایک خیال سے ان کے دل کو راحت رہتی تھی کہ انہیں افق میں شہر مدین کا منظر نظر آنے لگا ان کے دل میں آسودگی کی ایک لہر اٹھنے لگی وہ شہر کے قریب پہنچے انہوں نے لوگوں کا ایک انبوہ دیکھا وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ لوگ چرواہے ہیں کہ جو کنویں کے پاس اپنی بھیڑوں کو پانی پلانے آئے ہیں۔

''جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کنویں کے قریب آئے تو انھوں نے وہاں بہت سے آدمیوں کو دیکھا جو کنویں سے پانی بھر کے اپنے چوپایوں کو پلا رہے تھے، انھوں نے اس کنویں کے پاس دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بھیڑوں کو لئے کھڑی تھیں مگر کنویں کے قریب نہیں آتی تھیں''۔ [1]

ان باعفت لڑکیوں کی حالت قابل رحم تھی جو ایک گوشے میں کھڑی تھیں اور کوئی آدمی بھی ان کے ساتھ انصاف نہیں کرتا تھا چرواہے صرف اپنی بھیڑوں کی فکر میں تھے اور کسی اور کو موقع نہیں دیتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں کی یہ حالت دیکھی تو ان کے نزدیک آئے اور پوچھا: ''تم یہاں کیسے کھڑی ہو''۔ [2]

تم آگے کیوں نہیں بڑھتیں اور اپنی بھیڑوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ حق کشی، ظلم وستم، بے عدالتی اور مظلوموں کے حقوق کی عدم پاسداری جو انھوں نے شہر مدین میں دیکھی، قابل برداشت نہ تھی۔

مظلوموں کو ظالم سے بچانا ان کی فطرت تھی اسی وجہ سے انھوں نے فرعون کے محل اور اس کی نعمتوں کو ٹھکرا دیا تھا اور وطن سے بے وطن ہو گئے تھے وہ اپنی روش حیات کو ترک نہیں

---

[1] سورہ قصص آیت 23

[2] سورہ قصص آیت 23

کر سکتے تھے اور ظلم کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے

لڑکیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جواب میں کہا: "ہم اس وقت تک اپنی بھیڑوں کو پانی نہیں پلا سکتے، جب تک تمام چرواہے اپنے حیوانات کو پانی پلا کر نکل نہ جائیں"۔ [1]

ان لڑکیوں نے اس بات کی وضاحت کے لئے کہ ان باعفت لڑکیوں کے باپ نے انہیں تنہا اس کام کے لئے کیوں بھیج دیا ہے یہ بھی اضافہ کیا کہ ہمارا باپ نہایت ضعیف العمر ہے۔

نہ تو اس میں اتنی طاقت ہے کہ بھیڑوں کو پانی پلا سکے اور نہ ہمارا کوئی بھائی ہے جو یہ کام کرے اس خیال سے کہ کسی پر بار نہ ہوں ہم خود ہی یہ کام کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ باتیں سن کر بہت کوفت ہوئی اور دل میں کہا کہ یہ کیسے بے انصاف لوگ ہیں کہ انہیں صرف اپنی فکر ہے اور کسی مظلوم کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔

"وہ آگے آئے، بھاری ڈول اٹھایا اور اسے کنوئیں میں ڈالا، کہتے ہیں کہ وہ ڈول اتنا بڑا تھا کہ چند آدمی مل کر اسے کھینچ سکتے تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قوی بازوؤں سے اسے اکیلے ہی کھینچ لیا اور ان دونوں عورتوں کی بھیڑوں کو پانی پلا دیا"۔ [2]

بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کنویں کے قریب آئے اور لوگوں کو ایک طرف کیا تو ان سے کہا: "تم کیسے لوگ ہو کہ اپنے سوا کسی اور کی پرواہ ہی نہیں کرتے"۔

یہ سن کر لوگ ایک طرف ہٹ گئے اور ڈول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے کر کے بولے:

"لیجئے، بسم اللہ، اگر آپ پانی کھینچ سکتے ہیں، انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دیا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت اگرچہ تھکے ہوئے تھے، اور انہیں بھوک لگ رہی تھی مگر قوت ایمانی ان کی مددگار ہوئی، جس نے ان کی جسمانی قوت میں اضافہ کر دیا اور کنویں سے ایک ہی

[1] سورہ قصص آیت 24

[2] سورہ قصص آیت 24

ڈول کھینچ کر ان دنوں عورتوں کی بھیڑوں کو پانی پلا دیا"۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سائے میں آبیٹھے اور بارگاہ ایزدی میں عرض کرنے لگے: "خداوندا تو مجھے جو بھی خیر اور نیکی بخشے، میں اس کا محتاج ہوں"۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام (اس وقت) تھکے ہوئے اور بھوکے تھے اس شہر میں اجنبی اور تنہا تھے اور ان کے لیے کوئی سر چھپانے کی جگہ بھی نہ تھی مگر پھر بھی وہ بے قرار نہ تھے آپ کا نفس ایسا مطمئن تھا کہ دعا کے وقت بھی یہ نہیں کہا کہ "خدایا تو میرے لیے ایسا یا ویسا کر" بلکہ یہ کہا کہ: "تو جو خیر بھی مجھے بخشے میں اس کا محتاج ہوں"۔

یعنی صرف اپنی احتیاج اور نیاز کو عرض کرتے ہیں اور باقی امور الطاف خداوندی پر چھوڑ دیتے ہیں۔

لیکن دیکھو کہ کار خیر کیا قدرت نمائی کرتا ہے اور اس میں کتنی عجیب برکات ہیں صرف "لوجہ اللہ" ایک قدم اٹھانے اور ایک نا آشنا مظلوم کی حمایت میں کنویں سے پانی کے ایک ڈول کھینچنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک نیا باب کھل گیا اور یہ عمل خیر ان کے لیے برکات مادی اور روحانی دنیا بطور تحفہ لایا اور وہ ناپید انعمت (جس کے حصول کے لئے انہیں برسوں کوشش کرنا پڑتی) اللہ نے انہیں بخش دی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے خوش نصیبی کا دور اس وقت شروع ہوا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ ان دونوں بہنوں میں سے ایک نہایت حیا سے قدم اٹھاتی ہوئی آرہی ہے اس کی وضع سے ظاہر تھا کہ اسکو ایک جوان سے باتیں کرتے ہوئے شرم آتی ہے وہ لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب آئی اور صرف ایک جملہ کہا: "میرے والد صاحب آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے ہماری بکریوں کے لئے کنویں سے جو پانی کھینچا تھا، اس کا معاوضہ دیں"۔ [2]

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں امید کی بجلی چمکی گویا انہیں یہ احساس ہوا کہ ان

[1] سورہ قصص آیت 24

[2] سورہ قصص آیت 25

کے لئے ایک عظیم خوش نصیبی کے اسباب فراہم ہو رہے ہیں وہ ایک بزرگ انسان سے ملیں گے وہ ایک ایسا حق شناس انسان معلوم ہوتا ہے جو یہ بات پسند نہیں کرتا کہ انسان کی کسی زحمت کا، یہاں تک کہ پانی کے ایک ڈول کھینچنے کا بھی معاوضہ نہ دے یہ ضرور کوئی ملکوتی اور الٰہی انسان ہو گا یا اللہ یہ کیسا عجیب اور نادر موقع ہے؟

بیشک وہ پیر مرد حضرت شعیب علیہ السلام پیغمبر تھے انہوں نے برسوں تک اس شہر کے لوگوں کو "رجوع الی اللہ" کی دعوت دی تھی وہ حق پرستی اور حق شناسی کا نمونہ تھے۔

جب انہیں کل واقعے کا علم ہوا تو انھوں نے تہیہ کر لیا کہ اس اجنبی جوان کو اپنے دین کی تبلیغ کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب شعیب علیہ السلام کے گھر میں

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

بعض روایات کے مطابق وہ لڑکی رہنمائی کے لئے ان کے آگے چل رہی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے چل رہے تھے اس وقت تیز ہوا سے اس لڑکی کا لباس اڑ رہا تھا اور ممکن تھا کہ ہوا کی تیزی لباس کو اس کے جسم سے اٹھا دے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ طبیعت اس منظر کو دیکھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی، اس لڑکی سے کہا: میں آگے آگے چلتا ہوں، تم راستہ بتاتے رہنا۔

جب جناب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچ گئے ایسا گھر جس سے نور نبوت ساطع تھا اور اس کے ہر گوشے سے روحانیت نمایاں تھی انھوں نے دیکھا کہ ایک پیر مرد، جس کے بال سفید ہیں ایک گوشے میں بیٹھا ہے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوش آمدید کہا اور پوچھا: "تم

کون ہو؟ کہاں سے آ رہے ہو؟ کیا مشغلہ ہے؟ اس شہر میں کیا کرتے ہو؟ اور آنے کا مقصد کیا ہے؟ تنہا کیوں ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور انہیں اپنی سرگزشت سنائی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا مت ڈرو، تمہیں ظالموں کے گروہ سے نجات مل گئی ہے۔'' [1]

ہماری سرزمین ان کی حدود سلطنت سے باہر ہے یہاں ان کا کوئی اختیار نہیں چلتا اپنے دل میں ذرہ بھر پریشانی کو جگہ نہ دینا تم امن و امان سے پہنچ گئے ہو مسافرت اور تنہائی کا بھی غم نہ کرو یہ تمام مشکلات خدا کے کرم سے دور ہو جائیں گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ انہیں ایک عالی مرتبہ استاد مل گیا ہے، جس کے وجود سے روحانیت، تقویٰ، معرفت اور زلال عظیم کے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور یہ استاد ان کی تشنگی تحصیل علم و معرفت کو سیراب کر سکتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی یہ سمجھ لیا کہ انہیں ایک لائق اور مستعد شاگرد مل گیا ہے، جسے وہ اپنے علم و دانش اور زندگی بھر کے تجربات سے فیض یاب کر سکتے ہیں

یہ مسلم ہے کہ ایک شاگرد کو ایک بزرگ اور قابل استاد پا کر جتنی مسرت ہوتی ہے استاد کو بھی ایک لائق شاگرد پا کر اتنی ہی خوشی ہوتی ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے داماد بن گئے

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے چھٹے دور کا ذکر شروع ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب شعیب علیہ السلام کے گھر آ گئے یہ ایک سادہ سا دیہاتی مکان تھا، مکان صاف ستھرا تھا اور روحانیت سے معمور تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب شعیب علیہ السلام کو اپنی سرگزشت سنائی تو ان کی ایک لڑکی نے ایک مختصر مگر پر معنی عبارت میں اپنے والد کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو

[1] سورہ قصص آیت 25

بھیڑوں کی حفاظت کے لئے ملازم رکھ لیں وہ الفاظ یہ تھے:

''اے بابا: آپ اس جوان کو ملازم رکھ لیں کیونکہ ایک بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھ سکتے ہیں وہ ایسا ہونا چاہئے جو قوی اور امین ہو اور اس نے اپنی طاقت اور نیک خصلت دونوں کا امتحان دے دیا ہے''۔ [1]

جس لڑکی نے ایک پیغمبر کے زیر سایہ تربیت پائی ہو اسے ایسی ہی مؤدبانہ اور سوچی سمجھی بات کہنی چاہئے نیز چاہئے کہ مختصر الفاظ اور تھوڑی سی عبارت میں اپنا مطلب ادا کردے۔

اس لڑکی کو کیسے معلوم تھا کہ یہ جوان طاقتور بھی ہے اور نیک خصلت بھی کیونکہ اس نے پہلی بار کنویں پر ہی اسے دیکھا تھا اور اس کی گزشتہ زندگی کے حالات سے وہ بے خبر تھی؟

اس سوال کا جواب واضح ہے اس لڑکی نے اس جوان کی قوت کو تو اسی وقت سمجھ لیا تھا جب اس نے ان مظلوم لڑکیوں کا حق دلانے کے لئے چرواہوں کو کنویں سے ایک طرف ہٹایا تھا اور اس بھاری ڈول کو اکیلے ہی کنویں سے کھینچ لیا تھا اور اس کی امانت اور نیک چلنی اس وقت معلوم ہوگئی تھی کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر کی راہ میں اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ ایک جوان لڑکی اس کے آگے آگے چلے کیونکہ ممکن تھا کہ تیز ہوا سے اس کا لباس جسم سے ہٹ جائے۔

علاوہ بریں اس نوجوان نے اپنی جو سرگزشت سنائی تھی اس کے ضمن میں قبطیوں سے لڑائی کے ذکر میں اس کی قوت کا حال معلوم ہوگیا تھا اور اس امانت و دیانت کی یہ شہادت کافی تھی کہ اس نے ظالموں کی ہم نوائی نہ کی اور ان کی ستم رانی پر اظہار رضامندی نہ کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کی تجویز کو قبول کرلیا انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف رخ کر کے یوں کہا: ''میرا ارادہ ہے کہ اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا تیرے ساتھ نکاح کردوں، اس شرط کے ساتھ کہ تو آٹھ سال تک میری خدمت کرے''۔ [2]

[1] سورہ قصص آیت 26

[2] سورہ قصص آیت 27

اس کے بعد یہ اضافہ کیا: ''اگر تو آٹھ سال کی بجائے یہ خدمت دس سال کر دے تو یہ تیرا احسان ہو گا مگر تجھ پر واجب نہیں ہے''۔ [1]

بہر حال میں یہ نہیں چاہتا کہ تم سے کوئی مشکل کام لوں انشاء اللہ تم جلد دیکھو گے کہ میں صالحین میں سے ہوں، اپنے عہد و پیمان میں وفادار ہوں تیرے ساتھ ہرگز سخت گیری نہ کروں گا اور تیرے ساتھ خیر اور نیکی کا سلوک کروں گا۔ [2]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس تجویز اور شرط سے موافقت کرتے ہوئے اور عقد کو قبول کرتے ہوئے کہا: ''میرے اور آپ کے درمیان یہ عہد ہے''۔ البتہ ''ان دو مدتوں میں سے (آٹھ سال یا دس سال) جس مدت تک بھی خدمت کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو گی اور میں اس کے انتخاب میں آزاد ہوں''۔ [3]

عہد کو پختہ اور خدا کے نام سے طلب مدد کے لئے یہ اضافہ کیا: ''جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا اس پر شاہد ہے''۔ [4]

اور اس آسانی سے موسیٰ علیہ السلام داماد شعیب علیہ السلام بن گئے حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کا نام ''صفورہ'' (یا صفورا) اور ''لیا'' بتایا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی ''صفورہ'' سے ہوئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بہترین ایام

کوئی آدمی بھی حقیقتاً یہ نہیں جانتا کہ ان دس سال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیا گزری

[1] سورہ قصص آیت 27

[2] سورہ قصص آیت 27

[3] سورہ قصص آیت 28

[4] سورہ قصص آیت 28

لیکن بلاشک یہ دس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بہترین سال تھے یہ سال دلچسپ، شیریں اور آرام بخش تھے نیز یہ دس سال ایک منصب عظیم کی ذمہ داری کے لئے تربیت اور تیاری کے تھے۔

درحقیقت اس کی ضرورت بھی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام دس سال کا عرصہ عالم مسافرت اور ایک بزرگ پیغمبر کی صحبت میں بسر کریں اور چرواہے کا کام کریں تاکہ ان کے دل ودماغ سے محلوں کی ناز پروردہ زندگی کا اثر بالکل محو ہو جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اتنا عرصہ جھونپڑیوں میں رہنے والوں کے ساتھ گزارنا ضروری تھا تاکہ ان کی تکالیف اور مشکلات سے آگاہ ہو جائے اور ساکنان محلول کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

ایک اور بات یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسرار آفرینش میں غور کرنے اور اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے بھی ایک طویل وقت کی ضرورت تھی اس مقصد کے لئے بیابان مدین اور خانہ شعیب سے بہتر اور کونسی جگہ ہو سکتی تھی۔

ایک اولوالعزم پیغمبر کی بعثت کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ یہ مقام کسی کو نہایت آسانی سے نصیب ہو جائے بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام پیغمبروں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذمہ داری ایک لحاظ سے سب سے زیادہ اہم تھی اس لئے کہ: روئے زمین کے ظالم ترین لوگوں سے مقابلہ کرنا، ایک کثیر الافراد قوم کی مدت اسیری کو ختم کرنا اور ان کے اندر سے ایام اسیری میں پیدا ہو جانے والے نقائص کو محو کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی مخلصانہ خدمات کی قدرشناسی کے طور پر یہ طے کرلیا تھا کہ بھیڑوں کے جو بچے ایک خاص علامت کے ساتھ پیدا ہوں گے، وہ موسیٰ علیہ السلام کو دیدیں گے، اتفاقاً مدت موعود کے آخری سال میں جبکہ موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت ہو کر مصر کو جانا چاہتے تھے تو تمام یا زیادہ تر بچے اسی علامت کے پیدا ہوئے اور حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی انہیں بڑی محبت سے موسیٰ علیہ السلام کو دے دیا۔

یہ امر بدیہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ساری زندگی چرواہے بنے رہنے پر قناعت نہیں کر سکتے تھے ہر چند ان کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہنا بہت ہی غنیمت تھا مگر وہ اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ اپنی اس قوم کی مدد کے لئے جائیں جو غلامی کی زنجیروں میں گرفتار ہے اور جہالت نادانی اور بے خبری میں غرق ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا یہ فرض بھی سمجھتے تھے کہ مصر میں جو ظلم کا بازار گرم ہے اسے سرد کریں، طاغوتوں کو ذلیل کریں اور توفیق الٰہی سے مظلوموں کو عزت بخشیں ان کے قلب میں یہی احساس تھا جو انہیں مصر جانے پر آمادہ کر رہا تھا۔

آخر کار انھوں نے اپنے اہل خانہ، سامان و اسباب اور اپنی بھیڑوں کو ساتھ لیا اور اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی زوجہ کے علاوہ ان کا لڑکا یا کوئی اور اولاد بھی تھی، اسلامی روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے توریت کے "سفر خروج" میں بھی ذکر مفصل موجود ہے علاوہ ازیں اس وقت ان کی زوجہ امید سے تھی۔

وحی کی تابش اول

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کو جا رہے تھے تو راستہ بھول گئے یا غالباً شام کے ڈاکوؤں کے ہاتھ میں گرفتار ہو جانے کے خوف سے بوجہ احتیاط رائج راستے کو چھوڑ کے سفر کر رہے تھے۔

بہرکیف قرآن شریف میں یہ بیان اس طور سے ہے کہ: "جب موسیٰ علیہ السلام اپنی مدت کو ختم کر چکے اور اپنے خاندان کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو گئے تو انہیں طور کی جانب سے شعلہ آتش نظر آیا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل خاندان سے کہا: "تم یہیں ٹھہرو! مجھے آگ نظر آئی

ہے میں جاتا ہوں شاید تمہارے لئے وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا ایک انگارا لے آؤں تا کہ تم اس سے گرم ہو جاؤ"۔ [1]

"خبر لاؤں" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ راستہ بھول گئے تھے اور "گرم ہو جاؤ" یہ اشارہ کر رہا ہے کہ سرد اور تکلیف دہ رات تھی۔

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ کی حالت کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر تفاسیر اور روایات میں مذکور ہے کہ وہ امید سے تھیں اور انہیں درد زہ ہو رہا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام پریشان تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت آگ کی تلاش میں نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ آگ تو ہے مگر معمول جیسی آگ نہیں ہے، بلکہ حرارت اور سوزش سے خالی ہے وہ نور اور تابندگی کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس منظر سے نہایت حیران تھے کہ ناگہاں اس بلند و پر برکت سرزمین میں وادی کے داھنی جانب سے ایک درخت میں سے آواز آئی: "اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں"۔ [2]

اس میں شک نہیں کہ یہ خدا کے اختیار میں ہے کہ جس چیز میں چاہے قوت کلام پیدا کر دے یہاں اللہ نے درخت میں یہ استعداد پیدا کر دی کیونکہ اللہ موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کرنا چاہتا تھا ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام گوشت پوست کے انسان تھے، کان رکھتے تھے اور سننے کے لئے انہیں امواج صوت کی ضرورت تھی البتہ انبیاء علیہم السلام پر اکثر یہ حالت بھی گزری ہے کہ وہ بطور الہام درونی پیغام الٰہی کو حاصل کرتے رہے ہیں، اسی طرح کبھی انہیں خواب میں بھی ہدایت ہوتی رہتی ہے مگر کبھی وہ وحی کو بصورت صدا بھی سنتے رہے ہیں، بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو آواز سنی اس سے ہم ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ خدا جسم رکھتا ہے۔

---

[1] سورہ قصص آیت 29

[2] سورہ قصص آیت 30

اے موسیٰ جوتی اتار دو

موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے پاس گئے اور غور کیا تو دیکھا کہ درخت کی سبز شاخوں میں آگ چمک رہی ہے اور لحظہ بہ لحظہ اس کی تابش اور درخشندگی بڑھتی جاتی ہے جو عصا ان کے ہاتھ میں تھا اس کے سہارے جھکے تاکہ اس میں سے تھوڑی سی آگ لے لیں تو آگ موسیٰ علیہ السلام کی طرف بڑھی موسیٰ علیہ السلام ڈرے اور پیچھے ہٹ گئے اس وقت حالت یہ تھی کہ کبھی موسیٰ علیہ السلام آگ کی طرف بڑھتے تھے اور کبھی آگ ان کی طرف، اسی کشمکش میں ناگہاں ایک صدا بلند ہوئی، اور انہیں وحی کی بشارت دی گئی۔

اس طرح ناقابل انکار قرائن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ یہ آواز خدا ہی کی ہے، کسی غیر کی نہیں ہے۔

''میں تیرا پروردگار ہوں، اپنے جوتے اتار دے کیونکہ تو مقدس سرزمین ''طویٰ'' میں ہے''۔ [1]

موسیٰ علیہ السلام کو اس مقدس سرزمین کے احترام کا حکم دیا گیا کہ اپنے پاؤں سے جوتے اتار دے اور اس وادی میں نہایت عجز و انکساری کے ساتھ قدم رکھے حق کو سنے اور فرمان رسالت حاصل کرے۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز کہ ''میں تیرا پروردگار ہوں'' سنی تو حیران رہ گئے اور ایک ناقابل بیان پر کیف حالت ان پر طاری ہو گئی، یہ کون ہے؟ جو مجھ سے باتیں کر رہا ہے؟ یہ میرا پروردگار ہے، کہ جس نے لفظ "ربک" کے ساتھ مجھے افتخار بخشا ہے تاکہ یہ میرے لئے اس بات کی نشاندہی کرے کہ میں نے آغاز بچپن سے لے کر اب تک اس کی آغوش رحمت میں

[1] سورہ طہٰ آیت 12

پرورش پائی ہے اور ایک عظیم رسالت کے لئے تیار کیا گیا ہوں۔''

حکم ملا کہ پاؤں سے اپنا جوتا اتار دو، کیونکہ تو نے مقدس سرزمین میں قدم رکھا ہے وہ سرزمین کہ جس میں نور الٰہی جلوہ گر ہے، وہاں خدا کا پیغام سننا ہے، اور رسالت کی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے، لہٰذا انتہائی خضوع اور انکساری کے ساتھ اس سرزمین میں قدم رکھو، یہ ہے دلیل پاؤں سے جوتا اتارنے کی۔

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اس واقعہ سے متعلق ایک عمدہ مطلب نقل ہوا ہے، آپ فرماتے ہیں: جن چیزوں کی تمہیں امید نہیں ہے ان کی ان چیزوں سے بھی زیادہ امید رکھو کہ جن کی تمہیں امید ہے کیونکہ موسیٰ بن عمران ایک چنگاری لینے کے لئے گئے تھے لیکن عہدہ نبوت ورسالت کے ساتھ واپس پلٹے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی چیز کی امید رکھتا ہے مگر وہ اسے حاصل نہیں ہوتی لیکن بہت سی اہم ترین چیزیں جن کی اسے کوئی امید نہیں ہوتی لطف پروردگار سے اسے مل جاتی ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا

اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے خدا کے ساتھ ربط ثابت کرنے کے لئے معجزے کی ضرورت ہے، ورنہ ہر شخص پیغمبری کا دعویٰ کرسکتا ہے اس بناء پر سچے انبیاء علیہم السلام کا جھوٹوں سے امتیاز معجزے کے علاوہ نہیں ہوسکتا، یہ معجزہ خود پیغمبر کی دعوت کے مطالب اور آسمانی کتاب کے اندر بھی ہوسکتا ہے اور حسی اور جسمانی قسم کے معجزات اور دوسرے امور میں بھی ہوسکتے ہیں علاوہ ازیں معجزہ خود پیغمبر کی روح پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور وہ اسے قوت قلب، قدرت ایمان اور استقامت بخشتا ہے۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمان نبوت ملنے کے بعد اس کی سند بھی ملنی چاہئے، لہٰذا

اسی پُر خطرات میں جناب موسیٰ علیہ السلام نے دو عظیم معجزے خدا سے حاصل کئے۔

قرآن اس ماجرے کو اس طرح بیان کرتا ہے: "خدا نے موسیٰ سے سوال کیا: اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے"؟۔ [1]

اس سادہ سے سوال، میں لطف و محبت کی چاشنی تھی، فطرتاً موسیٰ علیہ السلام، کی روح میں اس وقت طوفانی لہریں موجزن تھیں ایسے میں یہ سوال اطمینان قلب کے لئے بھی تھا اور ایک عظیم حقیقت کو بیان کرنے کی تمہید بھی تھا۔ "موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا: یہ لکڑی میرا عصا ہے"۔ [2]

اور چونکہ محبوب نے ان کے سامنے پہلی مرتبہ یوں اپنا دروازہ کھولا تھا لہٰذا وہ اپنے محبوب سے باتیں جاری رکھنا اور انہیں طول دینا چاہتے تھے اور اس وجہ سے بھی کہ شاید وہ یہ سوچ رہے تھے کہ میرا صرف یہ کہنا کہ یہ میرا عصا ہے، کافی نہ ہو بلکہ اس سوال کا مقصد اس عصا کے آثار و فوائد کو بیان کرنا مقصود ہو، لہٰذا مزید کہا: "میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اور اس سے اپنی بھیڑوں کے لئے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں، اس کے علاوہ اس سے، دوسرے کام بھی لیتا ہوں"۔ [3]

البتہ یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ عصا سے کون کون سے کام لیتے ہیں کبھی اس سے موذی جانوروں اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک دفاعی، ہتھیار کے طور پر کام لیتے ہیں کبھی اس کے ذریعے بیابان میں سائبان بنا لیتے ہیں، کبھی اس کے ساتھ برتن باندھ کر گہری نہر سے پانی نکالتے ہیں۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک گہرے تعجب میں تھے کہ اس عظیم بارگاہ سے یہ کس قسم کا سوال ہے اور میرے پاس اس کا کیا جواب ہے، پہلے جو فرمان دیئے گئے تھے وہ کیا تھے، اور

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 17

[2] سورہ طٰہٰ آیت 18

[3] سورہ طٰہٰ آیت 18

یہ پرستش کس لئے ہے؟

موسیٰ سے کہا گیا کہ: اپنے عصا کو زمین پر ڈال دو" چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو پھینک دیا اب کیا دیکھتے ہیں کہ وہ عصا سانپ کی طرح تیزی سے حرکت کر رہا ہے یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام ڈرے اور پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ مڑ کے بھی نہ دیکھا"۔ [1]

جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عصا لیا تھا تا کہ تھکن کے وقت اس کا سہارا لے لیا کریں، اور بھیڑوں کے لئے اس سے پتے جھاڑ لیا کریں، انہیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ قدرت خدا سے اس میں یہ خاصیت بھی چھپی ہوئی ہوگی اور یہ بھیڑوں کو چرانے کی لاٹھی ظالموں کے محل کو ہلا دے گی۔

موجودات عالم کا یہی حال ہے کہ وہ بعض اوقات ہماری نظر میں بہت حقیر معلوم ہوتی ہیں مگر ان میں بڑی بڑی استعداد چھپی ہوتی ہے جو کسی وقت خدا کے حکم سے ظاہر ہوتی ہے۔

اب موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ آواز سنی جو ان سے کہہ رہی تھی: "واپس آ اور نہ ڈر تو امان میں ہے"۔ [2]

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ درگاہ رب العزت میں مطلق امن و امان ہے اور کسی قسم کے خوف و خطر کا مقام نہیں ہے۔

انذار و بشارت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا کئے گئے ان میں سے پہلا معجزہ خوف کی علامت پر

---

[1] سورہ قصص آیت 31

[2] سورہ قصص آیت 31

البتہ قرآن کی بعض دوسری آیات میں "ثعبان مبین" (واضح اژدھا) بھی کہا گیا ہے۔ (اعراف 107 شعراء 32)

مشتمل تھا اس کے بعد موسیٰ کو حکم دیا گیا کہ اب ایک دوسرا معجزہ حاصل کرو جو نور وامید کی علامت ہوگا اور یہ دونوں معجزہ گویا "انذار اور بشارت" تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ "اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو اور باہر نکالو موسیٰ علیہ السلام نے جب گریبان میں سے ہاتھ باہر نکالا تو وہ سفید تھا اور چمک رہا تھا اور اس میں کوئی عیب اور نقص نہ تھا"۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہ سفیدی اور چمک کسی بیماری (مثلاً "برص یا کوئی اس جیسی چیز) کی وجہ سے نہ تھی بلکہ یہ نور الٰہی تھا جو بالکل ایک نئی قسم کا تھا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سنسان کوہسار اور اس تاریک رات میں یہ دو خارق العادۃ ہم نے قبل ازیں کہا ہے کہ اس سانپ کے لئے جو یہ دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ممکن ہے اس کی دو مختلف حالتوں کے لئے ہوں کہ ابتدا میں وہ چھوٹا سا ہو اور پھر ایک بڑا اژدھا بن گیا ہو اس مقام پر یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ موسیٰ نے جب وادی طور میں اسے پہلی بار دیکھا تو چھوٹا سا سانپ تھا، رفتہ رفتہ وہ بڑا ہو گیا۔

اور خلاف معمول چیزیں دیکھیں تو ان پر لرزہ طاری ہو گیا، چنانچہ اس لئے کہ ان کا اطمینان قلب واپس آجائے انہیں حکم دیا گیا کہ "اپنے سینے پر اپنا ہاتھ پھریں تا کہ دل کو راحت ہو جائے"۔ [2]

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی صدا سنی جو کہہ رہی تھی: "خدا کی طرف سے تجھے یہ دو دلیلیں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے کے لئے دی جارہی ہیں کیونکہ وہ سب لوگ فاسق تھے اور ہیں"۔ [3]

---

[1] سورہ قصص آیت 31

[2] سورہ قصص آیت 32

[3] سورہ قصص آیت 32

جی ہاں یہ لوگ خدا کی اطاعت سے نکل گئے ہیں اور سرکشی کی انتہا تک جا پہنچے ہیں تمہارا فرض ہے کہ انہیں نصیحت کرو اور راہ راست کی تبلیغ کرو اور اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو۔

کامیابی کے اسباب کی درخواست

موسیٰ علیہ السلام اس قسم کی سنگین ماموریت پر نہ صرف گھبرائے نہیں، بلکہ معمولی سی تخفیف کے لئے بھی خدا سے درخواست نہ کی، اور کھلے دل سے اس کا استقبال کیا، زیادہ سے زیادہ اس ماموریت کے سلسلے میں کامیابی کے وسائل کی خدا سے درخواست کی اور چونکہ کامیابی کا پہلا اور ذریعہ، عظیم روح، فکر بلند اور عقل توانا ہے، اور دوسرے لفظوں میں سینہ کی کشادگی و شرح صدر ہے لہٰذا "عرض کیا میرے پروردگار میرا سینہ کشادہ کردے"۔ [1]

ہاں، ایک رہبر انقلاب کا سب سے اولین سرمایہ، کشادہ دلی، فراوان حوصلہ، استقامت و بردباری اور مشکلات کے بوجھ کو اٹھانا ہے۔

اور چونکہ اس راستے میں بے شمار مشکلات ہیں، جو خدا کے لطف و کرم کے بغیر حل نہیں ہوتیں، لہٰذا خدا سے دوسرا سوال یہ کیا کہ میرے کاموں کو مجھ پر آسان کردے اور مشکلات کو راستے سے ہٹادے آپ نے عرض کیا: "میرے کام کو آسان کردے"۔ [2]

اس کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ سے زیادہ قوت بیان کا تقاضا کیا کہنے لگے: "میری زبان کی گرہ کھول دے"۔ [3]

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 23

[2] سورہ طٰہٰ آیت 27

[3] سورہ طٰہٰ آیت 27

یہ ٹھیک ہے کہ شرح صدر کا ہونا بہت اہم بات ہے، لیکن یہ سرمایہ اسی صورت میں کام دے سکتا ہے جب اس کو ظاہر کرنے کی قدرت بھی کامل طور پر موجود ہو، اسی بناء پر جناب موسیٰ علیہ السلام نے شرح صدر اور رکاوٹوں کے دور ہونے کی درخواستوں کے بعد یہ تقاضا کیا کہ خدا ان کی زبان کی گرہ کھول دے۔

اور خصوصیت کے ساتھ اس کی علت یہ بیان کی: "تا کہ وہ میری باتوں کو سمجھیں"۔ [1]

یہ جملہ حقیقت میں پہلی بات کی تفسیر کر رہا ہے اس سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ زبان کی گرہ کے کھلنے سے مراد یہ نہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بچپنے میں جل جانے کی وجہ سے کوئی لکنت آ گئی تھی (جیسا کہ بعض مفسرین نے ابن عباس سے نقل کیا ہے) بلکہ اس سے گفتگو میں ایسی رکاوٹ ہے جو سننے والے کے لئے سمجھنے میں مانع ہوتی ہے یعنی میں ایسی فصیح و بلیغ اور ذہن میں بیٹھ جانے والی گفتگو کروں گہ ہر سننے والا میرا مقصد اچھی طرح سے سمجھ لے۔

میرا بھائی میرا ناصر و مددگار

بہرحال ایک کامیاب رہبر و رہنما وہ ہوتا ہے کہ جو سعی، فکر اور قدرت روح کے علاوہ وہ ایسی فصیح و بلیغ گفتگو کر سکے کہ جو ہر قسم کے ابہام اور نارسائی سے پاک ہو۔

نیز اس بار سنگین کے لئے۔ یعنی رسالت الٰہی، رہبری بشر اور طاغوتوں اور جابروں کے ساتھ مقابلے کے لئے یار و مددگار کی ضرورت ہے اور یہ کام تنہا انجام دینا ممکن نہیں ہے لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار سے جو چوتھی درخواست کی:

"خداوندا میرے لئے میرے خاندان میں سے ایک وزیر اور مددگار قرار دے"۔ [2]

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 28

[2] سورہ طٰہٰ آیت 29

البتہ یہ بات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تقاضا کر رہے ہیں کہ یہ وزیر ان ہی کے خاندان سے ہو، اس کی دلیل واضح ہے چونکہ اس کے بارے میں معرفت اور شناخت بھی زیادہ ہوگی اور اس کی ہمدردیاں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ ہوں گی کتنی اچھی بات ہے کہ انسان کسی ایسے شخص کو اپنا شریک کار بنائے کہ جو روحانی اور جسمانی رشتوں کے حوالے سے اس سے مربوط ہو۔

اس کے بعد خصوصی التماس کے بعد خصوصی طور پر اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا: ''یہ ذمہ داری میرے بھائی ہارون کے سپرد کر دے''۔ [1]

ہارون بعض مفسرین کے قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے اور ان سے تین سال بڑے تھے بلند قامت فصیح البیان اور اعلیٰ علمی قابلیت کے مالک تھے، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے تین سال پہلے رحلت فرمائی۔ [2]

اور وہ نور اور باطنی روشنی کے بھی حامل تھے، اور حق و باطل میں خوب تمیز بھی رکھتے تھے۔ [3]

آخری بات یہ ہے کہ وہ ایک ایسے پیغمبر تھے جنہیں خدا نے اپنی رحمت سے موسیٰ علیہ السلام کو بخشا تھا۔ [4]

وہ اس بھاری ذمہ داری کی انجام دہی میں اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کے دوش بدوش مصروف کار ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس اندھیری رات میں، اس وادی مقدس کے اندر، جب

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 31

[2] جیسا کہ سورہ مومنون کی آیہ 45 میں بیان ہوا ہے: (ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ)

[3] جیسا کہ سورہ انبیاء کی آیہ 48 میں بیان ہوا ہے: (وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً)

[4] وَوَهَبْنَا لَهُ مِن رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا (سورہ مریم)

خدا سے فرمان رسالت کے ملنے کے وقت یہ تقاضا کیا، تو وہ اس وقت دس سال سے بھی زیادہ اپنے وطن سے دور گزار کر آ رہے تھے، لیکن اصولی طور پر اس عرصہ میں بھی اپنے بھائی کے ساتھ ان کا رابطہ کامل طور پر منقطع نہ ہوا اسی لئے اس صراحت اور وضاحت کے ساتھ ان کے بارے میں بات کر رہے ہیں، اور خدا کی درگاہ سے اس عظیم مشن میں اس کی شرکت کے لئے تقاضا کر رہے ہیں۔

اس کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام ہارون کو وزارت و معاونت پر متعین کرنے کے لئے اپنے مقصد کو اس طرح بیان کرتے ہیں: ''خداوندا میری پشت اس کے ذریعے مضبوط کر دے''۔ [1]

اس مقصد کی تکمیل کے لئے یہ تقاضا کرتے ہیں: ''اسے میرے کام میں شریک کر دے۔'' [2]

وہ مرتبہ رسالت میں بھی شریک ہو اور اس عظیم کام کو رو بہ عمل لانے میں بھی شریک رہیں، البتہ حضرت ہارون ہر حال میں تمام پروگراموں میں جناب موسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے او رموسیٰ علیہ السلام ان کے امام و پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے۔

آخر میں اپنی تمام درخواستوں کا نتیجہ اس طرح بیان کرتے ہیں: ''تا کہ ہم تیری بہت بہت تسبیح کریں اور تجھے بہت بہت یاد کریں، کیونکہ تو ہمیشہ ہی ہمارے حالات سے آگاہ رہا ہے۔'' [3]

تو ہماری ضروریات و حاجات کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس راستہ کی مشکلات سے ہر کسی کی نسبت زیادہ آگاہ ہے، ہم تجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں اپنے فرمان کی اطاعت کی

---

[1] سورہ طٰہ آیت 31

[2] سورہ طٰہ آیت 32

[3] سورہ طٰہ آیت 33 تا 35

قدرت عطا فرمادے اور ہمارے فرائض، ذمہ داریوں اور فرائض انجام دینے کے لیے ہمیں توفیق اور کامیابی عطا فرما۔

چونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام کا اپنے مخلصانہ تقاضوں میں سوائے زیادہ سے زیادہ اور کامل ترین خدمت کے اور کچھ مقصد نہیں تھا لہٰذا خداوند عالم نے ان کے تقاضوں کو اسی وقت قبول کرلیا: "اس نے کہا: اے موسیٰ تمہاری درخواستیں قبول ہیں۔" [1]

حقیقت میں ان حساس اور تقدیر ساز لمحات میں چونکہ موسیٰ علیہ السلام پہلی مرتبہ خدائے عظیم کی بساط مہمانی پر قدم رکھ رہے تھے، لہٰذا جس جس چیز کی انہیں ضرورت تھی ان کا خدا سے اکٹھا ہی تقاضا کرلیا، اور اس نے بھی مہمان کا انتہائی احترام کیا، اور اس کی تمام درخواستوں اور تقاضوں کو ایک مختصر سے جملے میں حیات بخش ندا کے ساتھ قبول کرلیا اور اس میں کسی قسم کی قید و شرط عائد نہ کی اور موسیٰ علیہ السلام کا نام تکرار لا کر، ہر قسم کے ابہام کو دور کرتے ہوئے اس کی تکمیل کردی، یہ بات کس قدر شوق انگیز اور افتخار آفرین ہے کہ بندے کا نام مولا کی زبان پر بار بار آئے۔

فرعون سے معرکہ آرا مقابلہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماموریت کا پہلا مرحلہ ختم ہوا جس میں بتایا گیا ہے کہ انہیں وحی اور رسالت ملی اور انھوں نے اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وسائل کے حصول کی درخواست کی۔

اس کے ساتھ ہی زیر نظر دوسرے مرحلے کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے یعنی فرعون کے پاس جانا اور اس کے ساتھ گفتگو کرنا چنانچہ ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اسے یہاں پر بیان کیا جا رہا ہے۔

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 36

سب سے پہلے مقدمے کے طور پر فرمایا گیا ہے: اب جبکہ تمام حالات سازگار ہیں تو تم فرعون کے پاس جاؤ" اور اس سے کہو کہ ہم عالمین کے پروردگار کے رسول ہیں"۔ [1]

اور اپنی رسالت کا ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیجئے اور کہیے" کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ تجھ سے مطالبہ کریں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے"۔ [2]

وہ مصر میں گئے اور اپنے بھائی ہارون کو مطلع کیا اور وہ رسالت جس کے لیے آپؑ مبعوث تھے، اس کا پیغام اسے پہنچایا۔ پھر یہ دونوں بھائی فرعون سے ملاقات کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ آخر بڑی مشکل سے اس کے پاس پہنچ سکے۔ اس وقت فرعون کے وزراء اور مخصوص لوگ اسے گھیرے ہوئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خدا کا پیغام سنایا۔

اس مقام پر فرعون نے زبان کھولی اور شیطنت پر مبنی چند ایک جچے تلے جملے کہے جس سے ان کی رسالت کی تکذیب کرنا مقصود تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منہ کرکے کہنے لگا: "آیا بچپن میں ہم نے تجھے اپنے دامن محبت میں پروان نہیں چڑھایا"۔ [3]

ہم نے تجھے دریائے نیل کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی خشمگین موجوں سے نجات دلائی ورنہ تیری زندگی خطرے میں تھی۔ تیرے لیے دائیوں کو بلایا اور ہم نے اولاد بنی اسرائیل کے قتل کردینے کا جو قانون مقرر کر رکھا تھا اس سے تجھے معاف کردیا اور امن وسکون اور ناز ونعمت میں تجھے پروان چڑھایا۔

اور اس کے بعد بھی "تو نے اپنی زندگی کے کئی سال ہم میں گزارے"۔ [4]

---

[1] سورہ شعراء آیت 16

[2] سورہ شعراء آیت 17

[3] سورہ شعراء آیت 18

[4] سورہ شعراء آیت 18

پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایک اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے: تو نے وہ اہم کام کیا ہے۔ (فرعون کے حامی ایک قبطی کو قتل کیا ہے)۔ [1]

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسا کام کرنے کے بعد تم کیونکر رسول بن سکتے ہو؟

ان سب سے قطع نظر کرتے ہوئے "تو ہماری نعمتوں سے انکار کر رہا ہے"۔ [2]

تو کئی سالوں تک ہمارے دستر خوان پر پلتا رہا ہے، ہمارا نمک کھانے کے بعد نمک حلالی کا حق اس طرح ادا کر رہا ہے؟ اس قدر کفران نعمت کے بعد تو کس منہ سے نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے؟

درحقیقت وہ بزعم خود اس طرح کی منطق سے ان کی کردار کشی کر کے موسیٰ علیہ السلام کو خاموش کرنا چاہتا تھا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی شیطنت آمیز باتیں سن کر اس کے تینوں اعتراضات کے جواب دینا شروع کیے۔ لیکن اہمیت کے لحاظ سے فرعون کے دوسرے اعتراض کا سب سے پہلے جواب دیا (یا پہلے اعتراض کو بالکل جواب کے لائق ہی نہیں سمجھا کیونکہ کسی کا کسی کی پرورش کرنا اس بات کی دلیل نہیں بن جاتا کہ اگر وہ گمراہ ہو تو اسے راہ راست کی بھی ہدایت نہ کی جائے)۔

بہر حال جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے یہ کام اس وقت انجام دیا جب کہ میں بے خبر لوگوں میں سے تھا"۔ [3]

یعنی میں نے اسے جو مکا مارا تھا وہ اسے جان سے مار دینے کی غرض نہیں بلکہ مظلوم کی حمایت کے طور پر تھا، میں تو نہیں سمجھتا تھا کہ اس طرح اس کی موت واقع ہو جائے گی۔

---

[1] سورہ شعراء آیت 19

[2] سورہ شعراء آیت 19

[3] سورہ شعراء آیت 20

پھر موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اس حادثے کی وجہ سے جب میں نے تم سے خوف کیا تو تمہارے پاس سے بھاگ گیا اور میرے پروردگار نے مجھے دانش عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے قرار دیا''۔ [1]

پھر موسیٰ علیہ السلام اس احسان کا جواب دیتے ہیں جو فرعون نے بچپن اور لڑکپن میں پرورش کی صورت میں ان پر کیا تھا دو ٹوک انداز میں اعتراض کی صورت میں فرماتے ہیں: ''تو کیا جو احسان تو نے مجھ پر کیا ہے یہی ہے کہ تو بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالے''۔ [2]

یہ ٹھیک ہے کہ حوادث زمانہ نے مجھے تیرے محل تک پہنچادیا اور مجھے مجبوراً تمہارے گھر میں پرورش پانا پڑی اور اس میں بھی خدا کی قدرت نمائی کارفرما تھی لیکن ذرا یہ تو سوچو کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ کیا وجہ ہے کہ میں نے اپنے باپ کے گھر میں اور ماں کی آغوش میں تربیت نہیں پائی؟ آخر کس لیے؟

کیا تو نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں میں نہیں جکڑ رکھا؟ یہاں تک کہ تو نے اپنے خودساختہ قوانین کے تحت ان کے لڑکوں کو قتل کردیا اور ان کی لڑکیوں کو کنیز بنایا۔

تیرے بے حد وحساب مظالم اس بات کا سبب بن گئے کہ میری ماں اپنے نومولود بچے کی جان بچانے کی غرض سے مجھے ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کی بے رحم موجوں کے حوالے کردے اور پھر مشائے ایزدی یہی تھا کہ میری چھوٹی سی کشتی تمہارے محل کے نزدیک لنگر ڈال دے۔ ہاں تو یہ تمہارے بے اندازہ مظالم ہی تھے جن کی وجہ سے مجھے تمہارا مرہون منت ہونا پڑا اور جنھوں نے مجھے اپنے باپ کے مقدس اور پاکیزہ گھر سے محروم کر کے تمہارے آلودہ محل تک پہنچادیا۔

---

[1] سورہ شعراء آیت 21

[2] سورہ شعراء آیت 22

دیوانگی کی تہمت

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دوٹوک اور قاطع جواب دے دیا جس سے وہ لا جواب اور عاجز ہو گیا تو اس نے کلام کا رخ بدلا اور موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا "میں رب العالمین کا رسول ہوں" تو اس نے اسی بات کو اپنے سوال کا محور بنایا اور کہا یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ [1]

بہت بعید ہے کہ فرعون نے واقعاً یہ بات مطلب کے لئے کی ہو بلکہ زیادہ تر یہی لگتا ہے کہ اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا تھا اور تحقیر کے طور پر یہ بات کہی تھی۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیدار اور سمجھ دار افراد کی طرح اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ دیکھا کہ گفتگو کو سنجیدگی پر محمول کریں اور سنجیدہ ہو کر اس کا جواب دیں اور چونکہ ذات پروردگار عالم انسانی افکار کی دسترس سے باہر ہے لہذا انھوں نے مناسب سمجھا کہ اس کے آثار کے ذریعے استدلال قائم کریں لہذا انھوں نے آیات آفاقی کا سہارا لیتے ہوئے فرمایا: "(خدا) آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم یقین کا راستہ اختیار کرو"۔ [2]

اتنے وسیع وعریض اور باعظمت آسمان وزمین اور کائنات کی رنگ برنگی مخلوق جس کے سامنے تو اور تیرے چاہنے اور ماننے والے ایک ذرہ ناچیز سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے، میرے پروردگار کی آفرینش ہے اور ان اشیاء کا خالق ومدبر اور ناظم ہی عبادت کے لائق ہے نہ کہ تیرے جیسی کمزور اور ناچیز سی مخلوق۔

لیکن عظیم آسمانی معلم کے اس قدر محکم بیان اور پختہ گفتگو کے بعد بھی فرعون خواب

[1] سورہ شعراء آیت 23

[2] سورہ شعراء آیت 24

غفلت سے بیدار نہ ہوا اس نے اپنے ٹھٹھے مذاق اور استہزاء کو جاری رکھا اور مغرور مستکبرین کے پرانے طریقہ کار کو اپناتے ہوئے "اپنے اطراف میں بیٹھنے والوں کی طرف منہ کر کے کہا: کیا سن نہیں رہے ہو (کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے)"۔ [1]

معلوم ہے کہ فرعون کے گرد کون لوگ بیٹھے ہیں اسی قماش کے لوگ تو ہیں۔ صاحبان زور اور زر ہیں یا پھر ظالم اور جابر کے معاون۔

وہاں پر فرعون کے اطراف میں پانچ سو آدمی موجود تھے، جن کا شمار فرعون کے خواص میں ہوتا تھا۔

اس طرح کی گفتگو سے فرعون یہ چاہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی منطقی اور دلنشین گفتگو اس گروہ کے تاریک دلوں میں ذرہ بھر بھی اثر نہ کرے اور لوگوں کو یہ باور کروائے کہ انکی باتیں بے ڈھنگی اور ناقابل فہم ہیں۔

مگر جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی منطقی اور جچی تلی گفتگو کو بغیر کسی خوف و خطر کے جاری رکھتے ہوئے فرمایا: "تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے آباء و اجداد کا رب ہے"۔ [2]

درحقیقت بات یہ ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو آفاقی آیات کے حوالے سے استدلال کیا اب یہاں پر "آیات انفس" اور خود انسان کے اپنے وجود میں تخلیق خالق کے اسرار اور انسانی روح اور جسم میں خداوند عالم کی ربوبیت کے آثار کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تا کہ وہ عاقبت نا اندیش مغرور کم از کم اپنے بارے میں تو کچھ سوچ سکیں خود کو اور پھر اپنے خدا کو پہچان سکیں۔

لیکن فرعون اپنی ہٹ دھرمی سے پھر بھی باز نہ آیا، اب استہزاء اور مسخرہ پن سے چند قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو جنون اور دیوانگی کا الزام دیتا ہے چنانچہ اس نے کہا: "جو

---

[1] سورہ شعراء آیت 25

[2] سورہ شعراء آیت 26

پیغمبر تمہاری طرف آیا ہے بالکل دیوانہ ہے"۔ [1]

وہی تہمت جو تاریخ کے ظالم اور جابر لوگ خدا کے بھیجے ہوئے مصلحین پر لگاتے رہتے تھے۔

یہ بھی لائق توجہ ہے کہ یہ مغرور فریبی اس حد تک بھی روادار نہ تھا کہ کہے "ہمارا رسول" اور "ہماری طرف بھیجا ہوا" بلکہ کہتا ہے "تمہارا پیغمبر" اور "تمہاری طرف بھیجا ہوا" کیونکہ "تمہارا پیغمبر" میں طنز اور استہزاء پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس میں غرور اور تکبر کا پہلو بھی نمایاں ہے کہ میں اس بات سے بالاتر ہوں کہ کوئی پیغمبر مجھے دعوت دینے کے لئے آئے اور موسیٰ علیہ السلام پر جنون کی تہمت لگانے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے جاندار دلائل کو حاضرین کے اذہان میں بے اثر بنایا جائے۔

لیکن یہ ناروا تہمت موسیٰ علیہ السلام کے بلند حوصلوں کو پست نہیں کرسکی اور انھوں نے تخلیقات عالم میں آثار الٰہی اور آفاق وانفس کے حوالے سے اپنے دلائل کو برابر جاری رکھا اور کہا: "وہ مشرق ومغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم عقل وشعور سے کام لو"۔ [2]

اگر تمہارے پاس مصر نامی محدود سے علاقے میں چھوٹی سی ظاہری حکومت ہے تو کیا ہوا؟ میرے پروردگار کی حقیقی حکومت تو مشرق ومغرب اور اس کے تمام درمیانی علاقے پر محیط ہے اور اس کے آثار ہر جگہ موجودات عالم کی پیشانی پر چمک رہے ہیں اصولی طور پر خود مشرق و مغرب میں آفتاب کا طلوع وغروب اور کائنات عالم پر حاکم نظام شمسی ہی اس کی عظمت کی نشانیاں ہیں، لیکن عیب خود تمہارے اندر ہے کہ تم عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ تمہارے اندر سوچنے

---

[1] سورہ شعراء آیت 27

[2] سورہ شعراء آیت 28

کی عادت ہی نہیں ہے۔ [1]

درحقیقت یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف جنون کی نسبت کا بڑے اچھے انداز میں جواب دیا ہے۔ دراصل وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیوانہ میں نہیں ہوں بلکہ دیوانہ اور بے عقل وہ شخص ہے جو اپنے پروردگار کے ان تمام آثار اور نشانات کو نہیں دیکھتا۔

عالم وجود کے ہر در و دیوار پر ذات پروردگار کے اس قدر عجیب و غریب نقوش موجود ہیں پھر بھی جو شخص ذات پروردگار کے بارے میں نہ سوچے اسے خود نقش دیوار ہو جانا چاہیئے۔

ان طاقتور دلائل نے فرعون کو سخت بوکھلا دیا، اب اس نے اسی حربے کا سہارا لیا جس کا سہارا ہر بے منطق اور طاقتور لیتا ہے اور جب وہ دلائل سے عاجز ہو جاتا ہے تو اسے آزمانے کی کوشش کرتا ہے۔

"فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو تمہیں قیدیوں میں شامل کردوں گا"۔ [2]

میں تمہاری اور کوئی بات نہیں سننا چاہتا میں تو صرف ایک ہی عظیم الہ اور معبود کو جانتا ہوں اور وہ میں خود ہوں اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کہتا ہے تو بس سمجھ لے کہ اس کی سزا یا تو موت ہے یا عمر قید جس میں زندگی ہی ختم ہو جائے۔

درحقیقت فرعون چاہتا تھا کہ اس قسم کی تیز و تند گفتگو کر کے موسیٰ علیہ السلام کو ہراساں کرے تاکہ وہ ڈر کر چپ ہو جائیں کیونکہ اگر بحث جاری رہے گی تو لوگ اس سے بیدار ہوں گے اور ظالم و جابر لوگوں کے لئے عوام کی بیداری اور شعور سے بڑھ کر کوئی اور چیز خطرناک نہیں ہوتی۔

[1] ... ۲۸

[2] ...

تمہارا ملک خطرے میں ہے

گزشتہ صفحات میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے منطق اور استدلال کی رو سے فرعون پر کیونکر اپنی فوقیت اور برتری کا سکہ منوالیا اور حاضرین پر ثابت کردیا کہ ان کا خدائی دین کس قدر عقلی و منطقی ہے اور یہ بھی واضح کردیا کہ فرعون کے خدائی دعوے کس قدر پوچ اور عقل و خرد سے عاری ہیں کبھی تو وہ استہزاء کرتا ہے، کبھی جنون اور دیوانگی کی تہمت لگاتا ہے اور آخرکار طاقت کے نشے میں آکر قید و بند اور موت کی دھمکی دیتا ہے۔

اس موقع پر گفتگو کا رخ تبدیل ہوجاتا ہے اب جناب موسیٰ کو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا جس سے فرعون کی ناتوانی ظاہر ہوجائے۔

موسیٰ علیہ السلام کو بھی کسی طاقت کے سہارے کی ضرورت تھی ایسی خدائی طاقت جس کے معجزانہ انداز ہوں، چنانچہ آپ فرعون کی طرف منہ کرکے فرماتے ہیں: "آیا اگر میں اپنی رسالت کے لئے واضح نشانی لے آؤں پھر بھی تو مجھے زندان میں ڈالے گا"۔ [1]

اس موقع پر فرعون سخت مخمصے میں پڑ گیا، کیونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے ایک نہایت ہی اہم اور عجیب و غریب منصوبے کی طرف اشارہ کرکے حاضرین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی اگر فرعون ان کی باتوں کو ان سنی کرکے ٹال دیتا تو سب حاضرین اس پر اعتراض کرتے اور کہتے کہ موسیٰ کو وہ کام کرنے کی اجازت دی جائے اگر وہ ایسا کرسکتا ہے تو معلوم ہوجائے گا اور اس سے مقابلہ نہیں کیا جاسکے گا اور اگر ایسا نہیں کرسکتا تو بھی اس کی شیخی آشکار ہوجائے گی بہر حال موسیٰ علیہ السلام کے اس دعوے کو آسانی سے مسترد نہیں کیا جاسکتا تھا آخرکار فرعون نے مجبور ہوکر کہا "اگر سچ کہتے

---

[1] سورہ شعراء آیت 31

ہو تو اسے لے آؤ"۔ [1]

"اسی دوران میں موسیٰ علیہ السلام نے جو عصا ہاتھ میں لیا ہوا تھا زمین پر پھینک دیا اور وہ (خدا کے حکم سے) بہت بڑا اور واضح سانپ بن گیا"۔ [2]

"پھر اپنا ہاتھ آستین میں لے گئے اور باہر نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لئے سفید اور چمک دار بن چکا تھا"۔ [3]

درحقیقت یہ دو عظیم معجزے تھے ایک خوف کا مظہر تھا تو دوسرا امید کا مظہر، پہلے میں انذار کا پہلو تھا تو دوسرے میں بشارت کا، ایک خدائی عذاب کی علامت تھی تو دوسرا نور اور رحمت کی نشانی، کیونکہ معجزے کو پیغمبر خدا کی دعوت کے مطابق ہونا چاہئے۔

فرعون نے جب صورت حال دیکھی تو سخت بوکھلا گیا اور وحشت کی گہری کھائی میں جا گرا، لیکن اپنے شیطانی اقتدار کو بچانے کے لئے جو موسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ متزلزل ہو چکا تھا اس نے ان معجزات کی توجیہ کرنا شروع کردی تاکہ اس طرح سے اطراف میں بیٹھنے والوں کے عقائد محفوظ اور ان کے حوصلے بلند کر سکے اس نے پہلے تو اپنے حواری سرداروں سے کہا: "یہ شخص ماہر اور سمجھ دار جادوگر ہے"۔ [4]

جس شخص کو تھوڑی دیر پہلے تک دیوانہ کہہ رہا تھا اب اسے "علیم" کے نام سے یاد کر رہا ہے، ظالم اور جابر لوگوں کا طریقہ کار ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک ہی محفل میں کئی روپ تبدیل کر لیتے ہیں اور اپنی انا کی تسکین کے لئے نت نئے حیلے تراشتے رہتے ہیں۔

اس نے سوچا چونکہ اس زمانے میں جادو کا دور دورہ ہے لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات پر

---

[1] سورہ شعراء آیت 31

[2] سورہ شعراء آیت 32

[3] سورہ شعراء آیت 33

[4] سورہ شعراء آیت 34

جادو کا لیبل لگا دیا جائے تا کہ لوگ اس کی حقانیت کو تسلیم نہ کریں۔

پھر اس نے لوگوں کے جذبات بھڑکانے اور موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کے لئے کہا: ''وہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے، تم لوگ اس بارے میں کیا سوچ رہے ہو اور کیا حکم دیتے ہو''۔ [1]

یہ وہی فرعون ہے جو کچھ دیر پہلے تک تمام سرزمین مصر کو اپنی ملکیت سمجھ رہا تھا ''کیا سرزمین مصر پر میری حکومت اور مالکیت نہیں ہے؟'' اب جبکہ اسے اپنا راج سنگھاسن ڈوبتا نظر آ رہا ہے تو اپنی حکومت مطلقہ کو مکمل طور پر فراموش کر کے اسے، عوامی ملکیت کے طور پر یاد کر کے کہتا ہے ''تمہارا ملک خطرات میں گھر چکا ہے اسے بچانے کی سوچو''۔ وہی فرعون جو ایک لحظہ قبل کسی کی بات سننے پر تیار نہیں تھا بلکہ ایک مطلق العنان آمر کی حیثیت سے تخت حکومت پر براجمان تھا اب اس حد تک عاجز اور درماندہ ہو چکا ہے کہ اپنے اطرافیوں سے درخواست کر رہا ہے کہ تمہارا کیا حکم ہے نہایت ہی عاجز اور کمزور ہو کر التجا کر رہا ہے۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے درباری باہمی طور پر مشورہ کرنے میں لگ گئے وہ اس قدر حواس باختہ ہو چکے تھے کہ سوچنے کی طاقت بھی ان سے سلب ہو گئی تھی ہر کوئی دوسرے کی طرف منہ کر کے کہتا: ''تمہاری کیا رائے ہے؟'' [2]

بہر حال کافی صلاح مشورے کے بعد درباریوں نے فرعون سے کہا: ''موسیٰ اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور اس بارے میں جلدی نہ کرو اور تمام شہروں میں ہرکارے روانہ کر دو، تا کہ ہر ماہر اور منجھے ہوئے جادوگر کو تمہارے پاس لے آئیں''۔ [3]

دراصل فرعون کے درباری یا تو غفلت کا شکار ہو گئے یا موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کی تہمت کو

---

[1] سورہ شعراء آیت 35

[2] سورہ اعراف آیت 110

[3] سورہ شعراء 35 تا 36

جان بوجھ کر قبول کر لیا اور موسیٰ کو "ساحر" (جادوگر) سمجھ کر پروگرام مرتب کیا کہ ساحر کے مقابلے میں "سحار" یعنی ماہر اور منجھے ہوئے جادوگروں کو بلایا جائے چنانچہ انھوں نے کہا: "خوش قسمتی سے ہمارے وسیع و عریض ملک (مصر) میں فن جادو کے بہت سے ماہر استاد موجود ہیں اگر موسیٰ ساحر ہے تو ہم اس کے مقابلے میں سحار لا کھڑا کریں گے اور فن سحر کے ایسے ایسے ماہرین کو لے آئیں گے جو ایک لمحہ میں موسیٰ کا بھرم کھول کر رکھ دیں گے"۔

ہر طرف سے جادوگر پہنچ گئے

فرعون کے درباریوں کی تجویز کے بعد مصر کے مختلف شہروں کی طرف ملازمین روانہ کر دیئے گئے اور انھوں نے ہر جگہ پر ماہر جادوگروں کی تلاش شروع کر دی "آخر کار ایک مقررہ دن کی میعاد کے مطابق جادوگروں کی ایک جماعت اکٹھا کر لی گئی" [1]۔

دوسرے لفظوں میں انھوں نے جادوگروں کو اس روز کے لئے پہلے ہی سے تیار کر لیا تا کہ ایک مقرر دن مقابلے کے لئے پہنچ جائیں۔

"یوم معلوم" سے کیا مراد ہے؟ جیسا کہ سورہ اعراف کی آیات سے معلوم ہوتا ہے مصریوں کی کسی مشہور عید کا دن تھا جسے موسیٰ علیہ السلام نے مقابلے کے لئے مقرر کیا تھا اور اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس دن لوگوں کو فرصت ہوگی اور وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کریں گے کیونکہ انہیں اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا اور وہ چاہتے تھے کہ آیات خداوندی کی طاقت اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کی کمزوری اور پستی پوری دنیا پر آشکار ہو جائے" اور زیادہ سے زیادہ لوگوں سے کہا گیا کہ آیا تم بھی اس میدان میں اکٹھے ہو گے؟ [2]

---

[1] سورہ شعرا آیت 38

[2] سورہ شعرا آیت 39

اس طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے کارندے اس سلسلے میں سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کام کررہے تھے انہیں معلوم تھا کہ لوگوں کو زبردستی میدان میں لانے کی کوشش کی جائے تو ممکن ہے کہ اس کا منفی ردعمل ہو، کیونکہ ہر شخص فطری طور پر زبردستی کو قبول نہیں کرتا لہٰذا انھوں نے کہا اگر تمہارا جی چاہے تو اس اجتماع میں شرکت کرو اس طرح سے بہت سے لوگ اس اجتماع میں شریک ہوئے۔

لوگوں کو بتایا گیا ”مقصد یہ ہے کہ اگر جادوگر کامیاب ہوگئے کہ جن کی کامیابی ہمارے خداؤں کی کامیابی ہے تو ہم ان کی پیروی کریں گے“ [1] اور میدان کو اس قدر گرم کردیں گے کہ ہمارے خداؤں کا دشمن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میدان چھوڑ جائے گا۔

واضح ہے کہ تماشائیوں کا زیادہ سے زیادہ اجتماع جو مقابلے کے ایک فریق کے ہمنوا بھی ہوں ایک طرف تو ان کی دلچسپی کا سبب ہوگا اور ان کے حوصلے بلند ہوں گے اور ساتھ ہی وہ کامیابی کے لئے زبردست کوشش بھی کریں گے اور کامیابی کے موقع پر ایسا شور مچائیں گے کہ حریف ہمیشہ کے لئے گوشہ گمنامی میں چلا جائے گا اور اپنی عددی کثرت کی وجہ سے مقابلے کے آغاز میں فریق مخالف کے دل میں خوف وہراس اور رعب و وحشت بھی پیدا کرسکیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ فرعون کے کارندے کوشش کررہے تھے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کریں موسیٰ علیہ السلام بھی ایسے کثیر اجتماع کی خدا سے دعا کررہے تھے تاکہ اپنا مدعا اور مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا سکیں۔

یہ سب کچھ ایک طرف، ادھر جب جادوگر فرعون کے پاس پہنچے اور اسے مشکل میں پھنسا ہوا دیکھا تو موقع مناسب سمجھتے ہوئے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور بھاری انعام وصول کرنے کی غرض سے اس سے کہا: ”اگر ہم کامیاب ہوگئے تو کیا ہمارے لئے کوئی اہم

---

[1] سورہ شعراء آیت 40

صلہ بھی ہوگا؟" [1]

فرعون جو بری طرح پھنس چکا تھا اور اپنے لئے کوئی راہ نہیں پاتا تھا انہیں زیادہ سے زیادہ مراعات اور اعزاز دینے پر تیار ہوگیا اس نے فوراً کہا: "ہاں ہاں جو کچھ تم چاہتے ہو میں دوں گا اس کے علاوہ اس صورت میں تم میرے مقربین بھی بن جاؤ گے"۔ [2]

درحقیقت فرعون نے ان سے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ مال ہے یا عہدہ: میں یہ دونوں تمہیں دوں گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماحول اور زمانے میں فرعون کا قرب کس حد تک اہم تھا کہ وہ ایک عظیم انعام کے طور پر اس کی پیش کش کر رہا تھا درحقیقت اس سے بڑھ کر اور کوئی صلہ نہیں ہوسکتا کہ انسان اپنے مطلوب کے زیادہ نزدیک ہو۔

جادوگروں کا عجیب وغریب منظر

جب جادوگروں نے فرعون کے ساتھ اپنی بات پکی کر لی اور اس نے بھی انعام، اجرت اور اپنی بارگاہ کے مقرب ہونے کا وعدہ کرکے انہیں خوش کردیا اور وہ بھی مطمئن ہوگئے تو اپنے فن کے مظاہرے اور اس کے اسباب کی فراہمی کے لئے تگ ودو کرنی شروع کردی، فرصت کے ان لمحات میں انھوں نے بہت سی رسیاں اور لاٹھیاں اکٹھی کرلیں اور بظاہر ان کے اندر کو کھوکھلا کرکے ان میں ایسا کوئی کیمیکل مواد (پارہ وغیرہ کی مانند) بھر دیا جس سے وہ سورج کی تپش میں ہلکی ہوکر بھاگنے لگتی۔

آخرکار وعدے کا دن پہنچ گیا اور لوگوں کا کثیر مجمع میدان میں جمع ہوگیا تاکہ وہ اس

---

[1] سورہ شعراء آیت 41

[2] سورہ شعراء آیت 42

تاریخی مقابلے کو دیکھ سکیں، فرعون اور اس کے درباری، جادوگر اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام سب میدان میں پہنچ گئے۔

لیکن حسب معمول قرآن مجید اس بحث کو حذف کر کے اصل بات کو بیان کرتا ہے۔

یہاں پر بھی اس تاریخ ساز منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے: "موسیٰ نے جادوگروں کی طرف منہ کر کے کہا: جو کچھ پھینکنا چاہتے ہو پھینکو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے میدان میں لے آؤ"۔ [1]

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس وقت کی جب جادوگروں نے ان سے کہا: "آپ پیش قدم ہو کر اپنی چیز ڈالیں گے یا ہم؟" [2]

موسیٰ علیہ السلام کی یہ پیش کش درحقیقت انہیں اپنی کامیابی پر یقین کی وجہ سے تھی اور اس بات کی مظہر تھی کہ فرعون کے زبردست حامیوں اور دشمن کے انبوہ کثیر سے وہ ذرہ برابر بھی خائف نہیں، چنانچہ یہ پیش کش کر کے آپ نے جادوگروں پر سب سے پہلا کامیاب وار کیا جس سے جادوگروں کو بھی معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام ایک خاص نفسیاتی سکون سے بہرہ مند ہیں اور وہ کسی ذات خاص سے لو لگائے ہوئے ہیں کہ جو ان کا حوصلہ بڑھا رہی ہے۔

جادوگر تو غرور و نخوت کے سمندر میں غرق تھے انھوں نے اپنی انتہائی کوششیں اس کام کے لئے صرف کر دی تھیں اور انھیں اپنی کامیابی کا بھی یقین تھا "لہٰذا انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم ہم یقیناً کامیاب ہیں"۔ [3]

جی ہاں: انھوں نے دوسرے تمام چاپلوسیوں خوشامدیوں کی مانند فرعون کے نام سے شروع کیا اور اس کے کھوکھلے اقتدار کا سہارا لیا۔

---

[1] سورہ شعراء آیت 43

[2] سورہ اعراف آیت 115

[3] سورہ شعراء آیت 44

جیسا کہ قرآن مجید ایک اور مقام پر کہتا ہے: ''اس موقع پر انھوں نے جب رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو وہ چھوٹے بڑے سانپوں کی طرح زمین پر حرکت کرنے لگیں''۔ [1]

انھوں نے اپنے جادو کے ذرائع میں سے لاٹھیوں کا انتخاب کیا ہوا تھا تا کہ وہ بزعم خود موسیٰ کی عصا کی برابری کرسکیں اور مزید برتری کے لئے رسیوں کو بھی ساتھ شامل کر لیا تھا۔

اسی دوران میں حاضرین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور فرعون اور اس کے درباریوں کی آنکھیں خوشی کے مارے چمک اٹھیں اور وہ مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے تھے یہ منظر دیکھ کر ان کے اندر وجد و سرور کی کیفیت پیدا ہوگئی اور وہ جھوم رہے تھے۔ چنانچہ بعض مفسرین کے قول کے مطابق ان ساحروں کی تعداد کئی ہزار تھی نیز ان کے وسائل سحر بھی ہزاروں کی تعداد میں تھے چونکہ اس زمانے میں مصر میں سحر و ساحری کا کافی زور تھا اس بنا پر اس بات پر کوئی جائے تعجب نہیں ہے۔

خصوصاً جیسا کہ قرآن [2] کہتا ہے کہ: وہ منظر اتنا عظیم و وحشت ناک تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کی وجہ سے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔

اگرچہ نہج البلاغہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا خوف لاحق ہو گیا تھا کہ ان جادوگروں کو دیکھ کر لوگ اس قدر متاثر نہ ہو جائیں کہ ان کو حق کی طرف متوجہ کرنا دشوار ہو جائے بہر صورت یہ تمام باتیں اس بات کی مظہر ہیں کہ اس وقت ایک عظیم معرکہ درپیش تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بفضل الہی سر کرنا تھا۔

جادوگروں کے دل میں ایمان کی چمک لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اس کیفیت کو زیادہ دیر نہیں پنپنے دیا وہ آگے بڑھے اور اپنے عصا کو زمین پر دے مارا تو وہ اچانک ایک اژدھے کی شکل میں

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 66

[2] سورہ طٰہٰ آیت 67

بتدیل ہو کر جادو گروں کے ان کرشموں کو جلدی نگلنے لگا اور انہیں ایک ایک کر کے کھا گیا۔ [1]

کیا عصا کا اژدھا بن جانا ممکن ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ عصا کا اژدھا بن جانا ایک بیّن معجزہ ہے جس کی توجیہ مادی اصول سے نہیں کی جا سکتی، بلکہ ایک خدا پرست شخص کو اس سے کوئی تعجب بھی نہ ہوگا کیونکہ وہ خدا کو قادر مطلق اور سارے عالم کے قوانین کو ارادہ الٰہی کے تابع سمجھتا ہے لہٰذا اس کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ لکڑی کا ایک ٹکڑا حیوان کی صورت اختیار کرلے کیونکہ ایک مافوق طبیعت قدرت کے زیر اثر ایسا ہونا عین ممکن ہے۔

ساتھ ہی یہ بات بھی نہ بھولنا چاہئے کہ اس جہان طبیعت میں تمام حیوانات کی خلقت خاک سے ہوئی ہے نیز لکڑی و نباتات کی خلقت بھی خاک سے ہوئی ہے لیکن مٹی سے ایک بڑا سانپ بننے کے لئے عادتاً شاید کروڑوں سال کی مدت درکار ہے، لیکن اعجاز کے ذریعے یہ طولانی مدت اس قدر کوتاہ ہوگئی کہ وہ تمام انقلابات ایک لحظہ میں طے ہو گئے جن کی بنا پر مٹی سے سانپ بنتا ہے، جس کی وجہ سے لکڑی کا ایک ٹکڑا جو قوانین طبیعت کے زیر اثر ایک طولانی مدت میں سانپ بنتا، چند لحظوں میں یہ شکل اختیار کر گیا۔

اس مقام پر کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو تمام معجزات انبیاء کی طبیعی اور مادی توجیہات کرتے ہیں جس سے ان کے اعجازی پہلوں کی نفی ہوتی ہے، اور ان کی یہ سعی ہوتی ہے کہ تمام معجزات کو معمول کے مسائل کی شکل میں ظاہر کریں، ہر چند وہ کتب آسمانی کی نص اور الفاظ صریحہ کے خلاف ہو، ایسے لوگوں سے ہمارا یہ سوال ہے کہ وہ اپنی پوزیشن اچھی طرح سے واضح کریں۔ کیا وہ واقعاً خدا کی عظیم قدرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے قوانین طبیعت پر حاکم مانتے

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 66

ہیں کہ نہیں؟ اگر وہ خدا کو قادر و توانا نہیں سمجھتے تو ان سے انبیاء کے حالات اور ان کے معجزات کی بات کرنا بالکل بے کار ہے اور اگر وہ خدا کو قادر جانتے ہیں تو پھر ذرا تامل کریں کہ ان تکلف آمیز توجیہوں کی کیا ضرورت ہے جو سراسر آیات قرآنی کے خلاف ہیں (اگر چہ زیر بحث آیت میں میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی مفسر نے جس کا طریقہ تفسیر کیسا ہی مختلف کیوں نہ ہو اس آیت کی مادی توجیہہ کی ہو، تاہم جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ ایک قاعدہ کلی کے طور پر تھا۔

اس موقع پر لوگوں پر یکدم سکوت طاری ہو گیا حاضرین پر سناٹا چھا گیا، تعجب کی وجہ سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے آنکھیں پتھرا گئی گویا ان میں جان ہی نہیں رہی لیکن بہت جلد تعجب کے بجائے وحشت ناک چیخ و پکار شروع ہو گئی، کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے کچھ لوگ نتیجے کے انتظار میں رک گئے اور کچھ لوگ بے مقصد نعرے لگا رہے تھے لیکن جادوگروں کے منہ تعجب کی وجہ سے کھلے ہوئے تھے۔

اس مرحلے پر سب کچھ تبدیل ہو گیا جو جادوگر اس وقت تک شیطانی رستے پر گامزن، فرعون کے ہم رکاب اور موسیٰ علیہ السلام کے مخالف تھے یک دم اپنے آپے میں آ گئے اور کیونکہ جادو کے ہر قسم کے ٹونے ٹوٹکے اور مہارت اور فن سے واقف تھے اس لئے انہیں یقین آ گیا کہ ایسا کام ہرگز جادو نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ خدا کا ایک عظیم معجزہ ہے "لہٰذا اچانک وہ سارے کے سارے سجدے میں گر پڑے"۔ [1]

دلچسپ بات یہ ہے کہ قرآن نے یہاں پر "القی" کا استعمال کیا ہے جس کا معنی ہے گرا دیئے گئے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے اس قدر متاثر ہو چکے تھے کہ بے اختیار زمین پر سجدے میں جا پڑے۔

اس عمل کے ساتھ ساتھ جو ان کے ایمان کی روشن دلیل تھا؛ انھوں نے زبان سے بھی

---

[1] سورہ شعراء آ۔۔۔ ۔۔

کہا: ''ہم عالمین کے پروردگار پر ایمان لے آئے''۔ [1]

اور ہر قسم کا ابہام و شک دور کرنے کے لئے انھوں نے ایک اور جملے کا بھی اضافہ کیا تا کہ فرعون کے لئے کسی قسم کی تاویل باقی نہ رہے، انھوں نے کہا: ''موسیٰ اور ہارون کے رب پر''۔ [2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصا زمین پر مارنے اور ساحرین کے ساتھ گفتگو کرنے کا کام اگرچہ موسیٰ علیہ السلام نے انجام دیا لیکن ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ان کے ساتھ ساتھ ان کی حمایت اور مدد کر رہے تھے۔

یہ عجیب و غریب تبدیلی جادوگروں کے دل میں پیدا ہو گئی اور انھوں نے ایک مختصر سے عرصے میں مطلق تاریکی سے نکل کر روشنی اور نور میں قدم رکھ دیا اور جن جن مفادات کا فرعون نے ان سے وعدہ کیا تھا ان سب کو ٹھکرا دیا، یہ بات تو آسان تھی، انھوں نے اس اقدام سے اپنی جانوں کو بھی خطرے میں ڈال دیا، یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ ان کے پاس علم و دانش تھا جس کے باعث وہ حق اور باطل میں تمیز کرنے میں کامیاب ہو گئے اور حق کا دامن تھام لیا۔

کیا میری اجازت کے بغیر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے؟

اس موقع پر اس طرف تو فرعون کے اوسان خطا ہو چکے تھے اور دوسرے اسے اپنا اقتدار بلکہ اپنا وجود خطرے میں دکھائی دے رہا تھا خاص طور پر وہ جانتا تھا کہ جادوگروں کا ایمان لانا حاضرین کے دلوں پر کس قدر موثر ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کافی سارے لوگ جادوگروں کی دیکھا دیکھی سجدے میں گر جائیں، لہٰذا اس نے بزعم خود ایک نئی اسکیم نکالی اور

[1] سورہ شعراء آیت 47

[2] سورہ شعراء آیت 48

جادوگروں کی طرف منہ کر کے کہا: "تم میری اجازت کے بغیر ہی اس پر ایمان لے آئے ہو"۔ [1]

چونکہ وہ سالہا سال سے تخت استبداد پر براجمان چلا آ رہا تھا لہٰذا اسے قطعاً یہ امید نہیں تھی کہ لوگ اس کی، اجازت کے بغیر کوئی کام انجام دیں گے بلکہ اسے تو یہ توقع تھی کہ لوگوں کے قلب و عقل اور اختیار اس کے قبضہ قدرت میں ہیں، جب تک وہ اجازت نہ دے وہ نہ تو کچھ سوچ سکتے ہیں اور نہ فیصلہ کر سکتے ہیں، جابر حکمرانوں کے طریقے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

لیکن اس نے اسی بات کو کافی نہیں سمجھا بلکہ دو جملے اور بھی کہے تا کہ اپنے زعم باطل میں اپنی حیثیت اور شخصیت کو برقرار رکھ سکے اور ساتھ ہی عوام کے بیدار شدہ افکار کے آگے بند باندھ سکے اور انہیں دوبارہ خواب غفلت میں سلا دے۔

اس نے سب سے پہلے جادوگروں سے کہا: "تمہاری موسیٰ سے یہ پہلے سے لگی بندھی سازش ہے، بلکہ مصری عوام کے خلاف ایک خطرناک منصوبہ ہے اس نے کہا کہ وہ تمہارا بزرگ اور استاد ہے جس نے تمہیں جادو کی تعلیم دی ہے اور تم سب نے جادوگری کی تعلیم اسی سے حاصل کی ہے۔" [2]

تم نے پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت یہ ڈرامہ رچایا ہے تا کہ مصر کی عظیم قوم کو گمراہ کر کے اس پر اپنی حکومت چلاؤ اور اس ملک کے اصلی مالکوں کو ان کے گھروں سے بے گھر کر دو اور ان کی جگہ غلاموں اور کنیزوں کو ٹھہراؤ۔

لیکن میں تمہیں کبھی اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ تم اپنی سازش میں کامیاب ہو جاؤ، میں اس سازش کو پنپنے سے پہلے ہی ناکام کر دوں گا" تم بہت جلد جان لو گے کہ تمہیں ایسی سزا دوں گا جس سے دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں گے تمہارے ہاتھ اور پاؤں کو ایک دوسرے کی مخالف سمت میں کاٹ ڈالوں گا (دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں، یا بایاں ہاتھ اور دایاں

---

[1] سورہ شعراء آیت 49

[2] سورہ شعراء آیت 49

پاؤں) اور تم سب کو (کسی استثناء کے بغیر) سولی پر لٹکا دوں گا"۔ [1]

یعنی صرف یہی نہیں کہ تم سب کو قتل کردوں گا بلکہ ایسا قتل کروں گا کہ جس میں دکھ، درد، تکلیف اور شکنجہ بھی ہوگا اور وہ بھی سر عام کھجور کے بلند درختوں پر کیونکہ ہاتھ پاؤں کے مخالف سمت کے کاٹنے سے احتمالاً انسان کی دیر سے موت واقع ہوتی ہے اور وہ تڑپ تڑپ کر جان دیتا ہے۔

ہمیں اپنے محبوب کی طرف پلٹا دے

لیکن فرعون یہاں پر سخت غلط فہمی میں مبتلا تھا کیونکہ کچھ دیر قبل کے جادوگر اور اس وقت کے مومن افراد نور ایمان سے اس قدر منور ہو چکے تھے اور خدائی عشق کی آگ ان کے دل میں اس قدر بھڑک چکی تھی کہ انھوں نے فرعون کی دھمکیوں کو ہرگز ہرگز کوئی وقعت نہ دی بلکہ بھرے مجمع میں اسے دوٹوک جواب دے کر اس کے تمام شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

انھوں نے کہا: "کوئی بڑی بات نہیں اس سے ہمیں ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرلو، ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جائیں گے"۔ [2]

اس کام سے نہ صرف یہ کہ تم ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکو گے بلکہ ہمیں اپنے حقیقی معشوق اور معبود تک بھی پہنچا دو گے۔ تمہاری یہ دھمکیاں ہمارے لئے اس وقت موثر تھیں جب ہم نے خود کو نہیں پہچانا تھا، اپنے خدا سے نا آشنا تھے اور راہ حق کو بھلا کے زندگی کے بیابان میں سرگرداں تھے لیکن آج ہم نے اپنی گمشدہ گراں بہا چیز کو پا لیا ہے جو کرنا چاہو کرلو۔

انھوں نے سلسلہ کلام آگے بڑھاتے ہوئے کہا: ہم ماضی میں گناہوں کا ارتکاب

---

[1] سورہ شعراء آیت 49

[2] سورہ شعراء آیت 49

کر چکے ہیں اور اس میدان میں بھی اللہ کے سچے رسول جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلے میں پیش پیش تھے اور حق کے ساتھ لڑنے میں ہم پیش قدم تھے لیکن "ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ معاف کردے گا کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں"۔ [1]

ہم آج کسی چیز سے نہیں گھبراتے، نہ تو تمہاری دھمکیوں سے اور نہ ہی بلند و بالا کھجور کے درختوں کے تنوں پر سولی پر لٹک جانے کے بعد ہاتھ پاؤں مارنے سے۔

اگر ہمیں خوف ہے تو اپنے گزشتہ گناہوں کا اور امید ہے کہ وہ بھی ایمان کے سائے اور حق تعالیٰ کی مہربانی سے معاف ہو جائیں گے۔

یہ کیسی طاقت ہے کہ جب کسی انسان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کی نگاہوں میں حقیر ہو جاتی ہے اور وہ سخت سے سخت شکنجوں سے بھی نہیں گھبراتا اور اپنی جان دے دینا اس کے لئے کوئی بات ہی نہیں رہتی۔ یقیناً یہ ایمانی طاقت ہوتی ہے۔

یہ عشق کے روشن و درخشاں چراغ کا شعلہ ہوتا ہے جو شہادت کے شربت کو انسان کے حلق میں شہد سے بھی زیادہ شیریں بنا دیتا ہے اور محبوب کے وصال کو انسان کا ارفع و اعلیٰ مقصد بنا دیتا ہے۔

بہرحال یہ منظر فرعون اور اس کے ارکان سلطنت کے لئے بہت ہی مہنگا ثابت ہوا ہر چند کہ بعض روایات کے مطابق اس نے اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ بھی پہنایا اور تازہ ایمان لانے والے جادوگروں کو شہید کر دیا لیکن عوام کے جو جذبات موسیٰ علیہ السلام کے حق میں اور فرعون کے خلاف بھڑک اٹھے تھے وہ انہیں نہ صرف دبا نہ سکا بلکہ اور بھی برانگیختہ کر دیا۔

اب جگہ جگہ اس خدائی پیغمبر کے تذکرے ہونے لگے اور ہر جگہ ان باایمان شہداء کے

---

[1] سورہ شعراء آیت ۵۱

چرچے تھے بہت سے لوگ اس وجہ سے ایمان لے آئے۔ جن میں فرعون کے کچھ نزدیکی لوگ بھی تھے حتیٰ کہ خود اس کی زوجہ ان ایمان لانے والوں میں شامل ہوگئی۔

فرعون کی زوجہ ایمان لے آئی

فرعون کی بیوی کا نام آسیہ اور باپ کا نام مزاحم تھا۔ کہتے ہیں کہ جب اس نے جادوگروں کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو دیکھا تو اس کے دل کی گہرائیاں نور ایمان سے روشن ہوگئیں، وہ اسی وقت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔ وہ ہمیشہ اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتی تھی۔ لیکن ایمان اور خدا کا عشق ایسی چیز نہیں ہے جسے ہمیشہ چھپایا جاسکے۔ جب فرعون کو اس کے ایمان کی خبر ہوئی تو اس نے اسے بارہا سمجھایا اور منع کیا اور یہ اصرار کیا کہ موسیٰ کے دین سے دستبردار ہوجائے اور اس کے خدا کو چھوڑ دے، لیکن یہ با استقامت خاتون فرعون کی خواہش کے سامنے ہرگز نہ جھکی۔

آخر کار فرعون نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں میخوں کے ساتھ جکڑ کر اسے سورج کی جلتی ہوئی دھوپ میں ڈال دیا جائے اور ایک بہت بڑا پتھر اس کے سینہ پر رکھ دیں۔ جب وہ خاتون اپنی زندگی کے آخری لمحے گزار رہی تھی تو اس کی دعا یہ تھی:

"پروردگارا میرے لئے جنت میں اپنے جوار رحمت میں ایک گھر بنادے۔ مجھے فرعون اور اس کے عمال سے رہائی بخش اور مجھے اس ظالم قوم سے نجات دے"۔

خدا نے بھی اس پاکباز اور فدا کار مومنہ خاتون کی دعا قبول کی اور اسے مریم سلام اللہ علیہا جیسی دنیا کی بہترین خاتون جناب مریم سلام اللہ علیہا کے ہم ردیف قرار پائی ہے۔

ایک روایت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا اور عمران کی بیٹی مریم سلام اللہ علیہا اور مزاحم کی بیٹی آسیہ سلام اللہ علیہا جو فرعون کی بیوی تھی"۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ فرعون کی بیوی اپنی اس بات سے فرعون کے عظیم قصر کی تحقیر کر رہی ہے، اور اسے خدا کے جوار رحمت میں گھر کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ اس گفتگو کے ذریعہ ان لوگوں کے جو اسے یہ نصیحت کرتے تھے کہ ان تمام نمایاں وسائل و امکانات کو جو ملکہ مصر ہونے کی وجہ سے تیرے قبضہ و اختیار میں ہیں، موسیٰ علیہ السلام جیسے چرواہے پر ایمان لا کر ہاتھ سے نہ دے۔ جواب دیتی ہے:

اور "نجنی من فرعون و عملہ" کے جملہ کے ساتھ خود فرعون سے اور اس کے مظالم اور جرائم سے بیزاری کا اعلان کرتی ہے۔

اور "نجنی من القوم الظالمین" کے جملہ سے اس آلودہ ماحول سے اپنی علیحدگی، اور ان کے جرائم سے اپنی بیگانگی کا اظہار کرتی ہے۔

مسلمہ طور پر فرعون کے دربار سے بڑھ کر زرق برق اور جلال و جبروت موجود نہیں تھا۔ اسی طرح فرعون جیسے جابر و ظالم کے شکنجوں سے بڑھ کر فشار اور شکنجے موجود نہیں تھے۔ لیکن نہ تو وہ زرق برق اور نہ ہی وہ فشار اور شکنجے اس مومنہ عورت کے گھٹنے جھکا سکے۔ اس نے رضائے خدا میں اپنا سفر اسی طرح سے جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اپنی عزیز جان اپنے حقیقی محبوب کی راہ میں فدا کر دی۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ وہ یہ استدعا کرتی ہے کہ اے خدا جنت میں اور اپنے جوار میں اس کے لئے ایک گھر بنا دے جس کا جنت میں ہونا تو جنبہ جسمانی ہے اور خدا کے جوار رحمت میں ہونا جنبہ روحانی ہے۔ اس نے ان دونوں کو ایک مختصر سی عبارت میں جمع کر دیا ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم

ایک طرف موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے درمیان باہمی نزاع، اور دوسری طرف فرعون اور اس کے ہم نواؤں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کافی حد تک بڑھ گیا اور اس دوران میں بہت سے واقعات رونما ہو چکے، جنہیں قرآن نے اس مقام پر ذکر نہیں کیا بلکہ ایک خاص مقصد کو جسے ہم بعد میں بیان کریں گے پیش نظر رکھ کر ایک نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ حالات بہت خراب ہو گئے تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام علیہ السلام کی انقلابی تحریک کو دبانے بلکہ ختم کرنے کے لئے ان کے قتل کی ٹھان لی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کے مشیروں اور درباریوں نے اس کے اس فیصلے کی مخالفت کی۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:

''فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو تاکہ میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور وہ اپنے پروردگار کو بلائے تاکہ وہ اسے اس سے نجات دے''۔ [1]

اس سے یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ اس کے اکثر یا کم از کم کچھ مشیر موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مخالف تھے وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ چونکہ موسیٰ کے کام معجزانہ اور غیر معمولی ہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے لئے بد دعا کر دے تو اس کا خدا ہم پر عذاب نازل کر دے لیکن کبر و غرور کے نشے میں مست فرعون کہنے لگا: میں تو اسے ضرور قتل کروں گا جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

یہ بات تو معلوم نہیں ہے کہ فرعون کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں نے کس بناء پر اسے موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رکھا البتہ یہاں پر چند ایک احتمال ضرور ہیں اور ہو سکتا ہے وہ سب کے سب صحیح ہوں۔

ایک احتمال تو یہ ہے کہ ممکن ہے خدا کی طرف۔ یہ عذاب نازل ہو جائے۔

---

[1] سورہ مومن آیت 26

دوسرا احتمال ان کی نظر میں یہ ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مارے جانے کے بعد حالات یکسر دگرگوں ہو جائیں گے کیونکہ وہ ایک شہید کا مقام پالیں گے اور انہیں ہیرو کا درجہ مل جائے گا ۔ اس طرح سے ان کا دین بہت سے مومن، ہمنوا، طرفدار اور ہمدرد پیدا کرلے گا۔

خلاصہ کلام انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ بذات خود موسیٰ ان کے لئے ایک عظیم خطرہ ہیں لیکن اگر ان حالات میں انہیں قتل کر دیا جائے تو یہ حادثہ ایک تحریک میں بدل جائے گا جس پر کنٹرول کرنا بھی مشکل ہو جائے گا اور اس سے جان چھڑانی مشکل تر ہو جائے گی۔

فرعون کے کچھ درباری ایسے بھی تھے جو قلبی طور پر فرعون سے راضی نہیں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام زندہ رہیں اور فرعون کی تمام تر توجہ انہی کی طرف مبذول رہے، اس طرح سے وہ چار دن آرام کے ساتھ بسر کرلیں اور فرعون کی آنکھوں سے اوجھل رہ کر ناجائز مفاد اٹھاتے رہیں کیونکہ یہ ایک پرانا طریقہ کار ہے کہ بادشاہوں کے درباری اس بات کی فکر میں رہتے ہیں کہ ہمیشہ ان کی توجہ دوسرے امور کی طرف مبذول رہے تا کہ وہ آسودہ خاطر ہو کر اپنے ناجائز مفادات کی تکمیل میں لگے رہیں۔ اسی لئے تو بعض اوقات وہ بیرونی دشمن کو بھی بھڑکاتے ہیں تا کہ بادشاہ کی فارغ البالی کے شر سے محفوظ رہیں۔

کہیں موسیٰ تمہارا مذہب نہ بدل دے

بہر حال فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کے منصوبے کی توجیہہ کرتے ہوئے اپنے درباریوں کے سامنے اس کی دو دلیلیں بیان کیں۔ ایک کا تعلق دینی اور روحانی پہلو سے تھا اور دوسری کا دنیاوی اور مادی سے، وہ کہنے لگا: مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ تمہارے دین کو تبدیل کر دے گا اور تمہارے باپ دادا کے دین کو دگرگوں کر دے گا، یا یہ کہ زمین میں فساد اور خرابی

برباد کردے گا۔ [1]

اگر میں خاموشی اختیار کرلوں تو موسیٰ بہت جلد مصر والوں کے دل میں اتر جائے گا اور بت پرستی کا "مقدس دین" جو تمہاری قومیت اور مفادات کا محافظ ہے ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ توحید پرستی کا دین لے لے گا جو یقیناً تمہارے سو فیصد خلاف ہوگا۔

اگر میں آج خاموش ہو جاؤں اور کچھ عرصہ بعد موسیٰ سے مقابلہ کرنے کے لئے اقدام کروں تو اس دوران میں وہ اپنے بہت سے دوست اور ھمدرد پیدا کرلے گا جس کی وجہ سے زبردست لڑائی چھڑ جائے گی جو ملکی سطح پر خونریزی، گڑ بڑ اور بے چینی کا سبب بن جائے گی اسی لئے مصلحت اسی میں ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس گفتگو سے موسیٰ علیہ السلام نے کس ردعمل کا اظہار کیا جو اس مجلس میں تشریف فرما بھی تھے، قرآن کہتا ہے: موسیٰ نے کہا: "میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر سے پناہ مانگتا ہوں جو روز حساب پر ایمان نہیں لاتا"۔ [2]

موسیٰ علیہ السلام نے یہ باتیں بڑے سکون قلب اور اطمینان خاطر سے کیں جو ان کے قوی ایمان اور ذات کردگار پر کامل بھروسے کی دلیل ہیں اور اس طرح سے ثابت کردیا کہ اس کی اس دھمکی سے وہ ذرہ بھر بھی نہیں گھبرائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں مندرجہ ذیل دو صفات پائی جائیں وہ نہایت ہی خطرناک افراد ہیں:

ایک "تکبر"

اور دوسرے "قیامت پر ایمان نہ رکھنا"

اور اس قسم کے افراد سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

---

[1] سورہ مومن آیت 26

[2] سورہ مومن آیت 27

آیا کسی کو خدا کی طرف بلانے پر بھی قتل کرتے ہیں؟

یہاں سے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی تاریخ کا ایک اور اہم کردار شروع ہوتا ہے اور وہ ہے "مؤمن آل فرعون" جو فرعون کے رشتہ داروں میں سے تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید قبول کر چکا تھا، لیکن اپنے اس ایمان کو ظاہر نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو خاص طریقے سے موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کا پابند سمجھتا تھا جب اس نے دیکھا کہ فرعون کے غیظ و غضب سے موسیٰ علیہ السلام کی جان کو خطرہ پیدا ہو گیا ہے تو مردانہ وار آگے بڑھا اور اپنی دل نشین اور مؤثر گفتگو سے قتل کی اس سازش کو ناکام بنا دیا۔

قرآن میں فرمایا گیا ہے: "آل فرعون میں سے ایک شخص نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا"

کہا: "کیا کسی شخص کو صرف اس بناء پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟" [1]

"حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے معجزات اور واضح دلائل اپنے ساتھ لایا ہے۔" [2]

آیا تم اس کے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزات کا انکار کر سکتے ہو؟ کیا تم نے اپنی آنکھوں سے اس کے جادوگروں پر غالب آجانے کا مشاہدہ نہیں کیا؟ یہاں تک کہ جادوگروں نے اس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے اور ہماری پرواہ تک نہ کی اور نہ ہی ہماری دھمکیوں کو خاطر میں لائے اور موسیٰ کے خدا پر ایمان لا کر اپنا سر اس کے آگے جھکا دیا، ذرا سچ بتاؤ ایسے شخص کو جادوگر کہا جا سکتا

---

[1] سورہ مومن آیت 28

[2] سورہ مومن آیت 28

ہے، خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو، جلد بازی سے کام نہ لو اور اپنے اس کام کے انجام کو بھی اچھی طرح سوچ لو تا کہ بعد میں پشیمان نہ ہونا پڑے۔

ان سب سے قطع نظر یہ دو حال سے خالی نہیں "اگر وہ جھوٹا ہے تو جھوٹ اس کا خود ہی دامن گیر ہو گا اور اگر سچا ہے تو کم از کم جس عذاب سے تمہیں ڈرایا گیا ہے وہ کچھ نہ کچھ تو تمہارے پاس پہنچ ہی جائے گا"۔ [1]

یعنی اگر وہ جھوٹا ہے جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، آخر کار ایک نہ ایک دن اس کا پول کھل جائے گا اور وہ اپنے جھوٹ کی سزا پالے گا لیکن یہ امکان بھی تو ہے کہ شاید وہ سچا ہو اور خدا کی جانب سے بھیجا گیا ہو تو پھر ایسی صورت میں اس کے کئے ہوئے وعدے کسی نہ کسی صورت میں وقوع پذیر ہو کر رہیں گے لہٰذا اس کو قتل کرنا عقل و خرد سے کوسوں دور ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا، "اللہ تعالیٰ مسرف اور جھوٹے کی ہدایت نہیں فرماتا"۔ [2]

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تجاوز و اسراف و دروغ کو اختیار کرتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی ہدایت حاصل نہ کرتے اور اگر تم بھی ایسے ہی ہو گئے تو اس کی ہدایت سے محروم ہو جاؤ گے۔

مومن آل فرعون نے اس پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اپنی گفتگو کو جاری رکھا، دوستی اور خیر خواہی کے انداز میں ان سے یوں گویا ہوا: اے میری قوم آج مصر کی طویل و عریض سرزمین پر تمہاری حکومت ہے اور تم ہر لحاظ سے غالب اور کامیاب ہو، اس قدر بے انداز نعمتوں کا کفران نہ کرو، اگر خدائی عذاب ہم تک پہنچ گیا تو پھر ہماری کون مدد کرے گا"۔ [3]

ظاہراً اس کی یہ باتیں "فرعون کے ساتھیوں" کے لئے غیر موثر ثابت نہیں ہوئیں انہیں نرم بھی بنا دیا اور ان کے غصے کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔

---

[1] سورہ مومن آیت 28

[2] سورہ مومن آیت 28

[3] سورہ مومن آیت 29

لیکن یہاں پر فرعون نے خاموشی مناسب نہ سمجھی اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا: بات وہی ہے جو میں نے کہہ دی ہے۔ "جس چیز کا میں معتقد ہوں اسی کا تمہیں بھی حکم دیتا ہوں میں اس بات کا معتقد ہوں کہ ہر حالت میں موسیٰ کو قتل کر دینا چاہئے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے اور میں تو صرف تمہیں صحیح راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہوں"۔ [1]

میں تمہیں خبردار کرتا ہوں

اس دور میں مصر کے لوگ ایک حد تک متمدن اور پڑھے لکھے تھے انہوں نے قوم نوح، عاد اور ثمود جیسی گزشتہ اقوام کے بارے میں مؤرخین کی باتیں بھی سن رکھی تھیں اتفاق سے ان اقوام کے علاقوں کا اس علاقے سے زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا یہ لوگ ان کے دردناک انجام سے بھی کم و بیش واقفیت رکھتے تھے۔

لہٰذا مومن آل فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کی مخالفت کی اس نے دیکھا کہ فرعون کو زبردست اصرار ہے کہ وہ موسیٰ کے قتل سے باز نہیں آئے گا، اس مرد مومن نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور نہ ہی ہارنی چاہئے تھی لہٰذا اب کہ اس نے یہ تدبیر سوچی کہ اس سرکش قوم کو گزشتہ اقوام کی تاریخ اور انجام کی طرف متوجہ کرے شاید اس طرح سے یہ لوگ بیدار ہوں اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں قرآن کے مطابق اس نے اپنی بات یوں شروع کی اس باایمان شخص نے کہا: "اے میری قوم، مجھے تمہارے بارے میں گزشتہ اقوام کے عذاب کے دن کی طرح کا خوف ہے۔" [2]

پھر اس بات کی تشریح کرتے ہوئے کہا: "میں قوم نوح علیہ السلام، عاد، ثمود اور ان کے بعد

---

[1] سورہ مومن آیت 29

[2] سورہ مومن آیت 31

آنے والوں کی سی بری عادت سے ڈرتا ہوں"۔ [1]

ان قوموں کی عادت شرک، کفر اور طغیان و سرکشی تھی اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا؟ کچھ تو تباہ کن طوفانوں کی نذر ہو گئیں، کچھ وحشت ناک جھگڑوں کی وجہ سے برباد ہوئیں، کچھ کو آسمانی بجلی نے جلا کر راکھ کر دیا اور کچھ زلزلوں کی بھینٹ چڑھ کر صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ کفر اور طغیان پر اصرار کی وجہ سے تم بھی مذکورہ عظیم بلاؤں میں سے کسی ایک کا شکار ہو سکتے ہو؟ لہٰذا مجھے کہنے دو کہ مجھے تمہارے بارے میں بھی اس قسم کے خطرناک مستقبل کا اندیشہ ہے۔

آیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ تمہارے کردار اور افعال ان سے مختلف ہیں؟ آخر ان لوگوں کا کیا قصور تھا کہ وہ اس طرح کے بھیانک مستقبل سے دوچار ہوئے کیا اس کے سوا کچھ اور تھا کہ انھوں نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی دعوت کے خلاف قیام کیا، ان کی تکذیب کی بلکہ انہیں قتل کر ڈالا۔

لیکن یاد رکھو جو مصیبت بھی تم پر نازل ہوگی خود تمہارے کئے کی سزا ہوگی کیونکہ "خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔" [2]

پھر کہتا ہے: "اے میری قوم میں تمہارے لئے اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے لیکن کوئی مدد نہیں کرے گا"۔ [3]

ان بیانات کے ذریعے مومن آل فرعون نے جو کچھ کرنا تھا کر دکھایا اس نے فرعون کو جناب موسیٰ کے قتل کی تجویز بلکہ فیصلے کے بارے میں ڈانواڈول کر دیا یا کم از کم اسے ملتوی کروا دیا اسی التواء سے قتل کا خطرہ ٹل گیا اور یہ تھا اس ہوشیار، زیرک اور شجاع مرد خدا کا فریضہ جو اس نے کما حقہ ادا

---

[1] سورہ مومن آیت 31

[2] سورہ مومن آیت 31

[3] سورہ مومن آیت 32

کر دیا جیسا کہ بعد کی گفتگو سے معلوم ہوگا کہ اس سے اس کی جان کے بھی خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہو گیا تھا۔

آخری بات

پانچویں اور آخری مرحلے پر مومن آل فرعون نے تمام حجاب الٹ دیئے اور اس سے زیادہ اپنے ایمان کو نہ چھپا سکا، وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا کہہ چکا اور فرعون والوں نے بھی، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، اس کے بارے میں بڑا خطرناک فیصلہ کیا۔ خداوند عالم نے بھی اپنے اس مومن اور مجاہد بندے کو تنہا نہیں چھوڑا جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے: ''خدا نے بھی اسے ان کی ناپاک چالوں اور سازشوں سے بچا لیا''۔ [1]

اس کی تعبیر سے واضح ہوتا ہے کہ فرعونیوں نے اس کے بارے میں مختلف سازشیں اور منصوبے تیار کر رکھے تھے۔

لیکن وہ منصوبے کیا تھے؟ قرآن نے اس کی تفصیل بیان نہیں کی، ظاہر ہے کہ مختلف قسم کی سزائیں اذیتیں اور آخر کار قتل اور سزائے موت ہو سکتی ہے لیکن خداوند عالم کے لطف و کرم نے ان سب کو ناکام بنا دیا۔

چنانچہ بعض تفسیروں میں ہے کہ وہ ایک مناسب موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام تک پہنچ گیا اور اس نے بنی اسرائیل کے ہمراہ دریائے نیل کو عبور کیا، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کے قتل کا منصوبہ بن چکا تو اس نے اپنے آپ کو ایک پہاڑ میں چھپا لیا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

یہ دونوں روایات آپس میں مختلف نہیں ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے وہ شہر سے مخفی ہو گیا

[1] سورہ مومن آیت 45

ہو اور پھر بنی اسرائیل سے جا ملا ہو۔

موسیٰ کے خدا کی خبر لاتا ہوں

اگر چہ مومن آل فرعون کی باتوں نے فرعون کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے تو باز آ گیا لیکن پھر بھی غرور کی چوٹی سے نیچے نہ اترا اور اپنی شیطنت سے بھی باز نہ آیا اور نہ ہی حق بات قبول کرنے پر آمادہ ہوا کیونکہ فرعون کے پاس اس بات کی نہ تو صلاحیت تھی اور نہ ہی لیاقت لہٰذا اپنے شیطنت آمیز اعمال کو جاری رکھتے ہوئے اس نے ایک نئے کام کی تجویز پیش کی اور وہ ہے آسمانوں پر چڑھنے کے لئے ایک بلند و بالا برج کی تعمیر تا کہ اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کی خبر لے آئے۔

فرعون نے کہا: اے ہامان: میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کرو تا کہ میں اسباب وذرائع تک پہنچ سکوں ایسے اسباب وذرائع جو مجھے آسمانوں تک لے جاسکیں تا کہ میں موسیٰ کے خدا سے باخبر ہو سکوں ہر چند کہ میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔

جی ہاں! اس قسم کے برے اعمال فرعون کی نظر میں مزین کر دیئے گئے تھے اور انھوں نے اسے راہ حق سے روک دیا تھا، لیکن فرعون کی سازش اور چالوں کا انجام نقصان اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ [1]

سب سے پہلی چیز جو یہاں پر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آخر اس کام سے فرعون کا مقصد کیا تھا؟ آیا وہ واقعاً اس حد تک احمق تھا کہ گمان کرنے لگا کہ موسیٰ کا خدا آسمان میں ہے؟ بالفرض اگر آسمان میں ہو بھی تو آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑوں کے ہوتے ہوئے اس عمارت کے بنانے کی کیا ضرورت تھی جو پہاڑوں کی اونچائی کے سامنے بالکل ناچیز تھی؟ اور کیا اس طرح سے وہ

---

[1] سورہ مومن آیت 37

آسمان تک پہنچ بھی سکتا تھا؟

یہ بات تو بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے کیونکہ فرعون مغرور اور متکبر ہونے کے باوجود سمجھ دار اور سیاستداں شخص تو ضرور تھا جس کی وجہ سے اس نے ایک عظیم ملت کو اپنی زنجیروں میں جکڑا تھا اور بڑے زوردار طریقے سے اس پر حکومت کرتا رہا لہٰذا اس قسم کے افراد کی ہر ہر بات اور ہر ہر حرکت شیطانی حرکات وسکنات کی آئینہ دار ہوتی ہیں لہٰذا سب سے پہلے اس کے اس شیطانی منصوبے کا تجزیہ وتحلیل کرنا چاہئے کہ آخر ایسی عمارت کی تعمیر کا مقصد کیا تھا؟

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان چند مقاصد کے پیش نظر ایسا اقدام کیا:

1۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کی فکر کو مصروف رکھے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور بنی اسرائیل کے قیام کے مسئلہ سے ان کی توجہ ہٹانے کے لئے اس نے یہ منصوبہ تیار کیا، بعض مفسرین کے بقول یہ عمارت ایک نہایت ہی وسیع وعریض زمین میں کھڑی کی گئی جس پر پچاس ہزار مزدور کام کرنے لگے اس تعمیری منصوبے نے دوسرے تمام مسائل کو بھلا دیا جوں جوں عمارت بلند ہوتی جاتی تھی توں توں لوگوں کی توجہ اس کی طرف زیادہ مبذول ہوتی تھی ہر جگہ اور ہر محفل میں نئی خبر کے عنوان سے اس کے چرچے تھے اس نے وقتی طور پر جادوگروں پر موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کو جو کہ فرعون اور فرعونیوں کے پیکر پر ایک کاری ضرب تھی لوگوں کے ذہنوں سے فراموش کر دیا۔

2۔ وہ چاہتا تھا کہ اس طرح سے زحمت کش اور مزدور طبقے کی جزوی مادی اور اقتصادی امداد کرے اور عارضی طور پر ہی سہی بیکار لوگوں کے لئے کام مہیا کرے تاکہ تھوڑا سا اس کے مظالم کو فراموش کر دیں اور اس کے خزانے کی لوگوں کو زیادہ سے زیادہ احتیاج محسوس ہو۔

3۔ پروگرام یہ تھا کہ جب عمارت پایہ تکمیل کو پہنچ جائے، تو وہ اس پر چڑھ کر آسمان کی طرف نگاہ کرے اور شاید چلہ کمان میں رکھ کر تیر چلائے اور وہ واپس لوٹ آئے تو لوگوں کو احمق بنانے کے لئے کہے کہ موسیٰ کا خدا جو کچھ بھی تھا آج اس کا خاتمہ ہو گیا ہے اب ہر شخص بالکل مطمئن ہو کر اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جائے۔

وگرنہ فرعون کے لئے تو صاف ظاہر تھا کہ اس کی عمارت جتنی بھی بلند ہو چند سو میٹر سے زیادہ تو اونچی نہیں جاسکتی تھی جبکہ آسمان اس سے کئی گنا بلند اور اونچے تھے، پھر یہ کہ اگر بلند ترین مقام پر بھی کھڑے ہو کر آسمان کی طرف دیکھا جائے تو اس کا منظر بغیر کسی کمی بیشی کے ویسے ہی نظر آتا ہے جیسے سطح زمین سے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فرعون نے یہ بات کر کے درحقیقت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے سے ایک قسم کی پسپائی اختیار کی جبکہ اس نے کہا کہ میں موسیٰ کے خدا کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں "فاطلع الی الہ موسیٰ" اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ "ہر چند کہ میں اسے جھوٹا گمان کرتا ہوں" اس طرح سے وہ یقین کی منزل سے ہٹ کر شک اور گمان کے مرحلے تک نیچے آجاتا ہے۔

اس مسئلے میں مفسرین کے ایک گروہ نے (مثلاً فخر رازی اور آلوسی نے) یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ آیا: فرعون نے اپنا مجوزہ بلند مینار تعمیر کرایا تھا یا نہیں؟

ان مفسرین کا ذہن اس طرف اس لئے منتقل ہوا کہ مینار کی تعمیر کا کام کسی طرح بھی عاقلانہ نہ تھا کیا اس عہد کے لوگ کبھی بلند پہاڑوں پر نہیں چڑھے تھے؟ اور انھوں نے آسمان کے منظر کو ویسا ہی نہیں دیکھا تھا جیسا کہ وہ زمین سے نظر آتا ہے؟ کیا انسان کا بنایا ہوا مینار پہاڑ سے زیادہ اونچا ہو سکتا ہے؟ کیا کوئی احمق بھی یہ یقین کر سکتا ہے کہ ایسے مینار پر چڑھ کر آسمان کو چھوا جاسکتا ہے؟

لیکن وہ مفسرین جنہوں نے یہ اشکالات پیدا کئے ہیں ان کی توجہ ان نکات کی طرف نہیں گئی کہ اول تو ملک مصر کوہستانی نہیں دوم یہ کہ انہوں نے اس عہد کے لوگوں کی سادہ لوحی کو فراموش کر دیا کہ ان سیدھے سادھے لوگوں کو ایسے ہی مسائل سے غافل کیا جاسکتا تھا یہاں تک کہ خود ہمارے زمانے جسے عصر علم و دانش کہا جاتا ہے، لوگوں کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے کے لئے کیسے کیسے مکر و فریب اور حیلہ سازیاں کی جاتی ہیں۔

پچاس ہزار معمار برج بناتے ہیں

بہر کیف۔ بعض تواریخ کے بیان کے مطابق، ہامان نے حکم دیا کہ ایسا محل اور برج بنانے کے لئے زمین کا ایک وسیع قطعہ انتخاب کریں اور اس کی تعمیر کے لئے پچاس ہزار معمار اور مزدور روانہ کردے اور اس عمارت کے واسطے میٹریل فراہم کرنے کے لئے ہزاروں آدمی مقرر کئے گئے اس نے خزانہ کا منہ کھول دیا اور اس مقصد کے لئے کثیر رقم خرچ کی یہاں تک کہ تمام ملک مصر میں اس عظیم برج کی تعمیر کی شہرت ہوگئی۔

یہ عمارت جس قدر بھی بلند سے بلند تر، ہوتی جاتی تھی لوگ اتنے ہی زیادہ اسے دیکھنے آتے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے فرعون یہ عمارت بنا کر کیا کرتا ہے؟

یہ عمارت اتنی بلند ہوگئی کہ اس سے دور دور تک اطراف وجوانب کا میدان نظر آنے لگا بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ معماروں نے اس کی سیڑھیاں ایسی بنائی تھیں کہ آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر اس پر چڑھ سکتا تھا۔

میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو مار ڈالا

جب وہ عمارت پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور اسے مزید بلند کرنے کا کوئی امکان نہ رہا تو ایک روز فرعون پوری شان وشوکت سے وہاں آیا اور بذات خود برج پر چڑھ گیا جب وہ برج کی چوٹی پر پہنچا اور آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو اسے آسمان ویسا ہی نظر آیا جیسا کہ وہ زمین سے دیکھا کرتا تھا اس منظر میں ذرا بھی تغیر وتبدیلی نہ تھی۔

مشہور یہ ہے کہ اس نے مینار پر چڑھ کے کمان میں تیر جوڑا اور آسمان کی طرف پھینکا یا تو وہ تیر کسی پرندے کے لگا یا پہلے سے کوئی سازش کی گئی تھی کہ تیر خون آلود واپس آیا تب فرعون

وہاں سے نیچے اتر آیا اور لوگوں سے کہا: جاؤ، مطمئن رہو اور کسی قسم کی فکر نہ کرو میں نے موسیٰ کے خدا کو مار ڈالا ہے۔

یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ سادہ لوحوں اور اندھی تقلید کرنے والوں کے ایک گروہ نے اور ان لوگوں نے جن کی آنکھیں اور کان حکومت وقت کے پروپیگنڈے سے بند ہو گئے تھے، فرعون کے اس قول کا یقین کر لیا ہو گا اور ہر جگہ اس خبر کو عام کیا ہو گا اور مصر کی رعایا کو غافل رکھنے کا ایک اور سبب پیدا ہو گیا۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ عمارت دیر تک قائم نہیں رہی (اور اسے رہنا بھی نہ چاہئے تھا) تباہ ہو گئی بہت سے لوگ اس کے نیچے دب کے مر گئے اس سلسلے میں اہل قلم نے اور بھی طرح طرح کی داستانیں لکھی ہیں لیکن ان کی صحت کی تحقیق نہ ہو سکی اس لئے انہیں قلم زد کر دیا گیا ہے۔

بیدار کرنے والی سزائیں

ایک کلی قانون تمام پیغمبروں کے لئے یہ تھا کہ جب ان کو لوگوں کی مخالفت کا سامنا ہو اور وہ کسی طرح سے راہ راست پر نہ آئیں تو خدا ان کو بیدار کرنے کے لئے مشکلات و مصائب میں گرفتار کرتا تھا تا کہ وہ اپنے میں نیاز مندی اور محتاجی کا احساس کریں، اور ان کی فطرت توحید جو آرام و آسائش کی وجہ سے غفلت کے پردوں میں چلی گئی ہے دوبارہ ابھر آئے اور ان کو اپنی ضعف و ناتوانی کا اندازہ ہو اور اس قادر و توانا ہستی کی جانب متوجہ ہوں جو ہر نعمت و نقمت کا سر چشمہ ہے۔

قرآن میں اس مطلب کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے: ہم نے آل فرعون کو قحط، خشک

سالی اور ثمرات کی کمی میں مبتلا کیا کہ شاید متوجہ اور بیدار ہو جائیں۔ [1]

باوجودیکہ قحط سالی نے فرعونیوں کو گھیر لیا تھا لیکن مذکورہ بالا بیان میں صرف فرعون کے مخصوصین کا ذکر کیا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ اگر یہ بیدار ہو گئے تو سب لوگ بیدار ہو جائیں گے کیونکہ تمام لوگوں کی نبض انہی کے ہاتھوں میں ہے یہ چاہیں تو بقیہ افراد کو گمراہ کریں یا ہدایت کریں۔

اس نکتہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ خشک سالی اہل مصر کے لئے ایک بلائے عظیم شمار ہوتی تھی کیونکہ مصر پورے طور سے ایک زرعی مملکت تھی اس بناء پر اگر زراعت نہ ہو تو اس کا اثر ملک کے تمام افراد پر پڑتا ہے لیکن مسلمہ طور پر فرعون اور اس کے افراد چونکہ ان زمینوں کے مالک اصلی تھے اس لئے فی الحقیقت وہ سب سے زیادہ اس سے متاثر ہوئے تھے۔

ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خشک سالی کئی سال تک باقی رہی کیونکہ ''سنین'' جمع کا صیغہ ہے۔

لیکن آل فرعون، بجائے اس کے کہ ان الٰہی تنبیہوں سے نصیحت لیتے اور خواب خرگوش سے بیدار ہوتے انہوں نے اس سے سوء استفادہ کیا اور ان حوادث کی من مانی تفسیر کی، جب حالات ان کے منشا کے مطابق ہوتے تھے تو وہ راحت و آرام میں ہوتے تھے اور کہتے کہ یہ حالات ہماری نیکی ولیاقت کی وجہ سے ہیں: ''فی الحقیقت ہم اس کے اہل و لائق ہیں''۔

لیکن جس وقت وہ مشکل و مصیبت میں گرفتار ہوتے تھے تو اس کو فوراً موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے سر باندھ دیتے تھے'' اور کہتے تھے کہ یہ ان کی بدقدمی کی وجہ سے ہوا ہے۔

لیکن قرآن کریم ان کے جواب میں کہتا ہے: ''ان کی بدبختیوں اور تکلیفوں کا سرچشمہ خدا کی طرف سے ہے خدا نے یہ چاہا ہے کہ اس طرح ان کو ان کے اعمال بد کی وجہ سے سزا دے

[1] سورہ اعراف آیت 130

لیکن ان میں سے اکثر اس کو نہیں جانتے"۔ [1]

مختلف اور پیہم بلاؤں کا نزول

قرآن میں ان بیدار کنندہ دروس کا ایک اور مرحلہ بیان کیا گیا ہے جو خدا نے قوم فرعون کو دیئے جب مرحلہ اول یعنی قحط، خشک سالی اور مالی نقصانات نے ان کو بیدار نہ کیا تو دوسرے مرحلہ کی نوبت پہنچی جو پہلے مرحلہ سے شدید تر تھا اس مرتبہ خدا نے ان کو پے در پے ایسی بلاؤں میں جکڑا جو ان کو اچھی طرح سے کھلنے والی تھیں مگر افسوس ان کی اب بھی آنکھیں نہ کھلیں۔

پہلے ان بلاؤں کے نزول کے مقدمہ کے طور پر فرمایا گیا ہے: انہوں نے موسیٰ کی دعوت کے مقابلے میں اپنے عناد کو بدستور باقی رکھا اور "کہا کہ تم ہر چند ہمارے لئے نشانیاں لاؤ اور ان کے ذریعے ہم پر اپنا جادو کرو ہم کسی طرح بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے"۔ [2]

لفظ "آیت" شاید انہوں نے از راہ تمسخر استعمال کیا تھا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے معجزات کو آیات الٰہی قرار دیا تھا لیکن انہوں نے سحر قرار دیا۔

آیات کا لہجہ اور دیگر قرائن اس بات کے مظہر ہیں کہ فرعون کے پروپیگنڈوں کا محکمہ جو اپنے زمانے کے لحاظ سے ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہر طرف سے حرکت میں آ گیا تھا اس کے نتیجے میں تمام لوگوں کا ایک ہی نعرہ تھا اور وہ یہ کہ اے موسیٰ تم تو ایک زبردست جادوگر ہو، کیونکہ موسیٰ کی بات کو رد کرنے کا ان کے پاس اس سے بہتر کوئی جواب نہ تھا جس کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں وہ گھر بنانا چاہتے تھے۔

لیکن چونکہ خدا کسی قوم پر اس وقت تک اپنا آخری عذاب نازل نہیں کرتا جب تک کہ

[1] سورہ اعراف آیت 131

[2] سورہ اعراف آیت 132

اس پر خوب اچھی طرح سے اتمام حجت نہ کر لے اس لئے بعد والی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے پہلے طرح طرح کی بلائیں ان پر نازل کیں کہ شاید ان کو ہوش آجائے۔ [1]

"پہلے ہم نے ان پر طوفان بھیجا"

اس کے بعد قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "اس کے بعد ہم نے ان کی زراعتوں اور درختوں پر ٹڈیوں کو مسلط کر دیا۔"

روایات میں وارد ہوا ہے کہ اللہ نے ان پر ٹڈیاں اس کثرت سے بھیجیں کہ انھوں نے درختوں کے شاخ و برگ کا بالکل صفایا کر دیا، حتیٰ کہ ان کے بدنوں تک کو وہ اتنا آزار پہنچاتی تھیں کہ وہ تکلیف سے چیختے چلاتے تھے۔

جب بھی ان پر بلا نازل ہوتی تھی تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے تھے کہ وہ خدا سے کہہ کر اس بلا کو ہٹوا دیں طوفان اور ٹڈیوں کے موقع پر بھی انھوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے یہی خواہش کی، جس کو موسیٰ علیہ السلام نے قبول کر لیا اور یہ دونوں بلائیں برطرف ہو گئیں، لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنی ضد پر اتر آئے جس کے نتیجے میں تیسری بلا "قمل" کی ان پر نازل ہوئی۔

"قمل" سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے درمیان گفتگو ہوئی ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ ایک قسم کی نباتی آفت تھی جو زراعت کو کھا جاتی تھی۔

جب یہ آفت بھی ختم ہوئی اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے، تو اللہ نے مینڈک کی نسل کو اس قدر فروغ دیا کہ مینڈک ایک نئی بلا کی صورت میں ان کی زندگی میں داخل ہو گئے۔

جدھر دیکھتے تھے ہر طرف چھوٹے بڑے مینڈک نظر آتے تھے یہاں تک کہ گھروں کے اندر، کمروں میں، بچھونوں میں، دسترخوان پر کھانے کے برتنوں میں مینڈک ہی مینڈک تھے، جس کی وجہ سے ان کی زندگی حرام ہو گئی تھی، لیکن پھر بھی انھوں نے حق کے سامنے اپنا سر نہ جھکایا

---

[1] سورہ اعراف کی آیت 133 میں ان بلاؤں کا نام لیا گیا ہے

اور ایمان نہ لائے۔ اس وقت اللہ نے ان پر خون مسلط کیا۔

بعض مفسرین نے کہا کہ خون سے مراد "مرض نکسیر" ہے جو ایک وبا کی صورت میں ان میں پھیل گیا، لیکن بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ دریائے نیل لہو رنگ ہو گیا اتنا کہ اس کا پانی مصرف کے لائق نہ رہا۔

آخر میں قرآن فرماتا ہے: "ان معجزوں اور کھلی نشانیوں کو جو موسیٰ کی حقانیت پر دلالت کرتی تھیں، ہم نے ان کو دکھلایا لیکن انھوں نے ان کے مقابلہ میں تکبر سے کام لیا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وہ ایک مجرم اور گناہگار قوم تھے۔" [1]

بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک بلا ایک ایک سال کے لئے آتی تھی یعنی ایک سال طوفان و سیلاب، دوسرے سال ٹڈیوں کے دل، تیسرے سال نباتاتی آفت، اسی طرح آخر تک، لیکن دیگر روایات میں ہے کہ ایک آفت سے دوسری آفت تک ایک مہینہ سے زیادہ فاصلہ نہ تھا، بہر کیف اس میں شک نہیں کہ ان آفتوں کے درمیان فاصلہ موجود تھا (جیسا کہ قرآن نے لفظ "مفصلات" سے تعبیر کیا ہے) تاکہ ان کو تفکر کے لئے کافی موقع مل جائے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ بلائیں صرف فرعون اور فرعون والوں کے دامن گیر ہوتی تھیں، بنی اسرائیل اس سے محفوظ تھے، بے شک یہ اعجازی تھا، لیکن اگر نکتہ ذیل پر نظر کی جائے تو ان میں سے بعض کی علمی توجیہ بھی کی جاسکتی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ مصر جیسی سرسبز و شاداب اور خوبصورت سلطنت جو دریائے نیل کے کناروں پر آباد تھی اس کے بہترین حصے وہ تھے جو دریا سے قریب تھے وہاں پانی بھی فراوان تھا اور زراعت بھی خوب ہوتی تھی، تجارتی کشتیاں وغیرہ بھی دستیاب تھیں، یہ خطے فرعون والوں اور قبطیوں کے قبضے میں تھے جہاں انھوں نے اپنے قصر و باغات بنا رکھے تھے اس کے برخلاف

---

[1] سورہ اعراف آیت 133

اسرائیلوں کو دور دراز کے خشک اور کم آب علاقے دیئے گئے تھے جہاں وہ زندگی کے یہ سخت دن گذارتے تھے کیونکہ ان کی حیثیت غلاموں جیسی تھی۔

بنا برایں یہ ایک طبیعی امر ہے کہ جب سیلاب اور طوفان آیا تو اس کے نتیجے میں وہ آبادیاں زیادہ متاثر ہوئیں جو دریائے نیل کے دونوں کناروں پر آباد تھیں، اسی طرح مینڈک بھی پانی سے پیدا ہوتے ہیں جو قبطیوں کے گھروں کے آس پاس بڑی مقدار میں موجود تھے، یہی حال خون کا ہے کیونکہ دریائے نیل کا پانی خون ہو گیا تھا، ٹڈیاں اور زرعی آفتیں بھی باغات، کھیتوں اور سرسبز علاقوں پر حملہ کرتی ہیں، لہٰذا ان عذابوں سے زیادہ تر نقصان قبطیوں ہی کا ہوتا تھا۔

جو کچھ قرآن میں ذکر ہوا ہے اس کا ذکر موجودہ توریت میں بھی ملتا ہے، لیکن کسی حد تک فرق کے ساتھ۔ [1]

بار بار کی عہد شکنیاں

قرآن میں فرعونیوں کے اس ردعمل کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں نے پروردگار عالم کی عبرت انگیز اور بیدار کنندہ بلاؤں کے نزول کے بعد ظاہر کیا، ان تمام قرآنی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت وہ بلا کے چنگل میں گرفتار ہو جاتے تھے، جیسا کہ عام طور سے تباہ کاروں کا دستور ہے، وقتی طور پر خواب غفلت سے بیدار ہو جاتے تھے اور فریاد و زاری کرنے لگتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتے تھے کہ خدا سے ان کی نجات کے لئے دعا کریں۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے دعا کرتے تھے اور وہ بلا ان کے سروں سے ٹل جاتی تھی، مگر ان کی حالت یہ تھی کہ جونہی وہ بلا سر سے ٹلتی تھی تو وہ تمام چیزوں کو بھول جاتے تھے اور وہ اپنی پہلی نافرمانی اور

---

[1] ملاحظہ ہو سفر خروج فصل ہفتم تا دہم توریت

سرکشی کی حالت پر پلٹ جاتے تھے۔

جس وقت ان پر بلا مسلط ہوتی تھی تو کہتے تھے: "اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے خدا سے دعا کرو کہ جو عہد اس نے تم سے کیا ہے اسے پورا کرے اور تمہاری دعا ہمارے حق میں قبول کرے، اگر تم یہ بلا ہم سے دور کردو تو ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم خود بھی تم پر ضرور ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی یقیناً تمہارے ہمراہ روانہ کردیں گے"۔ [1]

اس کے بعد ان کی پیمان شکنی کا ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: "جس وقت ہم ان پر سے بلاؤں کو تعیین شدہ مدت کے بعد ہٹا دیتے تھے تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے تھے"۔ [2]

نہ خود ہی ایمان لاتے تھے اور نہ ہی بنی اسرائیل کو اسیری سے آزاد کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کا ایک مدت معین کرتے تھے کہ فلاں وقت یہ بلا برطرف ہوجائے گی تاکہ ان پر اچھی طرح کھل جائے کہ یہ بلا کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منطق ایک طرف ان کے مختلف معجزات دوسری طرف مصر کے لوگوں پر نازل ہونیوالی بلائیں جو موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ٹل جاتی تھیں تیسری طرف، ان سب اسباب نے مجموعی طور پر اس ماحول پر گہرے اثرات ڈالے اور فرعون کے بارے میں لوگوں کے افکار کو ڈانواں ڈول کردیا اور انہیں پورے مذہبی اور معاشرتی نظام کے بارے میں سوچنے پر مجبور کردیا۔

---

[1] اعراف آیت 134

[2] سورہ اعراف آیت 135

اس موقع پر فرعون نے دھوکہ دہی کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کا اثر مصری لوگوں کے ذہن سے ختم کرنے کی کوشش کی اور پست اقدار کا سہارا لیا جو اس ماحول پر حکم فرما تھا، انہیں اقدار کے ذریعہ اپنا اور موسیٰ علیہ السلام کا موازنہ شروع کر دیا تا کہ اس طرح لوگوں پر اپنی برتری کو پایہ ثبوت تک پہنچائے، جیسا کہ قرآن پاک کہتا ہے:

"اور فرعون نے اپنے لوگوں کو پکار کر کہا: اے میری قوم آیا مصر کی وسیع وعریض سر زمین پر میری حکومت نہیں ہے اور کیا یہ عظیم دریا میرے حکم سے نہیں بہہ رہے ہیں اور میرے محلوں، کھیتوں اور باغوں سے نہیں گزر رہے ہیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟" [1]

لیکن موسیٰ علیہ السلام کے پاس کیا ہے، کچھ بھی نہیں، ایک لاٹھی اور ایک اونی لباس اور بس، تو کیا اس کی شخصیت بڑی ہوگی یا میری؟ آیا وہ سچ بات کہتا ہے یا میں؟ اپنی آنکھیں کھولو اور بات اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس طرح فرعون نے مصنوعی اقدار کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، بالکل ویسے ہی جیسے عصر جاہلیت کے بت پرستوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں مال ومقام کو صحیح انسانی اقدار سمجھ رکھا تھا۔

لفظ "نادی" (پکار کر کہا) سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے اپنی مملکت کے مشاہیر کی ایک عظیم محفل جمائی اور بلند آواز کے ساتھ ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے یہ جملے ادا کیے، یا حکم دیا کہ اس کی اس آواز کو ایک سرکاری حکم نامے کے ذریعے پورے ملک میں بیان کیا جائے۔

قرآن آگے چل کر فرماتا ہے کہ فرعون نے کہا: "میں اس شخص سے برتر ہوں جو ایک پست خاندان اور طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور صاف طور پر بات بھی نہیں کر سکتا"۔ [2]

اس طرح سے اس نے اپنے لئے دو بڑے اعزازات (حکومت مصر اور نیل کی مملکت) اور موسیٰ علیہ السلام کے دو کمزور پہلو (فقر اور لکنت زبان) بیان کر دیئے۔

---

[1] سورہ زخرف آیت 51

[2] سورہ زخرف آیت 52

حالانکہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت نہ تھی۔ کیونکہ خدا نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا تھا اور زبان کی لکنت کو دور کر دیا تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے مبعوث ہوتے ہی خدا سے یہ دعا مانگی تھی کہ۔ "خداوندا میری زبان کی گرہیں کھول دے"۔ [1] اور یقیناً ان کی دعا قبول ہوئی اور قرآن بھی اس بات پر گواہ ہے۔ بے پناہ دولت، فاخرہ لباس اور چکا چوند کرتے محلات، مظلوم طبقے پر ظلم وستم کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کا مالک نہ ہونا صرف عیب کی بات ہی نہیں بلکہ باعث صد افتخار شرافت اور عزت کا سبب بھی ہے۔

"مھین" (پست) کی تعبیر سے ممکن ہے اس دور کے اجتماعی طبقات کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ اس دور میں بڑے بڑے سرمایہ داروں کا معاشرہ کے بلند طبقوں میں شمار ہوتا تھا اور محنت کشوں اور کم آمدنی والے لوگوں کا پست طبقے میں، یا پھر ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرف اشارہ ہو کیونکہ ان کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا اور فرعون کی قبطی قوم اپنے آپ کو سردار اور آقا سمجھتی تھی۔ پھر فرعون دو اور بہانوں کا سہارا لیتے ہوئے کہتا ہے: "اسے سونے کے کنگن کیوں نہیں دیئے اور اس کے لئے مددگار کیوں نہیں مقرر کئے تاکہ وہ اس کی تصدیق کریں؟" اگر خدا نے اسے رسول بنایا ہے تو اسے (دوسرے لوگوں کی طرح) طلائی کنگن کیوں نہیں دیئے گئے اور اس کے لئے مددگار کیوں نہیں مقرر کئے گئے۔

کہتے ہیں کہ فرعونی قوم کا عقیدہ تھا کہ روساء اور سربراہوں کو ہمیشہ طلائی کنگنوں اور سونے کے ہاروں سے مزین ہونا چاہئے اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس اس قسم کے زیورات نہیں تھے بلکہ ان زیورات کے بجائے وہ چرواہوں والا موٹا سا اونی کرتا زیب تن کئے ہوئے تھے، لہٰذا ان لوگوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا اور یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو انسانی شخصیت کے پرکھنے کا معیار سونا، چاندی اور دوسرے زیورات کو سمجھتے ہیں۔

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 27

جناب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اونی لباس

اس بارے میں ایک نہایت عمدہ بیان آیا ہے، امام علی بن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی (ہارون) کے ساتھ فرعون کے دربار میں پہنچے دونوں کے بدن پر اونی لباس اور ہاتھوں میں عصا تھا اس حالت میں انہوں نے شرط پیش کی کہ اگر فرمان الٰہی کے سامنے جھک جائے تو اس کی حکومت اور ملک باقی او اقتدار قائم و برقرار رہے گا، لیکن فرعون نے حاضرین سے کہا: تمہیں ان کی باتوں پر تعجب نہیں ہوتا کہ میرے ساتھ شرط لگا رہے ہیں کہ میرے ملک کی بقا اور میری عزت کا دوام ان کی مرضی کے ساتھ وابستہ ہے جبکہ ان کا اپنا حال یہ ہے کہ فقر و تنگدستی ان کی حالت اور صورت سے ٹپک رہی ہے (اگر یہ سچ کہتے ہیں تو) خود انہیں طلائی کنگن کیوں نہیں دیئے گئے۔

دوسرا بہانہ وہی مشہور بہانہ ہے جو بہت سی گمراہ اور سرکش امتیں انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے پیش کیا کرتی تھیں، کبھی تو کہتی تھیں کہ "وہ انسان کیوں ہے اور فرشتہ کیوں نہیں؟ اور کبھی کہتی تھی کہ اگر وہ انسان ہے تو پھر کم از کم اس کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟"

حالانکہ انسانوں کی طرف بھیجے ہوئے رسولوں کو روح انسانی کا حامل ہونا چاہئے تاکہ وہ ان کی ضرورتوں، مشکلوں اور مسائل کو محسوس کر سکیں اور انہیں ان کا جواب دے سکیں اور عملی لحاظ سے ان کے لئے نمونہ اور اسوہ قرار پا سکیں۔

چوتھا مرحلہ انقلاب کی تیاری

حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان مقابلہ میں فرعون پر غالب آگئے اور سرخرو اور سرفراز ہو کر میدان سے باہر آئے اگرچہ فرعون اور اس کے تمام درباری ان پر ایمان نہ لائے لیکن اس کے

چند اہم نتائج ضرور بر آمد ہوئے، جن میں سے ہر ایک اہم کامیابی شمار ہوتا ہے۔

1۔ بنی اسرائیل کا اپنے رہبر اور پیشوا پر عقیدہ مزید پختہ ہو گیا اور انہیں مزید تقویت مل گئی چنانچہ ایک دل اور ایک جان ہو کر ان کے گرد جمع ہو گئے کیونکہ انھوں نے سالہا سال کی بدبختی اور در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اب اپنے اندر کسی آسمانی پیغمبر کو دیکھا تھا جو کہ ان کی ہدایت کا بھی ضامن تھا اور ان کے انقلاب، آزادی اور کامیابی کا بھی رہبر تھا۔

2۔ موسیٰ علیہ السلام نے مصریوں اور قبطیوں تک کے درمیان ایک اہم مقام حاصل کر لیا۔ کچھ لوگ ان کی طرف مائل ہو گئے اور جو مائل نہیں ہوئے تھے وہ کم از کم ان کی مخالفت سے ضرور گھبراتے تھے اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی صدائے دعوت تمام مصر میں گونجنے لگی۔

3۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ فرعون عوامی افکار اور اپنی جان کو لاحق خطرے سے بچاؤ کے لئے اپنے اندر ایسے شخص کے ساتھ مقابلے کی طاقت کھو چکا تھا جس کے ہاتھ میں اس قسم کا عصا اور منہ میں اس طرح کی گویا زبان تھی۔

مجموعی طور پر یہ امور موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس حد تک زمین ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوئے کہ مصریوں کے اندر ان کے پاؤں جم گئے اور انھوں نے کھل کر اپنا تبلیغی فریضہ انجام دیا اور اتمام حجت کی۔

قرآن میں فرعونیوں کے خلاف بنی اسرائیل کے قیام اور انقلاب کا ایک اور مرحلہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے: "ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ سرزمین مصر میں اپنی قوم کے لئے گھروں کا انتخاب کرو"۔ [1]

"اور خصوصیت کے ساتھ ان گھروں کو ایک دوسرے کے قریب اور آمنے سامنے بناؤ"۔ [2]

---

[1] سورہ یونس آیت 87

[2] سورہ یونس آیت 87

پھر روحانی طور پر اپنی خود سازی اور اصلاح کرو" اور نماز قائم کرو۔" اس طرح سے اپنے نفس کو پاک اور قوی کرو [1]

اور اس لئے کہ خوف اور وحشت کے آثار ان کے دل سے نکل جائیں اور وہ روحانی و انقلابی قوت پالیں "مومنین کو بشارت دو" کامیابی اور خدا کے لطف و رحمت کی بشارت۔ [2]

زیر بحث آیات کے مجموعی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بنی اسرائیل منتشر، شکست خوردہ، وابستہ، طفیلی، آلودہ اور خوف زدہ گروہ کی شکل میں تھے، نہ ان کے پاس گھر تھے نہ کوئی مرکز تھا، نہ ان کے پاس معنوی اصلاح کا کوئی پروگرام تھا اور نہ ہی ان میں اس قدر شجاعت، عزم اور حوصلہ تھا جو شکست دینے والے انقلاب کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم ملا کہ وہ بنی اسرائیل کی مرکزیت کے لئے خصوصاً روحانی حوالے سے چند امور پر مشتمل پروگرام شروع کریں۔

1۔ مکان تعمیر کریں اور اپنے مکانات فرعونیوں سے الگ بنائیں۔ اس میں متعدد فائدے تھے۔

ایک یہ کہ سرزمین مصر میں ان کے مکانات ہوں گے تو وہ اس کا دفاع زیادہ لگاؤ سے کریں گے۔

دوسرا یہ کہ قبطیوں کے گھروں میں طفیلی زندگی گزارنے کے بجائے وہ اپنی ایک مستقل زندگی شروع کرسکیں گے۔

تیسرا یہ کہ انکے معاملات اور تدابیر کے راز دشمنوں کے ہاتھ نہیں لگیں گے۔

2۔ اپنے گھر ایک دوسرے کے آمنے سامنے اور قریب بنائیں، بنی اسرائیل کی مرکزیت کے لئے یہ ایک مؤثر کام تھا اس طرح سے وہ اجتماعی مسائل پر مل کر غور و فکر کرسکتے تھے

[1] سورہ یونس آیت 87

[2] سورہ یونس آیت 87

اور مذہبی مراسم کے حوالے سے جمع ہو کر اپنی آزادی کے لئے ضروری پروگرام بنا سکتے تھے۔

3۔ عبادت کی طرف متوجہ ہوں، خصوصاً نماز کی طرف کہ جو انسان کو بندوں کی بندگی سے جدا کرتی ہے اور اس کا تعلق تمام قدرتوں کے خالق سے قائم کر دیتی ہے۔ اس کے دل اور روح کو گناہ کی آلودگی سے پاک کرتی ہے اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کا احساس زندہ کرتی ہے اور قدرت پروردگار کا سہارا لے کر انسانی جسم میں ایک تازہ روح پھونک دیتی ہے۔

4۔ ایک رہبر کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی روحوں میں موجود طویل غلامی اور ذلت کے دور کا خوف و وحشت نکال باہر پھینکیں اور حتمی فتح و نصرت، کامیابی اور پروردگار کے لطف و کرم کی بشارت دے کر مومنین کے ارادے کو مضبوط کریں اور ان میں شہامت و شجاعت کی پرورش کریں۔

اس روش کو کئی سال گزر گئے اور اس دوران میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے منطقی دلائل کے ساتھ ساتھ انہیں کئی معجزے بھی دکھائے۔

ہم نے انہیں باہر نکال دیا

جب موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں پر اتمام حجت کر چکے اور مومنین و منکرین کی صفیں ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے کوچ کرنے کا حکم دے دیا گیا چنانچہ قرآن نے اس کی اس طرح منظر کشی کی۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: ''ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو (مصر سے باہر) نکال کر لے جاؤ، کیونکہ وہ تمہارا پیچھا کرنے والے ہیں''۔ [1]

موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی اور دشمن کی نگاہوں سے بچ کر بنی اسرائیل کو ایک جگہ

---

[1] سورہ شعراء آیت 52

اکٹھا کرنے کے بعد کوچ کا حکم دیا اور حکم خدا کے مطابق رات کو خصوصی طور پر منتخب کیا تا کہ یہ منصوبہ صحیح صورت میں تکمیل کو پہنچے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اتنی بڑی تعداد کی روانگی ایسی چیز نہیں تھی جو زیادہ دیر تک چھپی رہ جاتی۔ جاسوسوں نے جلد ہی اس کی رپورٹ فرعون کو دے دی اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''فرعون نے اپنے کارندے مختلف شہروں میں روانہ کر دیئے تا کہ فوج جمع کریں''۔ [1]

البتہ اس زمانے کے حالات کے مطابق فرعون کا پیغام تمام شہروں میں پہنچانے کے لئے کافی وقت کی ضرورت تھی لیکن نزدیک کے شہروں میں یہ اطلاع بہت جلد پہنچ گئی اور پہلے سے تیار شدہ لشکر فوراً حرکت میں آ گئے اور مقدمۃ الجیش اور حملہ آور لشکر کی تشکیل کی گئی اور دوسرے لشکر بھی آہستہ آہستہ ان سے آملتے رہے۔

ساتھ ہی لوگوں کے حوصلے بلند رکھنے اور نفسیاتی اثر قائم رکھنے کے لئے اس نے حکم دیا کہ اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ ''وہ تو ایک چھوٹا سا گروہ ہے''۔ [2] (تعداد کے لحاظ سے بھی کم اور طاقت کے لحاظ سے بھی کم)۔

لہٰذا اس چھوٹے سے کمزور گروہ کے مقابلے میں ہم کامیاب ہو جائیں گے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ طاقت اور قوت ہمارے پاس زیادہ ہے لہٰذا فتح بھی ہماری ہی ہوگی۔

فرعون نے یہ بھی کہا: ''آخر ہم کس حد تک برداشت کریں اور کب تک ان سرکش غلاموں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے رہیں؟ انھوں نے تو ہمیں غصہ دلایا ہے''۔ [3]

آخر کل مصر کے کھیتوں کی کون آبپاشی کرے گا؟ ہمارے گھر کون بنائے گا؟ اس وسیع و عریض مملکت کا کون لوگ بوجھ اٹھائیں گے؟ اور ہماری نوکری کون کرے گا؟

[1] سورہ شعراء آیت 53

[2] سورہ شعراء آیت 54

[3] سورہ شعراء آیت 55

اس کے علاوہ ''ہمیں ان لوگوں کی سازشوں سے خطرہ ہے (خواہ وہ یہاں رہیں یا کہیں اور چلے جائیں) اور ہم ان سے مقابلہ کے لئے مکمل طور پر آمادہ اور اچھی طرح ہوشیار ہیں''۔ [1]

3۔ پھر قرآن پاک فرعونیوں کے انجام کا ذکر کرتا ہے اور اجمالی طور پر ان کی حکومت کے زوال اور بنی اسرائیل کے اقتدار کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''ہم نے انہیں سرسبز باغات اور پانی سے لبریز چشموں سے باہر نکال دیا''۔ [2] خزانوں، خوبصورت محلات اور آرام و آسائش کے مقامات سے بھی نکال دیا۔

ہاں ہاں، ہم نے ایسا ہی کیا اور بنی اسرائیل کو بغیر کسی مشقت کے یہ سب کچھ دے دیا اور انہیں فرعون والوں کا وارث بنا دیا۔ [3]

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون والوں کا وارث بنایا۔ اسی تعبیر کی بناء پر بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ بنی اسرائیل کے افراد مصر کی طرف واپس لوٹ آئے اور زمام حکومت و اقتدار اپنے قبضے میں لے کر مدتوں وہاں حکومت کرتے رہے۔

آیات بالا کا ظاہری مفہوم بھی اسی تفسیر سے مناسبت رکھتا ہے۔

جبکہ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ لوگ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد مقدس سرزمینوں کی طرف چلے گئے البتہ کچھ عرصے کے بعد مصر واپس آگئے اور وہاں پر اپنی حکومت تشکیل دی۔

تفسیر کے اسی حصے کے ساتھ موجودہ توریت کی فصول بھی مطابقت رکھتی ہیں۔

بعض دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ مصر میں رہ گیا اور وہیں پر حکومت کی اور ایک گروہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سرزمین مقدس کی طرف

[1] سورہ شعراء آیت 56

[2] سورہ شعراء آیت 57 تا 59

[3] سورہ شعراء آیت 59۔ ۔ آیا بنی اسرائیل نے مصر میں حکومت کی ہے؟

روانہ ہو گیا۔

یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے وارث ہونے سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور جناب حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مصر کی وسیع و عریض سرزمین پر حکومت کی۔

لیکن اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ انقلابی پیغمبر تھے لہٰذا یہ بات بالکل بعید نظر آتی ہے کہ وہ ایسی سرزمین کو کلی طور پر خیر باد کہہ کر چلے جائیں جس کی حکومت مکمل طور پر انہیں کے قبضہ اور اختیار میں آچکی ہو اور وہ وہاں کے بارے میں کسی قسم کا فیصلہ کئے بغیر بیابانوں کی طرف چل دیں خصوصاً جب کہ لاکھوں بنی اسرائیلی عرصہ دراز سے وہاں پر مقیم رہ چکے تھے اور وہاں کے ماحول سے اچھی طرح واقف بھی تھے۔

فرعونیوں کا دردناک انجام

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی داستان کا آخری حصہ پیش کیا گیا ہے کہ فرعون اور فرعون والے کیونکر غرق ہوئے اور بنی اسرائیل نے کس طرح نجات پائی؟ جیسا کہ ہم گزشتہ میں پڑھ چکے ہیں کہ فرعون نے اپنے کارندوں کو مصر کے مختلف شہروں میں بھیج دیا تاکہ وہ بڑی تعداد میں لشکر اور افرادی قوت جمع کرسکیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ مفسرین کی تصریح کے مطابق فرعون نے چھ لاکھ کا لشکر مقدمۃ الجیش کی صورت میں بھیج دیا اور خود دس لاکھ کے لشکر کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

ساری رات بڑی تیزی کے ساتھ چلتے رہے اور طلوع آفتاب کے ساتھ ہی انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو پالیا، چنانچہ اس سلسلے کی پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: فرعونیوں نے ان کا تعاقب کیا اور طلوع آفتاب کے وقت انہیں پالیا۔

"جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے اب تو ہم فرعون والوں کے نرغے میں آ گئے ہیں اور بچ نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی"۔ [1]

ہمارے سامنے دریا اور اس کی ٹھاٹھیں مارتی موجیں ہیں، ہمارے پیچھے خونخوار مسلح لشکر کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے لشکر بھی ایسے لوگوں کا ہے جو ہم سے سخت ناراض اور غصے سے بھرے ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنی خونخواری کا ثبوت ایک طویل عرصے تک ہمارے معصوم بچوں کو قتل کر کے دیا ہے اور خود فرعون بھی بہت بڑا مغرور، ظالم اور خونخوار شخص ہے لہٰذا وہ فوراً ہمارا محاصرہ کر کے ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے یا قیدی بنا کر تشدد کے ذریعے ہمیں واپس لے جائیں گے قرائن سے بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا۔

بنا برایں یہ کیفیت دو حال سے خالی نہیں یا تو تمام بنی اسرائیل مصر میں واپس لوٹ آئے اور حکومت تشکیل دی، یا کچھ لوگ جناب موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق وہیں رہ گئے تھے اور حکومت چلاتے رہے اس کے علاوہ فرعون اور فرعون والوں کے باہر نکال دینے اور بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دینے کا اور کوئی واضح مفہوم نہیں ہوگا۔

اپنے عصا کو دریا پر مار دو

اس مقام پر بنی اسرائیل پر کرب و بے چینی کی حالت طاری ہوگئی اور ان کا ایک ایک لمحہ کرب و اضطراب میں گزرنے لگا یہ لمحات ان کے لیے زبردست تلخ تھے شاید بہت سے لوگوں کا ایمان بھی متزلزل ہو چکا تھا اور بڑی حد تک ان کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔

لیکن جناب موسیٰ علیہ السلام حسب سابق نہایت ہی مطمئن اور پرسکون تھے انہیں یقین تھا کہ بنی اسرائیل کی نجات اور سرکش فرعونیوں کی تباہی کے بارے میں خدا کا فیصلہ اٹل ہے اور وعدہ

---

[1] سورہ شعراء آیت 61

یقینی ہے۔

لہٰذا انھوں نے مکمل اطمینان اور بھرپور اعتماد کے ساتھ بنی اسرائیل کی وحشت زدہ قوم کی طرف منہ کر کے کہا: ''ایسی کوئی بات نہیں وہ ہم پر کبھی غالب نہیں آسکیں گے کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے اور وہ بہت جلدی مجھے ہدایت کرے گا''۔ [1]

اسی موقع پر شاید بعض لوگوں نے موسیٰ کی باتوں کو سن تو لیا لیکن انہیں پھر بھی یقین نہیں آرہا تھا اور وہ اسی طرح زندگی کے آخری لمحات کے انتظار میں تھے کہ خدا کا آخری حکم صادر ہوا قرآن کہتا ہے: ''ہم نے فوراً موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو''۔ [2]

وہی عصا جو ایک دن تو ڈرانے کی علامت تھا اور آج رحمت اور نجات کی نشانی۔

موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل حکم کی اور عصا فوراً دریا پر دے مارا تو اچانک ایک عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آیا جس سے بنی اسرائیل کی آنکھیں چمک اٹھیں اور ان کے دلوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی، ناگہانی طور پر دریا پھٹ گیا، پانی کے کئی ٹکڑے بن گئے اور ہر ٹکڑا ایک عظیم پہاڑ کی مانند بن گیا اور ان کے درمیان میں راستے بن گئے۔ [3]

بہر حال جس کا فرمان ہر چیز پر جاری اور نافذ ہے اگر پانی میں طغیانی آتی ہے تو اس کے حکم سے اور اگر طوفانوں میں حرکت آتی ہے تو اس کے امر سے، وہ خدا کہ:

نقش ہستی نقشی از ایوان او ست
آب و باد و خاک سر گردان او ست

اسی نے دریا کی موجوں کو حکم دیا امواج دریا نے اس حکم کو فوراً قبول کیا ایک دوسرے پر جمع ہو گئیں اور ان کے درمیان کئی راستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے ہر گروہ نے ایک ایک

---

[1] سورہ شعراء آیت 62

[2] سورہ شعراء آیت 63

[3] سورہ شعراء آیت 63

راستہ اختیار کرلیا۔

فرعون اور اس کے ساتھی یہ منظر دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے، اس قدر واضح اور آشکار معجزہ دیکھنے کے باوجود تکبر اور غرور کی سواری سے نہیں اترے، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب جاری رکھا اور اپنے آخری انجام کی طرف آگے بڑھتے رہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: ''اور وہاں پر دوسرے لوگوں کو بھی ہم نے نزدیک کردیا''۔

اس طرح فرعونی لشکر دریائی راستوں پر چل پڑے اور وہ لوگ اپنے ان پرانے غلاموں کے پیچھے دوڑتے رہے جنھوں نے اب اس غلامی کی زنجیریں توڑدی تھیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ ان کی زندگی کے آخری لحات ہیں اور ابھی عذاب کا حکم جاری ہونے والا ہے۔

قرآن کہتا ہے: ہم نے موسیٰ اور ان تمام لوگوں کو نجات دی جو ان کے ساتھ تھے۔ [1]

ٹھیک اس وقت جبکہ بنی اسرائیل کا آخری فرد دریا سے نکل رہا تھا اور فرعونی لشکر کا آخری فرد اس میں داخل ہورہا تھا ہم نے پانی کو حکم دیا کہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آ، اچانک موجیں ٹھاٹھیں مارنے لگیں اور فرعون اور اس کے لشکر کو گھاس پھونس اور تنکوں کی طرح بہا کرلے گئیں اور صفحہ ہستی سے ان کا نام ونشان تک مٹادیا۔

قرآن نے ایک مختصری عبارت کے ساتھ یہ ماجرا یوں بیان کیا ہے: ''پھر ہم نے دوسروں کو غرق کردیا۔'' [2]

اے فرعون تیرا بدن لوگوں کے لئے عبرتناک ہوگا

بہرکیف یہ معاملہ چل رہا تھا یہاں تک کہ فرعون غرقاب ہونے لگا اور وہ عظیم دریائے

[1] سورہ شعراء آیت 65

[2] سورہ شعراء آیت 66

نیل کی موجوں میں تنکے کی طرح غوطے کھانے لگا تو اس وقت غرور وتکبر اور جہالت و بے خبری کے پردے اس کی آنکھوں سے ہٹ گئے اور فطری نور توحید چمکنے لگا وہ پکار اٹھا: ''میں ایمان لے آیا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں''۔ [1]

کہنے لگا کہ نہ صرف میں اپنے دل سے ایمان لایا ہوں'' بلکہ عملی طور پر بھی ایسے توانا پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں''۔ [2]

درحقیقت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئیاں یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوئیں اور فرعون اس عظیم پیغمبر کی گفتگو کی صداقت سے آگاہ ہوا اور اس کی قدرت نمائی کا مشاہدہ کیا تو اس نے مجبوراً اظہار ایمان کیا، اسے امید تھی کہ جیسے ''بنی اسرائیل کے خدا'' نے انہیں کوہ پیکر موجوں سے نجات بخشی ہے اسے بھی نجات دے گا، لہٰذا وہ کہنے لگا میں اسی بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا ہوں، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا ایمان جو نزول بلا اور موت کے چنگل میں گرفتار ہونے کے وقت ظاہر کیا جائے، درحقیقت ایک قسم کا اضطراری ایمان ہے، جس کا اظہار سب مجرم اور گناہگار کرتے ہیں، ایسے ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی، اور نہ یہ حسن نیت اور صدق گفتار کی دلیل ہو سکتا ہے۔

اسی بنا پر خداوند عالم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''تو اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی اور طغیان کرنے والوں، مفسدین فی الارض اور تباہ کاروں کی صف میں تھا'' [3]

''لیکن آج ہم تیرے بدن کو موجوں سے بچالیں گے تاکہ تو آنے والوں کے لئے درس عبرت ہو، بر سر اقتدار مستکبرین کے لئے، تمام ظالموں اور مفسدوں کے لئے اور مستضعف

---

[1] سورہ یونس آیت 90

[2] سورہ یونس آیت 90

[3] سورہ یونس آیت 91

گروہوں کے لئے بھی"۔

"بدن" سے مراد یہاں کیا ہے؟

اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے ان میں سے اکثر کا نظریہ ہے کہ اس سے مراد فرعون کا بے جان جسم ہے کیونکہ اس ماحول کے لوگوں کے ذہن میں فرعون کی اس قدر عظمت تھی کہ اگر اس کے بدن کو پانی سے باہر نہ اچھالا جاتا تو بہت سے لوگ یقین ہی نہ کرتے کہ اس کا غرق ہونا بھی ممکن ہے اور ہو سکتا تھا کہ اس ماجرے کے بعد فرعون کی زندگی کے بارے میں افسانے تراش لئے جاتے۔

یہ امر جاذب توجہ ہے کہ لغت میں لفظ "بدن" جیسا کہ راغب نے مفردات میں کہا ہے "جسد عظیم" کے معنی میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے خوشحال لوگوں کی طرح کہ جنکی بڑی زرق برق افسانوی زندگی تھی وہ بڑا سخت اور چاک و چوبند تھا مگر بعض دوسرے افراد نے کہا ہے کہ "بدن" کا ایک معنی "زرہ" بھی ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ خدا نے فرعون کو اس زریں زرہ سمیت پانی سے باہر نکالا کہ جو اس کے بدن پر تھی تاکہ اس کے ذریعے پہچانا جائے اور کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے

اب بھی مصر اور برطانیہ کے عجائب گھروں میں فرعونیوں کے مومیائی بدن موجود ہیں کیا ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم عصر فرعون کا بدن بھی ہے کہ جسے بعد میں حفاظت کے لئے مومیا لیا گیا ہو یا نہیں؟ اس سلسلے میں کوئی صحیح دلیل ہمارے پاس نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کی گذرگاہ

قرآن مجید میں بارہا اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی اسرائیل کو "بحر" عبور کروایا اور چند مقامات پر "یم" کا لفظ بھی آیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہاں پر "یم" "بحر" اور "یم" سے کیا مراد ہے آیا یہ نیل (NILE RIYER) جیسے وسیع و عریض دریا کی طرف اشارہ ہے کہ سرزمین مصر کی تمام آبادی جس سے سیراب ہوتی تھی یا بحیرہ احمر یعنی بحر قلزم (RIDSEA) کی طرف اشارہ ہے۔

موجودہ توریت اور بعض مفسرین کے انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ بحیرہ احمر کی طرف اشارہ ہے لیکن ایسے قرائن موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نیل کا عظیم و وسیع دریا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت سازی کی فرمائش

قرآن میں بنی اسرائیل کی سرگزشت کے ایک اور اہم حصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ واقعہ فرعونیوں پر ان کی فتحیابی کے بعد ہوا، اس واقعہ سے بت پرستی کی جانب ان کی توجہ ظاہر ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے جھگڑے سے نکل چکے تو ایک اور داخلی مصیبت شروع ہوگئی جو بنی اسرائیل کے جاہل، سرکش اور فرعون اور فرعونیوں کے ساتھ جنگ کرنے سے بدرجہا سخت اور سنگین تر تھی اور بر داخلی کشمکش کا یہی حال ہوا کرتا ہے۔قرآن میں فرمایا گیا ہے: "ہم نے بنی اسرائیل کو دریا (نیل) کے اس پار لگا دیا:"

لیکن "انہوں نے راستے میں ایک قوم کو دیکھا جو اپنے بتوں کے گرد خضوع اور انکساری کے ساتھ اکٹھا تھے"۔ [1] امت موسیٰ علیہ السلام کے جاہل افراد یہ منظر دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور "وہ کہنے لگے: اے موسیٰ ہمارے واسطے بھی

[1] سورہ اعراف آیت 138

بالکل ویسا ہی معبود بنادو جیسا معبودان لوگوں کا ہے"۔ [1] حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی اس جاہلانہ اور احمقانہ فرمائش سے بہت ناراض ہوئے، آپ نے ان لوگوں سے کہا: "تم لوگ جاہل و بے خبر قوم ہو"۔ [2]

بنی اسرائیل میں ناشکر گزار افراد کی کثرت تھی، باوجودیکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اتنے معجزے دیکھے، قدرت کے اتنے انعامات ان پر ہوئے، ان کا دشمن فرعون نابود ہوا ابھی کچھ عرصہ بھی نہیں گذرا تھا، وہ غرق کردیا گیا اور وہ سلامتی کے ساتھ دریا کو عبور کر گئے لیکن انہوں نے ان تمام باتوں کو یکسر بھلا دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت سازی کا سوال کر بیٹھے۔

ایک یہودی کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا جواب

نہج البلاغہ میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے مسلمانوں پر اعتراض کیا:

"ابھی تمہارے نبی دفن بھی نہ ہونے پائے تھے کہ تم لوگوں نے اختلاف کردیا"۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

ہم نے ان فرامین واقوال کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو پیغمبر سے ہم تک پہنچے ہیں، پیغمبر یا ان کی نبوت سے متعلق ہم نے کوئی اختلاف نہیں کیا (چہ جائیکہ الوہیت کے متعلق ہم نے کوئی بات کہی ہو) لیکن تم (یہودی) ابھی تمہارے پیر دریا کے پانی سے خشک نہیں ہونے پائے تھے کہ تم نے اپنے نبی (حضرت موسیٰ علیہ السلام) سے یہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے ایک ایسا ہی معبود بنادو جس طرح کہ ان کے متعدد معبود ہیں، اور اس نبی نے تمہارے جواب میں تم سے کہا تھا

---

[1] سورہ اعراف آیت 138

[2] سورہ اعراف آیت 138

کہ تم ایک ایسا گروہ ہو جو جہل کے دریا میں غوطہ زن ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بات کی تکمیل کے لئے بنی اسرائیل سے کہا: ''اس بت پرست گروہ کو جو تم دیکھ رہے ہو ان کا انجام ہلاکت ہے اور ان کا ہر کام باطل و بے بنیاد ہے''۔ [1]

اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے: ''آیا خدائے برحق کے علاوہ تمہارے لئے کوئی دوسرا معبود بنالوں، وہی خدا جس نے اہل جہان (ہمعصر لوگوں) پر تم کو فضیلت دی''۔ [2]

اس کے بعد خداوند کریم اپنی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت کا ذکر فرماتا ہے جو اس نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائی تھی تا کہ اس عظیم نعمت کا تصور کر کے ان میں شکر گزاری کا جذبہ بیدار ہو اور انہیں یہ احساس ہو کہ پرستش اور سجدے کا مستحق صرف خدائے یکتا و یگانہ ہے، اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی کہ جو بت بے نفع . بے ضرر ہیں ان کے سامنے سر تعظیم جھکایا جائے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے تمہیں فرعون کے گروہ کے شر سے نجات دیدی، وہ لوگ تم کو مسلسل عذاب دیتے چلے آرہے تھے''۔ [3]

اس کے بعد اس عذاب وایذارسانی کی تفصیل یوں بیان فرماتا ہے: ''وہ تمہارے بیٹوں کو توقتل کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو (خدمت اور کنیزی کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے''۔ [4]

---

[1] سورہ اعراف آیت 139

[2] سورہ اعراف آیت 140

[3] سورہ اعراف آیت 141

[4] سورہ اعراف آیت 141

بنی اسرائیل سرزمین مقدس کی طرف

قرآن میں اس کے بعد سرزمین مقدس میں بنی اسرائیل کے ورود کے بارے میں یوں بیان کیا گیا ہے: "موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم سرزمین مقدس میں جسے خدا نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے۔ داخل ہو جاؤ، اس سلسلے میں مشکلات سے نہ ڈرو، فداکاری سے منہ نہ موڑو اور اگر تم نے اس حکم سے پیٹھ پھیری تو خسارے میں رہو گے"۔ [1]

ارض مقدسہ سے کیا مراد ہے اس سلسلے میں مفسرین نے بہت کچھ کہا ہے، بعض بیت المقدس کہتے ہیں کچھ اردن یا فلسطین کا نام لیتے ہیں اور بعض سرزمین طور سمجھتے ہیں، لیکن بعید نہیں کہ اس سے مراد منطقہ شامات ہو، جس میں تمام مذکورہ علاقے شامل ہیں۔

کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ یہ سارا علاقہ انبیاء الٰہی کا گہوارہ، عظیم ادیان کے ظہور کی زمین اور طول تاریخ میں توحید، خدا پرستی اور تعلیمات انبیاء کی نشر و اشاعت کا مرکز رہا ہے۔

لہٰذا اسے سرزمین مقدس کہا گیا ہے اگر چہ بعض اوقات خاص بیت المقدس کو بھی ارض مقدس کہا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل نے اس حکم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہی جواب دیا جو ایسے موقع پر کمزور، بزدل اور جاہل لوگ دیا کرتے ہیں۔

ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ تمام کامیابیاں انہیں اتفاقاً اور معجزانہ طور پر ہی حاصل ہو جائیں یعنی لقمہ بھی کوئی اٹھا کر ان کے منہ میں ڈال دے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: "آپ جانتے ہیں کہ اس علاقے میں ایک جابر اور جنگجو گروہ رہتا ہے جب تک وہ اسے خالی کر کے باہر نہ چلا جائے ہم تو اس علاقے میں قدم تک نہیں رکھیں گے اسی صورت میں ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور سرزمین مقدس میں داخل ہوں گے"۔ [2]

بنی اسرائیل کا یہ جواب اچھی طرح نشاندہی کرتا ہے کہ طویل فرعونی استعمار نے ان کی نسلوں پر کیسا اثر چھوڑا تھا لفظ "لن" جو دائمی طور پر دلالت کرتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ

---

[1] سورہ مائدہ آیت 21

[2] سورہ مائدہ آیت 22

لوگ سرزمین مقدس کی آزادی کے لئے مقابلے سے کس قدر خوف زدہ تھے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل سعی وکوشش کرتے، جہاد وقربانی کے جذبے سے کام اور سرزمین مقدس پر قبضہ کر لیتے اگر فرض کریں کہ سنت الٰہی کے برخلاف بغیر کسی اقدام کے ان کے تمام دشمن معجزانہ طور پر نابود ہو جاتے اور بغیر کوئی تکلیف اٹھائے وہ وسیع علاقے کے وارث بن جاتے تو اس کا نظام چلانے اور اس کی حفاظت میں بھی ناکام رہتے بغیر زحمت سے حاصل کی ہوئی چیز کی حفاظت سے انہیں کیا سروکار ہوسکتا تھا نہ وہ اس کے لئے تیار ہوتے اور نہ اہل۔

جیسا کہ تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے آیت میں قوم جبار سے مراد قوم ''عمالقہ'' ہے یہ لوگ سخت جان اور بلند قامت تھے یہاں تک کہ ان کی بلند قامت کے بارے میں بہت مبالغے ہوئے اور افسانے تراشے گئے اس سلسلے میں مضحکہ خیز باتیں گھڑی گئیں جن کے لئے کوئی عملی دلیل نہیں ہے۔ [1]

اس کے بعد قرآن کہتا ہے: ''اس وقت اہل ایمان میں سے دو افراد ایسے تھے جن کے دل میں خوف خدا تھا اور اس بنا پر انہیں عظیم نعمتیں میسر تھیں ان میں استقامت وشجاعت بھی تھی، وہ دور اندیش بھی تھے اور اجتماعی اور فوجی نقطۂ نظر سے بھی بصیرت رکھتے تھے انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دفاعی تجویز کی حمایت کی اور بنی اسرائیل سے کہنے لگے: تم شہر کے دروازے سے داخل ہو جاؤ اور اگر تم داخل ہو گئے تو کامیاب ہو جاؤ گے''۔

لیکن ہر صورت میں تمہیں روح ایمان سے مدد حاصل کرنا چاہئے اور خدا پر بھروسہ کرو تا کہ اس مقصد کو پالو۔ [2]

اس بارے میں کہ یہ دو آدمی کون تھے؟ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ ''یوشع بن نون''

---

[1] خصوصاً ''عوج'' کے بارے میں خرافات سے معمور ایسی کہانیاں تاریخوں میں ملتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے افسانے جن میں سے بعض اسلامی کتب میں بھی آگئے ہیں، دراصل بنی اسرائیل کے گھڑے ہوئے ہیں انہیں عام طور پر ''اسرائیلیات'' کہا جاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ خود موجودہ توریت کے متن میں ایسے افسانے دکھائی دیتے ہیں۔

[2] سورہ مائدہ آیت 23

اور "کالب بن یوفنا" ("یفنہ" بھی لکھتے ہیں) تھے جو بنی اسرائیل کے نقیبوں میں سے تھے۔

جب کامیاب ہو جاؤ تو ہمیں بھی خبر کرنا

بنی اسرائیل نے یہ تجویز قبول نہ کی اور ضعف و کمزوری جوان کی روح پر قبضہ کر چکی تھی، کے باعث انھوں نے صراحت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: "جب تک وہ لوگ اس سرزمین میں ہیں ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے، تم اور تمہارا پروردگار جس نے تم سے کامیابی کا وعدہ کیا ہے، جاؤ اور عمالقہ سے جنگ کرو اور جب کامیاب ہو جاؤ تو ہمیں بتا دینا ہم یہیں بیٹھے ہیں"۔ [1]

بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر کے ساتھ جسارت کی انتہا کر دی تھی، کیونکہ پہلے تو انھوں نے لفظ "لن" اور "ابداً" استعمال کر کے اپنی صریح مخالفت کا اظہار کیا اور پھر یہ کہا کہ تم اور تمہارا پروردگار جاؤ اور جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے وعدوں کی تحقیر کی یہاں تک کہ خدا کے ان دو بندوں کی تجویز کی بھی پرواہ نہیں کی اور شاید انہیں تو کوئی مختصر سا جواب تک نہیں دیا۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ موجودہ توریت سفر اعداد باب 14 میں بھی اس داستان کے بعض اہم حصے موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں سے بالکل مایوس ہو گئے اور انھوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور ان سے علیحدگی کے لئے یوں تقاضا کیا: "پروردگار میرا تو صرف اپنے آپ پر اور اپنے بھائی پر بس چلتا ہے: خدایا ہمارے اور اس فاسق و سرکش گروہ میں جدائی ڈال دے"۔ [2]

---

[1] سورہ مائدہ آیت 24

[2] سورہ مائدہ آیت 25

بنی اسرائیل بیابان میں سرگرداں

آخر کار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور بنی اسرائیل اپنے ان برے اعمال کے انجام سے دوچار ہوئے خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی: "یہ لوگ اس مقدس سرزمین سے چالیس سال تک محروم رہیں گے جو طرح طرح کی مادی اور روحانی نعمات سے مالا مال ہے"۔ [1]

علاوہ ازیں ان چالیس سالوں میں انہیں اس بیابان میں سرگرداں رہنا ہوگا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا ہے: "اس قوم کے سر پر جو کچھ بھی آئے وہ صحیح ہے، ان کے اس انجام پر کبھی غمگین نہ ہونا"۔ [2]

آخری جملہ شاید اس لئے ہو کہ جب بنی اسرائیل کے لئے یہ فرمان صادر ہوا کہ وہ چالیس سال تک سزا کے طور پر بیابان میں سرگرداں رہیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں جذبہ مہربانی پیدا ہوا ہو اور شاید انھوں نے درگاہ خداوندی میں ان کے لئے عفوو درگذر کی درخواست بھی کی ہو جیسا کہ موجودہ توریت میں بھی ہے۔

لیکن انہیں فوراً جواب دیا گیا کہ وہ اس سزا کے مستحق ہیں نہ کہ عفوو درگذر کے، کیونکہ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ وہ فاسق اور سرکش لوگ تھے اور جو ایسے ہوں ان کے لئے یہ انجام حتمی ہے۔

توجہ رہے کہ ان کے لئے چالیس سال کی یہ محرومیت انتقامی جذبے سے نہ تھی (جیسا کہ خدا کی طرف سے کوئی سزا بھی ایسی نہیں ہوتی بلکہ وہ یا اصلاح کے لئے ہوتی ہے اور یا عمل کا

---

[1] سورہ مائدہ آیت 26

[2] سورہ مائدہ آیت 26

نتیجہ) درحقیقت اس کا ایک فلسفہ تھا اور وہ یہ کہ بنی اسرائیل ایک طویل عرصے تک فرعونی استعمار کی ضربیں جھیل چکے تھے، اس عرصے میں حقارت آمیز رسومات، اپنے مقام کی عدم شناخت اور احساسات ذلت کا شکار ہو چکے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم رہبر کی سرپرستی میں اس تھوڑے سے عرصے میں اپنی روح کو ان خامیوں سے پاک نہیں کر سکے تھے اور وہ ایک ہی جست میں افتخار، قدرت اور سربلندی کی نئی زندگی کے لئے تیار نہیں ہو پائے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مقدس سرزمین کے حصول کے لئے جہاد آزادی کا جو حکم دیا تھا اس پر عمل نہ کرنے کے لئے انھوں نے جو کچھ کہا وہ اس حقیقت کی واضح دلیل ہے لہٰذا ضروری تھا کہ وہ ایک طویل مدت وسیع بیابانوں میں سرگرداں رہیں اور اس طرح ان کی ناتواں اور غلامانہ ذہنیت کی حامل موجودہ کمزور نسل آہستہ آہستہ ختم ہو جائے اور نئی نسل حریت و آزادی کے ماحول میں اور خدائی تعلیمات کی آغوش میں پروان چڑھے تاکہ وہ اس قسم کے جہاد کے لئے اقدام کر سکے اور اس طرح سے اس سرزمین پر حق کی حکمرانی قائم ہو سکے۔

بنی اسرائیل کا ایک گروہ پشیمان ہوا

بنی اسرائیل کا ایک گروہ اپنے کئے پر سخت پشیمان ہوا۔ انہوں نے بارگاہ خدا کا رخ کیا۔ خدا نے دوسری مرتبہ بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں سے نوازا جن میں سے بعض کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے۔

"ہم نے تمہارے سر پر بادل سے سایہ کیا"۔ [1] سرخط وہ مسافر جو صبح سے غروب تک سورج کی گرمی میں بیابان میں چلتا ہے وہ ایک لطیف سائے سے کیسی راحت پائے گا (وہ سایہ جو بادل کا ہو جس سے انسان کے لئے نہ تو فضا محدود ہوتی ہو اور نہ جو ہوا چلنے سے مانع ہو)۔

---

[1] سورہ بقرہ آیت 57

یہ صحیح ہے کہ بادل کے سایہ فگن ٹکڑوں کا احتمال ہمیشہ بیابان میں ہوتا ہے لیکن قرآن واضح طور پر کہہ رہا ہے کہ بنی اسرئیل کے ساتھ ایسا عام حالات کی طرح نہ تھا بلکہ وہ لطف خدا سے اکثر اس عظیم نعمت سے بہرہ ور ہوتے تھے۔

دوسری طرف اس خشک اور جلا دینے والے بیابان میں چالیس سال کی طویل مدت سرگرداں رہنے والوں کے لئے غذا کی کافی ووافی ضرورت تھی، اس مشکل کو بھی خداوند عالم نے ان کے لئے حل کردیا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ہم نے "من وسلوی" جو لذیذ اور طاقت بخش غذا ہے تم پر نازل کیا۔

ان پاکیزہ غذاؤں سے جو تمہیں روزی کے طور پر دی گئی ہیں کھاؤ (اور حکم خدا کی نافرمانی نہ کرو اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرو۔)

لیکن وہ پھر بھی شکر گزاری کے دروازے میں داخل نہیں ہوئے (تاہم) "انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ تو اپنے اوپر ہی ظلم کیا ہے"۔ [1]

من وسلویٰ کیا ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ایک روایت کے مطابق، آپ نے فرمایا:

"کھمبی کی قسم کی ایک چیز تھی جو اس زمین میں اُگتی تھی"۔ پس معلوم ہوا کہ "من" ایک "قارچ" تھی جو اس علاقہ میں پیدا ہوتی تھی۔ [2]

ایک احتمال اور بھی ہے کہ بنی اسرائیل کی سرگردانی کے زمانے میں خدا کے لطف وکرم

[1] سورہ بقرہ آیت 57

[2] توریت میں ہے کہ "من" دھنیے کے دانوں جیسی کوئی چیز ہے جو رات کو اس سرزمین پر آگرتی تھی، بنی اسرائیل اسے اکٹھا کر کے پیس لیتے اور اس سے روٹی پکاتے تھے جس کا ذائقہ روغنی روٹی جیسا ہوتا تھا۔

سے جو نفع بخش بارشیں برستی تھیں ان کے نتیجے میں درختوں سے کوئی خاص قسم کی گوند اور شیرہ نکلتا تھا اور بنی اسرائیل اس سے مستفید ہوتے تھے۔

بعض نے کہا ہے کہ "من" سے مراد وہ تمام نعمتیں جو خدا نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائی تھیں اور "سلوٰی" وہ تمام عطیات ہیں جو ان کی راحت و آرام اور اطمینان کا سبب تھے۔

"سلوٰی" اگرچہ بعض مفسرین نے اسے شہد کے ہم معنی لیا ہے لیکن دوسرے تقریباً سب مفسرین نے اسے پرندے کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ یہ پرندہ اطراف اور مختلف علاقوں سے کثرت سے اس علاقے میں آتا تھا اور بنی اسرائیل اس کے گوشت سے استفادہ کرتے تھے۔ عہدین پر لکھی گئی تفسیر میں بھی اس نظریہ کی تائید دکھائی دیتی ہے۔ [1]

البتہ بنی اسرائیل کی سرگردانی کے دنوں میں ان پر خدا کا یہ خاص لطف و کرم تھا کہ یہ پرندہ وہاں کثرت سے ہوتا تھا تاکہ وہ اس سے استفادہ کر سکیں۔ ورنہ تو عام حالات میں اس طرح کی نعمت کا وجود مشکل تھا۔

بعض دیگر حضرات کے نزدیک "من" ایک قسم کا طبیعی شہد ہے اور بنی اسرائیل اس بیابان میں طویل مدت تک چلتے پھرتے رہنے سے شہد کے مخزنوں تک پہنچ جاتے تھے کیونکہ "بیابان تیہ" کے کناروں پر پہاڑ اور سنگلاخ علاقہ تھا جس میں کافی طبیعی شہد نظر آ جاتا تھا۔

عہدین (توریت اور انجیل) پر لکھی گئی تفسیر سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے جس میں ہے کہ مقدس سرزمین قسم قسم کے پھولوں اور شگوفوں کی وجہ سے مشہور ہے اسی لئے شہد کی مکھیوں

---

[1] اس میں لکھا ہے معلوم ہونا چاہیے کہ بہت بڑی تعداد میں سلوٰی افریقہ سے چل کے شمال کو جاتے ہیں۔ "جزیرہ کاپری" میں ایک فصل میں 16 ہزار کی تعداد میں ان کا شکار کیا گیا۔ یہ پرندہ بحیرہ قلزم کے راستے سے آتا ہے۔ خلیج عقبہ اور سویز کو عبور کرتا ہے۔ ہفتے کو جزیرہ سینا میں داخل ہوتا ہے اور راستے میں اس قدر تکان و تکلیف جھیلنے کی وجہ سے آسانی سے ہاتھ سے پکڑا جا سکتا ہے اور جب پرواز کرتا ہے تو زمین کے قریب ہوتا ہے۔ اس حصے کے متعلق (توریت کے) سفر خروج اور سفر اعداد میں گفتگو ہوئی ہے۔

کے جتھے ہمیشہ پتھروں کے سوراخوں، درختوں کی شاخوں اور لوگوں کے گھروں پر جا بیٹھتے ہیں اس طرح سے بہت فقیر و مسکین لوگ بھی شہد کھا سکتے تھے۔

اس تحریر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ سلویٰ سے مراد وہی پر گوشت پرندہ ہے جو کبوتر کے مشابہ اور اس کے ہم وزن ہوتا ہے اور یہ پرندہ اس سرزمین میں مشہور ہے۔

بیابانوں میں چشمہ ابلنا

بنی اسرائیل پر کی گئی ایک اور نعمت کی نشاندہی کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے: ''یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ علیہ السلام نے (اس خشک اور جلانے والے بیابان میں جس وقت بنی اسرائیل پانی کی وجہ سے سخت تنگی میں مبتلا تھے) پانی کی درخواست کی''۔ [1] تو خدا نے اس درخواست کو قبول کیا جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ہم نے اسے حکم دیا کہ اپنا عصا مخصوص پتھر پر مارو اس سے اچانک پانی نکلنے لگا اور پانی کے بارہ چشمے زور و شور سے جاری ہو گئے۔ [2] بنی اسرائیل کے قبائل کی تعداد کے عین مطابق جب یہ چشمے جاری ہوئے تو ایک چشمہ ایک قبیلے کی طرف جھک جاتا تھا جس پر بنی اسرائیل کے لوگوں ''اور قبیلوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے چشمے کو پہچان لیا''۔ [3]

یہ پتھر کس قسم کا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کس طرح اس پر عصا مارتے تھے اور پانی اس میں سے کیسے جاری ہو جاتا تھا۔ اس سلسلے میں بہت کچھ گفتگو کی گئی ہے۔ قرآن جو کچھ اس بارے میں کہتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس پر عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

---

[1] سورہ بقرہ آیت 60

[2] سورہ بقرہ آیت 60

[3] سورہ بقرہ آیت 60

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ پتھر ایک کوہستانی علاقے کے ایک حصے میں واقع تھا جو اس بیابان کی طرف جھکا ہوا تھا۔ سورہ اعراف آیہ 160 کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ابتداء میں اس پتھر سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلا، بعد میں زیادہ ہوگیا، یہاں تک کہ بنی اسرائیل کا ہر قبیلہ ان کے جانور جو ان کے ساتھ تھے اور وہ کھیتی جو انہوں نے احتمالاً اس بیابان کے ایک حصے میں تیار کی تھی سب اس سے سیراب ہو گئے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کوہستانی علاقے میں پتھر کے ایک حصے سے پانی جاری ہوا البتہ یہ مسلم ہے کہ یہ سب معجزے سے رونما ہوا۔ [1]

''خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: قوم کے آگے آگے رہو اور اسرائیل کے بعض بزرگوں کو ساتھ لے لو اور وہ عصا جسے نہر پر مارا تھا ہاتھ میں لے کر روانہ ہو جاؤ۔ میں وہاں تمہارے سامنے کوہ حوریب پر کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور اسے پتھر پر مارو، اس سے پانی جاری ہو جائے گا، تا کہ قوم پی لے اور موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیل کے مشائخ اور بزرگوں کے سامنے ایسا ہی کیا''۔

بہر حال ایک طرف خداوند عالم نے ان پر من وسلویٰ نازل کیا اور دوسری طرف انہیں فراوان پانی عطا کیا اور ان سے فرمایا: ''خدا کی دی ہوئی روزی سے کھاؤ پیو لیکن زمین میں خرابی اور فساد نہ کرو''۔ [2]

گویا انہیں متوجہ کیا گیا ہے کہ کم از کم ان عظیم نعمتوں کی شکر گزاری کے طور پر ضدی پن، ہٹ دھرمی، انبیاء کی ایذا رسانی اور بہانہ بازی ترک کر دو۔

مختلف کھانوں کی تمنا

ان نعمات فراوان کی تفصیل کے بعد جن سے خدا نے بنی اسرائیل کو نوازا تھا۔ قرآن

---

[1] توریت کی سترھویں فصل میں سفر خروج کے ذیل میں بھی یوں لکھا ہے۔

[2] سورہ بقرہ آیت 60

میں ان عظیم نعمتوں پر ان کے کفران اور ناشکر گزاری کی حالت کو منعکس کیا گیا ہے۔ اس میں اس بات کی نشاندہی ہے کہ وہ کس قسم کے ہٹ دھرم لوگ تھے۔ شاید تاریخ دنیا میں ایسی کوئی مثال نہ ملے گی کہ کچھ لوگوں پر اس طرح سے الطاف الٰہی ہو لیکن انہوں نے اس طرح سے اس کے مقابلے میں ناشکری اور نافرمانی کی ہو۔

پہلے فرمایا گیا ہے:

''یاد کرو اس وقت کو جب تم نے کہا: اے موسیٰ ہم سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی غذا پر قناعت کرلیں، (من و سلویٰ کتنی ہی لذیذ غذا ہو، ہم مختلف قسم کی غذا چاہتے ہیں''۔ [1]

''لہٰذا خدا سے خواہش کرو کہ وہ زمین سے جو کچھ اگایا کرتا ہے ہمارے لئے بھی اگائے سبزیوں میں سے، ککڑی، لہسن، مسور اور پیاز''۔ [2]

لیکن موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: کیا تم بہتر کے بجائے پست تر غذا پسند کرتے ہو۔ [3]

''جب معاملہ ایسا ہی ہے تو پھر اس بیابان سے نکلو اور کسی شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرو کیونکہ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ وہاں ہے''۔ [4]

یعنی تم لوگ اس وقت اس بیابان میں خود سازی اور امتحان کی منزل میں ہو، یہاں مختلف کھانے نہیں مل سکتے، جاؤ شہر میں جاؤ تا کہ یہ چیزیں تمہیں مل جائیں، لیکن یہ خود سازی کا پروگرام وہاں نہیں ہے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے کہ خدا نے ان کی پیشانی پر ذلت و فقر کی مہر لگا دی اور وہ دوبارہ غضب الٰہی میں گرفتار ہو گئے۔

[1] سورہ بقرہ آیت 61

[2] سورہ بقرہ آیت 61

[3] سورہ بقرہ آیت 61

[4] سورہ بقرہ آیت 61

یہ اس لئے ہوا کہ وہ آیات الہی کا انکار کرتے تھے اور ناحق انبیاء کو قتل کرتے تھے۔ یہ سب اس لئے تھا کہ وہ گناہ، سرکشی اور تجاوز کے مرتکب ہوتے تھے۔ [1]

عظیم وعدہ گاہ

قرآن میں بنی اسرائیل کی زندگی کا ایک اور منظر بیان کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم سے جھگڑنا پڑا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا کے مقام وعدہ پر جانا، وحی کے ذریعے احکام توریت لینا، خدا سے باتیں کرنا، کچھ بزرگان بنی اسرائیل کو میعادگاہ میں ان واقعات کے مشاہدہ کے لئے لانا، اس بات کا اظہار ہے کہ خدا کو ان آنکھوں سے ہرگز نہیں دیکھا جاسکتا۔

پہلے فرمایا گیا ہے: ''ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں (پورے ایک مہینہ) کا وعدہ کیا، اس کے بعد مزید دس راتیں بڑھا کر اس وعدہ کی تکمیل کی، چنانچہ موسیٰ سے خدا کا وعدہ چالیس راتوں میں پورا ہوا''۔ [2]

اس کے بعد اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم میں تم میرے جانشین بن جاؤ اور ان کی اصلاح کی کوشش کرو اور کبھی مفسدوں کی پیروی نہ کرنا''۔ [3]

مفسرین کے درمیان اس تفریق کے بارے میں بحث ہے، لیکن جو بات بیشتر قرین قیاس ہے،

---

[1] سورہ بقرہ آیت 61

[2] سورہ اعراف آیت 142

[3] سورہ اعراف آیت 143

دیدار پروردگار کی خواہش

قرآن میں بنی اسرائیل کی زندگی کے بعض دیگر مناظر پیش کئے گئے ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے اصرار کے ساتھ یہ خواہش کی کہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔ اگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

اہل بیت علیہم السلام کے بھی موافق ہے وہ یہ ہے کہ یہ میعاد اگرچہ واقع میں چالیس راتوں کا تھا لیکن خدا نے بنی اسرائیل کی آزمائش کرنے کے لئے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کی دعوت دی پھر اس کے بعد اس کی تجدید کردی تا کہ منافقین مومنین سے الگ ہو جائیں۔اس سلسلے میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام وعدہ گاہ الٰہی کی طرف گئے تو انہوں نے بنی اسرائیل سے یہ کہہ رکھا تھا کہ ان کی غیبت تیس روز سے زیادہ طولانی نہ ہوگی لیکن جب خدا نے اس پر دس دنوں کا اضافہ کر دیا تو بنی اسرائیل نے کہا: موسیٰ علیہ السلام نے اپنا وعدہ توڑ دیا اس کے نتیجہ میں انہوں نے وہ کام کئے جو ہم جانتے ہیں (یعنی گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے)۔

رہا یہ سوال کہ یہ چالیس روز یا چالیس راتیں، اسلامی مہینوں میں سے کونسا زمانہ تھا؟ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدت ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے لے کر ذی الحجہ کی دس تاریخ تک تھی۔قرآن میں چالیس راتوں کا ذکر ہے نہ کہ چالیس دنوں کا۔تو شاید اس وجہ سے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب سے جو مناجاتیں تھیں وہ زیادہ تر رات ہی کے وقت ہوا کرتی تھیں۔

اس کے بعد ایک اور سوال سامنے آتا ہے، وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس طرح اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ قوم کی اصلاح کی کوشش کرنا اور مفسدوں کی پیروی نہ کرنا، جبکہ حضرت ہارون علیہ السلام ایک نبی برحق اور معصوم تھے وہ بھلا مفسدوں کی پیروی کیوں

کرنے لگے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ در حقیقت اس بات کی تاکید کے لئے تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم میں اپنے مقام کی اہمیت کا احساس رہے اور شاید اس طرح بے خود بنی اسرائیل کو بھی اس بات کا احساس دلانا چاہتے تھے کہ وہ ان کی غیبت میں حضرت ہارون علیہ السلام کی رہنمائی کا اچھی طرح اثر لیں اور ان کا کہنا مانیں اور ان کے اوامر ونواہی (احکامات) کو اپنے لئے سخت نہ سمجھیں، اس سے اپنی تحقیر خیال نہ کریں اور انکے سامنے اس طرح مطیع وفرمانبردار رہیں جس طرح وہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمانبردار تھے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور انہیں اپنے ہمراہ پروردگار کی میعادگاہ کی طرف لے گئے، وہاں پہنچ کر ان لوگوں کی درخواست کو خدا کی بارگاہ میں پیش کیا۔ خدا کی طرف سے اس کا ایسا جواب ملا جس سے بنی اسرائیل کے لئے یہ بات اچھی طرح سے واضح ہوگئی۔

ارشاد ہوتا ہے: "جس وقت موسیٰ ہماری میعادگاہ میں آئے اور ان کے پروردگار نے ان سے باتیں کیں تو انہوں نے کہا: اے پروردگار خود کو مجھے دکھلا دے تاکہ میں تجھے دیکھ لوں"۔ [1]

لیکن موسیٰ علیہ السلام نے فوراً خدا کی طرف سے یہ جواب سنا: تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔
لیکن پہاڑ کی جانب نظر کرو اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تب مجھے دیکھ سکو گے۔
جس وقت خدا نے پہاڑ پر جلوہ کیا تو اسے فنا کر دیا اور اسے زمین کے برابر کر دیا۔
موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ہولناک منظر دیکھا تو ایسا اضطراب لاحق ہوا کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اور جب ہوش میں آئے تو خدا کی بارگاہ میں عرض کی پروردگارا تو منزہ ہے، میں تیری طرف پلٹتا ہوں، اور توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ہوں مومنین میں سے۔ [2]

---

[1] سورہ اعراف آیت 143

[2] سورہ اعراف آیت 143

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رویت کی خواہش کیوں کی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ذات خداوندی قابل دید نہیں ہے کیونکہ نہ تو وہ جسم ہے، نہ اس کے لئے کوئی مکان و جہت ہے اس کے باوجود انہوں نے ایسی خواہش کیسے کر دی جو فی الحقیقت ایک عام انسان کی شان کے لئے بھی مناسب نہیں ہے؟

سب سے واضح جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ خواہش دراصل اپنی قوم کی طرف سے کی تھی کیونکہ بنی اسرائیل کے جہلاء کے ایک گروہ کا یہ اصرار تھا کہ وہ خدا کو کھلم کھلا دیکھیں گے تب ایمان لائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی جانب سے یہ حکم ملا کہ وہ اس درخواست کو خدا کی بارگاہ میں پیش کریں تاکہ سب اس کا جواب سن لیں، کتاب عیون اخبار الرضا میں امام رضا علیہ السلام سے جو حدیث مروی ہے وہ بھی اس مطلب کی تائید کرتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس چیز سے توبہ کی؟

اس بارے میں جو سوال سامنے آتا ہے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو انہوں نے کیوں کہا: ''میں توبہ کرتا ہوں''

حالانکہ انہوں نے کوئی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ کیونکہ اگر انہوں نے یہ درخواست اپنی امت کی طرف سے کی تھی تو اس میں ان کا کیا قصور تھا، اللہ کی اجازت سے انہوں نے یہ درخواست خدا کے سامنے پیش کی اور اگر اپنے لئے شہود باطنی کی تمنا کی تھی تو یہ بھی خدا کے حکم کی مخالفت نہ تھی، لہٰذا توبہ کس بات کی تھی؟ دو طرح سے اس سوال کا جواب دیا جا سکتا ہے:

اول: یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی نمائندگی کے طور پر خدا سے یہ سوال کیا تھا، اس کے بعد جب خدا کی طرف سے سخت جواب ملا جس میں اس سوال کی غلطی کو بتلایا گیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توبہ بھی انہیں کی طرف سے کی تھی۔

دوم: یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اگر چہ یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی درخواست کو پیش کریں لیکن جس وقت پروردگار کی تجلی کا واقعہ رونما ہوا اور حقیقت آشکار ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ ماموریت ختم ہو چکی تھی اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چاہئے یہ پہلی حالت (یعنی قبل از ماموریت) کی طرف پلٹ جائیں اور اپنے ایمان کا اظہار کریں تا کہ کسی کے لئے جائے شبہ باقی نہ رہے لہٰذا اس حالت کا اظہار موسیٰ علیہ السلام نے اپنی توبہ اور اس جملہ -انی تبت الیک وانا اول المومنین- سے کیا۔

الواح توریت

آخر کار اس عظیم میعادگاہ میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنی شریعت کے قوانین نازل فرمائے۔ پہلے ان سے فرمایا: "اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں پر منتخب کیا ہے، اور تم کو اپنی رسالتیں دی ہیں، اور تم کو اپنے ساتھ گفتگو کا شرف عطا کیا ہے"۔ [1]

اب جبکہ ایسا ہے تو "جو میں نے تم کو حکم دیا ہے اسے لے لو اور ہمارے اس عطیہ پر شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ"۔ [2]

اس کے بعد اضافہ کیا گیا ہے کہ ہم نے جو الواح موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھیں ان پر ہر موضوع کے بارے میں کافی نصیحتیں تھیں اور ضرورت کے مسائل کی شرح اور بیان تھا۔

---

[1] سورہ اعراف آیت 144

[2] سورہ اعراف آیت 144

اس کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ "بڑی توجہ اور قوت ارادی کے ساتھ ان فرامین کو اختیار کرو۔" [1] اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ ان میں جو بہترین ہیں انہیں اختیار کریں۔ اور انہیں خبردار کردو کہ ان فرامین کی مخالفت اور ان کی اطاعت سے فرار کرنے کا نتیجہ دردناک ہے اور اس کا انجام دوزخ ہے اور "میں جلد ہی فاسقوں کی جگہ تمہیں دکھلادوں گا۔" [2]

یہاں پر دو چیزوں کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے:

1۔ الواح کس چیز کی بنی ہوئی تھیں

اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ خداوند کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو الواح نازل کی تھیں ان میں توریت کی شریعت اور قوانین لکھے ہوئے تھے، ایسا نہ تھا کہ یہ لوحیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھیں اور اس میں فرامین منعکس ہو گئے تھے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ لوحیں کیسی تھیں؟ کس چیز کی بنی ہوئی تھیں؟ قرآن نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے صرف کلمہ "الواح" سربستہ طور پر آیا ہے۔ جو دراصل "لاح یلوح" کے مادہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ظاہر ہونے اور چمکنے کے ہیں۔ چونکہ صفحہ کے ایک طرف لکھنے سے حروف نمایاں ہوجاتے ہیں اور مطلب آشکار ہوجاتے ہیں، اس لئے صفحہ کو جس پر کچھ لکھا جائے "لوح" کہتے ہیں۔ لیکن روایات و اقوال مفسرین میں ان الواح کی کیفیت کے بارے میں اور ان کی جنس کے بارے میں گوناگوں احتمالات ذکر کئے گئے ہیں۔ چونکہ ان میں سے کوئی بھی یقینی نہیں ہے اس لئے ان کے ذکر سے ہم اعراض کرتے ہیں۔

---

[1] سورہ اعراف آیت 145

[2] سورہ اعراف آیت 145

میں یہ انحرافی تبدیلیاں صرف گنتی کے چند دنوں کے اندر واقع ہو گئیں جب موسیٰ علیہ السلام کو میعادگاہ کی طرف گئے ہوئے 35 دن گزر گئے تو سامری نے اپنا کام شروع کر دیا اور بنی اسرائیل سے مطالبہ کیا کہ وہ تمام زیورات جو انہوں نے فرعونیوں سے عاریتاً لئے تھے اور ان کے غرق ہو جانے کے بعد وہ انہیں کے پاس رہ گئے تھے انہیں جمع کریں چھتیسویں، سینتیسویں اور اڑتیسویں دن انہیں ایک کٹھائی میں ڈالا اور پگھلا کر اس سے گوسالہ کا مجسمہ بنا دیا اور انتالیسویں دن انہیں اس کی پرستش کی دعوت دی اور ایک بہت بڑی تعداد (کچھ روایات کی بناء پر چھ لاکھ افراد) نے اسے قبول کر لیا اور ایک روز بعد یعنی چالیس روز گزرنے پر موسیٰ علیہ السلام واپس آ گئے۔

قرآن اس طرح فرماتا ہے: "قوم موسیٰ نے موسیٰ کے میقات کی طرف جانے کے بعد اپنے زیورات و آلات سے ایک گوسالہ بنایا جو ایک بے جان جسد تھا جس میں سے گائے کی آواز آتی تھی"۔ [1]

"اسے انہوں نے اپنے واسطے انتخاب کیا"

اگرچہ یہ عمل سامری سے سرزد ہوا تھا۔ [2]

لیکن اس کی نسبت قوم موسیٰ کی طرف دی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس کام میں سامری کی مدد کی تھی اور وہ اس کے شریک جرم تھے اس کے علاوہ ان لوگوں کی بڑی تعداد اس کے فعل پر راضی تھی۔

قرآنی گفتگو کا ظاہر یہ ہے کہ تمام قوم موسیٰ اس گوسالہ پرستی میں شریک تھی لیکن اگر دوسری آیت پر نظر کی جائے جس میں آیا ہے کہ:

"قوم موسیٰ میں ایک امت تھی جو لوگوں کو حق کی ہدایت کرتی تھی اور اسی کی طرف

---

[1] سورہ اعراف آیت 148

[2] جیسا کہ سورہ طٰہٰ کی آیات میں آیا ہے

متوجہ تھی"۔ [1]

اس سے معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد تمام امت موسیٰ نہیں ہے بلکہ اس کی اکثریت اس گوسالہ پرستی کی تابع ہو گئی تھی، جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے کہ وہ اکثریت اتنی زیادہ تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام مع اپنے ساتھیوں کے ان کے مقابلے میں ضعیف و ناتواں ہو گئے تھے

گوسالہ پرستوں کے خلاف شدید ردعمل

یہاں پر قرآن میں اس کشمکش اور نزاع کا ماجرا بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور گوسالہ پرستوں کے درمیان واقع ہوئی جب وہ میعادگاہ سے واپس ہوئے جس کی طرف گذشتہ میں صرف اشارہ کیا گیا تھا یہاں پر تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ردعمل کو بیان کیا گیا ہے جو اس گروہ کے بیدار کرنے کے لئے ان سے ظاہر ہوا۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: "جس وقت موسیٰ غضبناک و رنجیدہ اپنی قوم کی طرف پلٹے اور گوسالہ پرستی کا نفرت انگیز منظر دیکھا تو ان سے کہا کہ تم لوگ میرے بعد برے جانشین نکلے تم نے میرا آئین ضائع کر دیا"۔ [2]

یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میعادگاہ پروردگار سے پلٹتے وقت قبل اس کے کہ بنی اسرائیل سے ملتے، غضبناک اور اندوہگین تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا نے میعادگاہ میں انہیں اس کی خبر دے دی تھی۔

جیسا کہ قرآن کہتا ہے: میں نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کی آزمائش کی لیکن وہ اس آزمائش میں پوری نہ اتری اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا۔

---

[1] سورہ اعراف آیت 159

[2] سورہ اعراف آیت 150

2۔خدا کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا کس طرح تھا

قرآن کریم کی مختلف آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ خداوند متعال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، خدا کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا اس طرح تھا کہ اس نے صوتی امواج کو فضا میں یا کسی جسم میں پیدا کر دیا تھا۔ کبھی یہ امواج صوتی ''شجرہ وادی ایمن'' سے ظاہر ہوتی تھیں اور کبھی ''کوہ طور'' سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کان میں پہنچتی تھیں۔ جن لوگوں نے صرف الفاظ پر نظر کی ہے اور اس پر غور نہیں کیا کہ یہ الفاظ کہاں سے نکل سکتے ہیں انہوں نے یہ خیال کیا کہ خدا کا کلام کرنا اس کے تجسم کی دلیل ہے۔ حالانکہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔

یہودیوں میں گوسالہ پرستی کا آغاز

قرآن میں افسوس ناک اور تعجب خیز واقعات میں سے ایک واقعہ کا ذکر ہوا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے میقات کی طرف جانے کے بعد بنی اسرائیل میں رونما ہوا۔ وہ واقعہ ان لوگوں کی گوسالہ پرستی ہے۔ جو ایک شخص بنام ''سامری'' نے زیور و آلات بنی اسرائیل کے ذریعے شروع کیا۔

سامری کو چونکہ اس بات کا احساس تھا کہ قوم موسیٰ علیہ السلام عرصہ دراز محرومی اور مظلومی کی زندگی بسر کر رہی تھی: اس وجہ سے اس میں مادہ پرستی پائی جاتی تھی اور حب زر کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ جیسا کہ آج بھی ان کی یہی صفت ہے لہٰذا اس نے یہ چالاکی کی کہ وہ مجسمہ سونے کا بنایا کہ اس طرح ان کی توجہ زیادہ سے زیادہ اس کی طرف مبذول کرا سکے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس محروم و فقیر ملت کے پاس اس روز اتنی مقدار میں زر و زیور کہاں سے آگیا کہ اس سے یہ مجسمہ تیار ہو گیا؟ اس کا جواب روایات میں اس طرح ملتا ہے کہ بنی

اسرائیل کی عورتوں نے ایک تہوار کے موقع پر فرعونیوں سے زیورات مستعار لئے تھے یہ اسوقت کی بات ہے جس کے بعدان کی غرقابی عمل میں آئی تھی۔ اس کے بعد وہ زیورات ان عورتوں کے پاس باقی رہ گئے تھے۔

اتنا ضرور ہے کہ یہ حادثہ مثل دیگراجتماعی حوادث کے بغیر کسی آمادگی اور مقدمہ کے وقوع پذیر نہیں ہوا بلکہ اس میں متعدداسباب کارفرما تھے، جن میں سے بعض یہ ہیں:

بنی اسرائیل عرصہ دراز سے اہل مصر کی بت پرستی دیکھتے آرہے تھے۔

جب دریائے نیل کو عبور کیا تو انہوں نے ایک قوم کو دیکھا جو بت کی پرستش کرتی تھی۔ جیسا کہ قرآن نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور گذشتہ میں بھی اس کا ذکر گزرا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی طرح کا بت بنانے کی فرمائش کی جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سخت سرزنش کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے میقات کا پہلے تیس راتوں کا ہونا اس کے بعد چالیس راتوں کا ہوجانا اس سے بعض منافقوں کو یہ موقع ملا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کی افواہ پھیلا دیں۔

قوم موسیٰ علیہ السلام میں بہت سے افراد کا جہل ونادانی سے متصف ہونا اس کے مقابلے میں سامری کی مکاری ومہارت کیونکہ اس نے بڑی ہوشیاری سے بت پرستی کے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا، بہرحال ان تمام باتوں نے اکٹھا ہوکر اس بات کے اسباب پیدا کئے کہ بنی اسرائیل کی اکثریت بت پرستی کو قبول کرے اور "گوسالہ" کے چاروں طرف اس کے ماننے والے ہنگامہ برپا کردیں۔

دودن میں چھ لاکھ گوسالہ پرست بن گئے

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل

امر تھا۔

اے میری ماں کے بیٹے میں بے گناہ ہوں

اس شدید ردعمل اور غیظ وغضب کے اظہار نے بنی اسرائیل پر بہت زیادہ تربیتی اثر مرتب کیا اور منظر کو بالکل پلٹ دیا جبکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نرم زبان استعمال کرتے تو شاید اس کا تھوڑا سا اثر بھی مرتب نہ ہوتا۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے: ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی محبت کو برانگیختہ کرنے کے لئے اور اپنی بے گناہی بیان کرنے کے لئے کہا:

"اے میرے ماں جائے: اس نادان امت کے باعث ہم اس قدر قلیل ہو گئے کہ نزدیک تھا کہ مجھے قتل کر دیں لہٰذا میں بالکل بے گناہ ہوں لہٰذا آپ کوئی ایسا کام نہ کریں کہ دشمن ہنسی اڑائیں اور مجھے اس ستم گر امت کی صف میں قرار نہ دیں"۔ [1]

قرآن میں جو "ابن ام" کی تعبیر آئی ہے جس کے معنی (اے میری ماں کے بیٹے، کے ہیں) حالانکہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں ایک والدین کی اولاد تھے یہ اس لئے تھا کہ حضرت ہارون چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جذبہ محبت بیدار کریں بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تدبیر کارآمد ہوئی اور بنی اسرائیل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے توبہ کی خواہش کا اظہار کیا۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آتش غضب کم ہوئی اور وہ درگاہ خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی:

"پروردگارا مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت بے پایاں میں

---

[1] سورہ اعراف آیت 151

داخل کر دے، تو تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے"۔ [1]

اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے بخشش طلب کرنا اس بنا پر نہیں تھا کہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا بلکہ یہ پروردگار کی بارگاہ میں ایک طرح کا خضوع وخشوع تھا اور اس کی طرف بازگشت تھی اور بت پرستوں کے اعمال زشت سے اظہار تنفر تھا۔ [2]

جیسا کہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ "گوسالہ" کو نہ تو بنی اسرائیل نے بنایا تھا نہ حضرت ہارون علیہ السلام نے، بلکہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص سامری نے یہ حرکت کی تھی، جس پر حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور ان کے معاون تھے خاموش نہ بیٹھے بلکہ انہوں نے اپنی پوری کوشش صرف کی، انہوں نے اتنی کوشش کی کہ نزدیک تھا کہ لوگ انہیں قتل کر دیتے۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ موجودہ توریت میں گوسالہ سازی اور بت پرستی کی طرف دعوت کو حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف نسبت دی گئی ہے، چنانچہ توریت کے سفر خروج کی فصل 32 میں یہ عبارت ملتی ہے:

"جس وقت قوم موسیٰ نے دیکھا کہ موسیٰ کے پہاڑ سے نیچے اترنے میں دیر ہوئی تو وہ ہارون کے پاس اکٹھا ہوئے اور ان سے کہا اٹھو اور ہمارے لئے ایسا خدا بناؤ جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ یہ شخص موسیٰ جو ہم کو مصر سے نکال کر یہاں لایا ہے نہیں معلوم اس پر کیا گذری، ہارون نے ان سے کہا: طلائی بندے (گوشوارے) جو تمہاری عورتوں اور بچوں کے کانوں میں ہیں انہیں ان کے کانوں سے اتار کر میرے پاس لاؤ، پس پوری قوم ان گوشواروں کو کانوں سے جدا کر کے ہارون کے پاس لائی، ہارون نے ان گوشواروں کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے لیا اور کندہ کرنے کے ایک آلہ کے ذریعے تصویر بنائی اور اس سے ایک گوسالہ کا مجسمہ ڈھالا اور کہا کہ

---

[1] سورہ اعراف آیت 150

[2] قرآن اور موجودہ توریت کا ایک موازنہ

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: "آیا تم نے اپنے پروردگار کے فرمان کے بارے میں جلدی کی"۔ [1]

تم نے خدا کے اس فرمان، کہ اس نے میعاد کا وقت تیس شب سے چالیس شب کر دیا، جلدی کی اور جلد فیصلہ کر دیا، میرے نہ آنے کو میرے مرنے یا وعدہ خلافی کی دلیل سمجھ لیا، حالانکہ لازم تھا کہ تھوڑا صبر سے کام لیتے، چند روز اور انتظار کر لیتے تاکہ حقیقت واضح ہو جاتی۔

اس وقت جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی زندگی کے ان طوفانی و بحرانی لمحات سے گزر رہے تھے، سر سے پیر تک غصہ اور افسوس کی شدت سے بھڑک رہے تھے، ایک عظیم اندوہ نے ان کے وجود پر سایہ ڈال دیا تھا اور انہیں بنی اسرائیل کے مستقبل کے بارے میں بڑی تشویش لاحق تھی، کیونکہ تخریب اور تباہ کاری آسانی سے ہو جاتی ہے کبھی صرف ایک انسان کے ذریعے بہت بڑی خرابی اور تباہی واقع ہو جاتی ہے لیکن اصلاح اور تعمیر میں دیر لگتی ہے۔

خاص طور پر جب کسی نادان متعصب اور ہٹ دھرم قوم کے درمیان کوئی غلط ساز بجا دیا جائے تو اس کے بعد اس کے برے اثرات کا زائل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

بے نظیر غصہ

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ کرنا چاہئے تھا اور ایک شدید ردّ عمل ظاہر کرنا چاہئے تھا تاکہ بنی اسرائیل کے فاسد افکار کی بنیاد گرا کر اس منحرف قوم میں انقلاب برپا کر دیں، ورنہ تو اس قوم کو پلٹانا مشکل تھا۔

قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ شدید ردّ عمل بیان کیا ہے جو اس طوفانی و بحرانی منظر کو دیکھنے کے بعد ان سے ظاہر ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے بے اختیارانہ طور پر اپنے ہاتھ سے توریت کی

---

[1] سورہ اعراف آیت 150

الواح کو زمین پر ڈال دیا اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کے سر اور داڑھی کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے علاوہ ہارون علیہ السلام کو بڑی شدت سے سرزنش کی او باآواز بلند چیخ کر پکارے:

''کیا تم نے بنی اسرائیل کے عقائد کی حفاظت میں کوتاہی کی اور میرے فرمان کی مخالفت کی؟'' [2]

درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ردعمل ایک طرف تو ان کی اس واردات قلبی، بے قراری اور شدید ناراضی کی حکایت کرتا ہے تاکہ بنی اسرائیل کی عقل میں ایک حرکت پیدا ہو اور وہ اپنے اس عمل کی قباحت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

بنابرایں اگرچہ بالفرض الواح توریت کا پھینک دینا قابل اعتراض معلوم ہوتا ہو، اور بھائی کی شدید سرزنش نادرست ہو لیکن اگر حقیقت کی طرف توجہ کی جائے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شدید اور پر ہیجانی ردعمل کا اظہار نہ کرتے تو ہرگز بنی اسرائیل اپنی غلطی کی سنگینی اور اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتے تھے، ممکن تھا کہ اس بت پرستی کے آثار بد ان کے ذہنوں میں باقی رہ جاتے لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ نہ صرف غلط نہ تھا بلکہ امر لازم تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ سے اس قدر ناراض ہوئے کہ تاریخ بنی اسرائیل میں کبھی اس قدر ناراض نہ ہوئے تھے کیونکہ ان کے سامنے بدترین منظر تھا یعنی بنی اسرائیل خدا پرستی کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی اختیار کر چکے تھے جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ تمام زحمتیں جو انہوں نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے کی تھیں سب برباد ہو رہی تھیں۔

لہٰذا ایسے موقع پر الواح کا ہاتھوں سے گر جانا اور بھائی سے سخت مواخذہ کرنا ایک طبعی

---

[1] سورہ اعراف آیت 150

[2] سورہ اعراف آیت 150

دوسری تفسیر یہ ہے کہ میں ابتدا میں خدا کے اس رسول (موسیٰ) کے کچھ آثار پر ایمان لے آیا اس کے بعد مجھے اس میں کچھ شک اور تردد ہوا لہٰذا میں نے اسے دور پھینک دیا اور بت پرستی کے دین کی طرف مائل ہو گیا اور یہ میری نظر میں زیادہ پسندیدہ اور زیبا ہے۔

سامری کی سزا

یہ بات صاف طور پر واضح اور روشن ہے کہ موسیٰ کے سوال کے جواب میں سامری کی بات کسی طرح بھی قابل قبول نہیں تھی، لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مجرم ہونے کا فرمان اسی عدالت میں صادر کر دیا اور اسے اس گوسالہ پرستی کے بارے میں تین حکم دیئے۔

پہلا حکم یہ کہ اس سے کہا "تو لوگوں کے درمیان سے نکل جا اور کسی کے ساتھ میل ملاپ نہ کر اور تیری باقی زندگی میں تیرا حصہ صرف اتنا ہے کہ جو شخص بھی تیرے قریب آئے گا تو اس سے یہ کہے گا: مجھ سے مس نہ ہو"۔ [1]

اس طرح ایک قاطع اور دوٹوک فرمان کے ذریعے سامری کو معاشرے سے باہر نکال پھینکا اور اسے مطلق گوشہ نشینی میں ڈال دیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ "مجھ سے مس نہ ہو" کا جملہ شریعت موسیٰ علیہ السلام کے ایک فوجداری قانون کی طرف اشارہ ہے کہ جو بعض ایسے افراد کے بارے میں کہ جو سنگین جرم کے مرتکب ہوتے تھے صادر ہوتا تھا وہ شخص ایک ایسے موجود کی حیثیت سے کہ جو پلید و نجس و ناپاک ہو، قرار پا جاتا تھا کوئی اس سے میل ملاپ نہ کرے اور نہ اسے یہ حق ہوتا تھا وہ کسی سے میل ملاپ رکھے۔

سامری اس واقعے کے بعد مجبور ہو گیا کہ وہ بنی اسرائیل اور ان کے شہر و دیار سے باہر

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 97

نکل جائے اور بیابانوں میں جا رہے اور یہ اس جاہ طلب انسان کی سزا ہے کہ جو اپنی بدعتوں کے ذریعے چاہتا تھا کہ بڑے بڑے گروہوں کو منحرف کر کے اپنے گرد جمع کرے، اسے ناکام ہی ہونا چاہئے یہاں تک کہ ایک بھی شخص اس سے میل ملاپ نہ رکھے اور اس قسم کے انسان کے لئے یہ مکمل بائیکاٹ موت اور قتل ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ وہ ایک پلید اور آلودہ وجود کی صورت میں ہر جگہ سے راندہ اور دھتکارا ہوا ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ سامری کا بڑا جرم ثابت ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے بارے میں نفرین کی اور خدا نے اسے ایک پر اسرار بیماری میں مبتلا کر دیا کہ جب تک وہ زندہ رہا کوئی شخص اسے چھو نہیں سکتا تھا اور اگر کوئی اسے چھو لیتا تو وہ بھی بیماری میں گرفتار ہو جاتا۔ یا یہ کہ سامری ایک قسم کی نفسیاتی بیماری میں جو ہر شخص سے وسواس شدید اور وحشت کی صورت میں تھی؛ گرفتار ہو گیا، اس طرح سے کہ جو شخص بھی اس کے نزدیک ہوتا وہ چلاتا کہ "مجھے مت چھونا"۔ سامری کے لئے دوسری سزا یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قیامت میں ہونے والے عذاب کی بھی خبر دی اور کہا: "تیرے آگے ایک وعدہ گاہ ہے، خدائی دردناک عذاب کا وعدہ کہ جس سے ہرگز نہیں بچ سکے گا"۔ [1]

تیسرا کام یہ تھا کہ جو موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا: "اپنے اس معبود کو کہ جس کی تو ہمیشہ عبادت کرتا تھا ذرا دیکھ اور نگاہ کر ہم اس کو جلا رہے ہیں اور پھر اس کے ذرات کو دریا میں بکھیر دیں گے" (تاکہ ہمیشہ کے لئے نابود ہو جائے)۔ [2]

گناہ عظیم اور کم نظیر توبہ

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 97

[2] سورہ طٰہٰ آیت 97

اے بنی اسرائیل یہ تمہارا خدا ہے جو تمہیں سرزمین مصر سے باہر لایا ہے''۔

اسی کے ذیل میں ان مراسم کو بیان کیا گیا ہے جو حضرت ہارون نے اس بت کے سامنے قربانی کرنے کے بارے میں بیان کئے تھے۔

جو کچھ سطور بالا میں بیان ہوا یہ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی داستان کا ایک حصہ ہے جو توریت میں مذکور ہے اس کی عبارت بعینہ نقل کی گئی ہے حالانکہ خود توریت نے حضرت ہارون کے مقام بلند کو متعدد فصول میں بیان کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات حضرت ہارون علیہ السلام کے ذریعے ظاہر ہوئے تھے (فصل 8 از سفر خروج توریت) اور ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک رسول کی حیثیت سے تعارف کروایا گیا ہے۔

طلائی گوسالہ سے کس طرح آواز پیدا ہوئی؟

سامری جو کہ ایک صاحب فن انسان تھا اس نے اپنی معلومات سے کام لے کر طلائی گوسالہ کے سینے میں کچھ مخصوص نل (PIPE) اس طرح مخفی کر دیئے جن کے اندر سے دباؤ کی وجہ سے جب ہوا نکلتی تھی تو گائے کی آواز آتی تھی۔

کچھ کا خیال ہے کہ گوسالہ کا منہ اس طرح کا پیچیدہ بنایا گیا تھا کہ جب اسے ہوا کے رخ پر رکھا جاتا تھا تو اس کے منہ سے یہ آواز نکلتی تھی۔

قرآن میں پڑھتے ہیں کہ جناب موسیٰ نے سامری سے باز پرس شروع کی اور کہا: ''یہ کیا کام تھا کہ جو تو نے انجام دیا ہے اور اے سامری: تجھے کس چیز نے اس بات پر آمادہ کیا۔

اس نے جواب میں کہا: ''میں کچھ ایسے مطالب سے آگاہ ہوا کہ جو انہوں نے نہیں دیکھے اور وہ اس سے آگاہ نہیں ہوئے''۔

بہر کیف حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین برحق تھے اور ان کی

شریعت کے سب سے بڑے عالم وعارف تھے توریت ان کے لئے مقام بلند کی قائل ہے اب ذرا ان خرافات کو بھی دیکھ لیجئے کہ انہیں ایک بت ساز ہی نہیں بلکہ ایک موسس بت پرستی کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے بلکہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے مقولہ کے مطابق ان کی جانب سے ایک غلط عذر پیش کیا کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ چونکہ یہ قوم بدی کی طرف مائل تھی اس لئے میں نے بھی اسے اس راہ پر لگا دیا جبکہ قرآن ان دونوں بلند پایہ پیغمبروں کو ہر قسم کے شرک اور بت پرستی سے پاک وصاف سمجھتا ہے۔ صرف یہی ایک مقام نہیں جہاں قرآن تاریخ انبیاء ومرسلین کی پاکی وتقدس کا مظہر ہے جبکہ موجودہ توریت کی تاریخ انبیاء ومرسلین کی ساحت قدس کے متعلق انواع واقسام کی خرافات سے بھری ہوئی ہے ہمارے عقیدہ کے مطابق حقانیت واصالت قرآن اور موجودہ توریت وانجیل کی تحریف کو پہچاننے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں میں انبیاء کی جو تاریخ بیان کی گئی ہے اس کا موازنہ کرلیا جائے اس سے اپنے آپ پتہ چل جائیگا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟

"میں نے ایک چیز خدا کے بھیجے ہوئے رسول کے آثار میں سے لی اور پھر میں نے اسے دور پھینک دیا اور میرے نفس نے اس بات کو اسی طرح مجھے خوش نما کر کے دکھایا" [1]

اس بارے میں کہ اس گفتگو سے سامری کی کیا مراد تھی، مفسرین کے درمیان دو تفسیریں مشہور ہیں: پہلی یہ کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ فرعون کے لشکر کے دریائے نیل کے پاس آنے کے موقع پر میں نے جبرائیل کو ایک سواری پر سوار دیکھا کہ وہ لشکر کو دریا کے خشک شدہ راستوں پر ورود کے لئے تشویق دینے کی خاطر ان کے آگے آگے چل رہا تھا میں نے کچھ مٹی ان کے پاؤں کے نیچے سے یا ان کی سواری کے پاؤں کے نیچے سے اٹھالی اور اسے سنبھال کر رکھا اور اسے سونے کے بچھڑے کے اندر ڈالا اور یہ صدا اسی کی برکت سے پیدا ہوئی ہے۔

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 96

اکٹھا قتل

یہاں شدت عمل سے کام لیا گیا اور صرف پشیمانی اور زبان سے اظہار توبہ پر ہرگز قناعت نہ کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کی طرف سے ایسا سخت حکم صادر ہوا جس کی مثال تمام انبیاء کی طویل تاریخ میں کہیں نہیں ملتی اور وہ یہ کہ توبہ اور توحید کی طرف بازگشت کے سلسلے میں گناہگاروں کے کثیر گروہ کے لئے اکٹھا قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ فرمان بھی ایک خاص طریقے سے جاری ہونا چاہئے تھا اور وہ یہ ہوا کہ وہ لوگ خود تلواریں ہاتھ میں لے کر ایک دوسرے کو قتل کریں کہ ایک اس کا اپنا مارا جانا عذاب ہے اور دوسرا دوستوں اور شناساؤں کا قتل کرنا۔

بعض روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ ایک تاریک رات میں وہ تمام لوگ جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی غسل کریں کفن پہن لیں اور صفیں باندھ کر ایک دوسرے پر تلوار چلائیں۔

ممکن ہے یہ تصور کیا جائے کہ یہ توبہ کیوں اتنی سختی سے انجام پذیر ہوئی کیا یہ ممکن نہ تھا کہ خدا ان کی توبہ کو بغیر اس خونریزی کے قبول کر لیتا۔

اس سوال کا جواب گذشتہ گفتگو سے واضح ہو جاتا ہے کیونکہ اصل توحید سے انحراف اور بت پرستی کی طرف جھکاؤ کا مسئلہ اتنا سادہ اور آسان نہ تھا کہ اتنی آسانی سے درگذر کر دیا جاتا اور وہ بھی ان واضح معجزات اور خدا کی بڑی بڑی نعمتوں کے مشاہدے کے بعد۔ درحقیقت ادیان آسمانی کے تمام اصولوں کو توحید اور یگانہ پرستی میں جمع کیا جا سکتا ہے۔ اس اصل کا متزلزل ہونا دین کی تمام بنیادوں کے خاتمے کے برابر ہے اگر گاؤ پرستی کے مسئلے کو آسان سمجھ لیا جاتا تو شاید آنے والے لوگوں کے لئے سنت بن جاتا۔ خصوصاً بنی اسرائیل کے لئے جن کے بارے میں تاریخ شاہد ہے کہ ضدی اور بہانہ باز لوگ تھے۔ لہٰذا چاہئے تھا کہ ان کی ایسی گوشمالی کی جائے کہ اس کی چبھن تمام صدیوں اور زمانوں تک باقی رہ جائے اور اس کے بعد کوئی شخص بت پرستی کی فکر میں نہ پڑے۔

خدا کی آیات کو مضبوطی سے پکڑ لو

عظیم اسلامی مفسر مرحوم طبرسی، ابن زید کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں: جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے اور اپنے ساتھ توریت لائے تو اپنی قوم کو بتایا کہ میں آسمانی کتاب لے کر آیا ہوں جو دینی احکام اور حلال و حرام پر مشتمل ہے۔ یہ وہ احکام ہیں جنہیں خدا نے تمہارے لئے عملی پروگرام قرار دیا ہے۔ اسے لے کر اس کے احکام پر عمل کرو۔ اس بہانے سے کہ یہ ان کے لئے مشکل احکام ہیں، یہودی نافرمانی اور سرکشی پر تل گئے۔ خدا نے بھی فرشتوں کو مامور کیا کہ وہ کوہ طور کا ایک بہت بڑا ٹکڑا ان کے سروں پر لا کر کھڑا کر دیں، اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں خبر دی کہ عہد و پیمان باندھو، احکام خدا پر عمل کرو، سرکشی و بغاوت سے توبہ کرو تو تم سے یہ عذاب ٹل جائے گا ورنہ سب ہلاک ہو جاؤ گے۔

اس پر انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ توریت کو قبول کیا اور خدا کے حضور میں سجدہ کیا۔ جب کہ ہر لحظہ وہ کوہ طور کے اپنے سروں پر گرنے کے منتظر تھے لیکن بالآخر ان کی توبہ کی وجہ سے عذاب الٰہی ٹل گیا۔

یہ نکتہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ کوہ طور کے بنی اسرائیل کے سروں پر مسلط ہونے کی کیفیت کے سلسلے میں مفسرین کی ایک جماعت کا اعتقاد ہے کہ حکم خدا سے کوہ طور اپنی جگہ سے اکھڑ گیا اور سائبان کی طرح ان کے سروں پر مسلط ہو گیا۔

جبکہ بعض دوسرے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ پہاڑ میں سخت قسم کا زلزلہ آیا، پہاڑ اس طرح لرزنے اور حرکت کرنے لگا کہ کسی بھی وقت وہ ان کے سروں پر آ گرے گا لیکن خدا کے لطف و کرم سے زلزلہ رک گیا اور پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہو گیا۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ پہاڑ کا ایک بہت بڑا ٹکڑا زلزلے اور شدید بجلی کے زیر اثر اپنی جگہ سے اکھڑ کر ان کے سروں کے اوپر سے بحکم خدا اس طرح گزرا ہو کہ چند لحظے انہوں نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس شدید ردعمل نے اپنا اثر دکھایا اور جن لوگوں نے گوسالہ پرستی اختیار کی تھی اور ان کی تعداد اکثریت میں تھی وہ اپنے کام سے پشیمان ہوئے ان کی شاید مذکورہ پشیمانی کافی تھی ،قرآن نے یہ اضافہ کیا ہے: باقی رہتا ہے یہ سوال کہ اس ''غضب اور ذلت'' سے کیا مراد ہے؟ قرآن نے اس امر کی کوئی توضیح نہیں کی ہے صرف سربستہ کہہ کر بات آگے بڑھادی ہے۔

لیکن ممکن ہے اس سے ان بدبختیوں اور پریشانیوں کی جانب اشارہ مقصود ہو جو اس ماجرے کے بعد اور بیت المقدس میں ان کی حکومت سے پہلے انہیں پیش آئیں۔

یا اس سے مراد اللہ کا وہ حکم ہو جو اس گناہ کے بعد انہیں دیا گیا کہ وہ بطور پاداش ایک دوسرے کو قتل کریں۔

قرآن اس کے بعد اس گناہ سے توبہ کے سلسلے میں کہتا ہے: ''اور یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے قوم تم نے بچھڑے کو منتخب کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اب جو ایسا ہو گیا ہے تو توبہ کرو اور اپنے پیدا کرنے والے کی طرف پلٹ آؤ''۔

''تمہاری توبہ اس طرح ہونی چاہئے کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔ یہ کام تمہارے لئے تمہارے خالق کی بارگاہ میں بہتر ہے۔ اس ماجرے کے بعد خدا نے تمہاری توبہ قبول کر لی جو تواب ورحیم ہے''۔ [1]

سامری کون ہے؟

اصل لفظ ''سامری'' عبرانی زبان میں ''شمری'' ہے اور چونکہ یہ معمول ہے کہ جب عبرانی زبان کے الفاظ عربی زبان میں آتے ہیں تو ''شین'' کا لفظ ''سین'' سے بدل جاتا ہے، جیسا

---

[1] سورہ بقرہ آیت 54

کہ "موشی" "موسیٰ" سے اور "یشوع" "یسوع" سے تبدیل ہو جاتا ہے اس بناء پر سامری بھی "شمرون" کی طرف منسوب تھا اور "شمرون" "یشاکر" کا بیٹا تھا، جو یعقوب کی چوتھی نسل ہے۔ اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بعض عیسائیوں کا قرآن پر یہ اعتراض بالکل بے بنیاد ہے کہ قرآن نے ایک ایسے شخص کو کہ جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں رہتا تھا اور وہ گوسالہ پرستی کا سرپرست بنا تھا، شہر سامرہ سے منسوب "سامری" کے طور پر متعارف کرایا ہے، جب کہ شہر سامرہ اس زمانے میں بالکل موجود ہی نہیں تھا، کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ "سامری" "شمرون" کی طرف منسوب ہے نہ کہ سامرہ شہر کی طرف۔

بہر حال سامری ایک خود خواہ اور منحرف شخص ہونے کے باوجود بڑا ہوشیار تھا وہ بڑی جرأت اور مہارت کے ساتھ بنی اسرائیل کے ضعف کے نکات اور کمزوری کے پہلوؤں سے استفادہ کرتے ہوئے اس قسم کا عظیم فتنہ کھڑا کرنے پر قادر ہو گیا کہ جو ایک قطعی اکثریت کے بت پرستی کی طرف مائل ہونے کا سبب بنے اور جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ اس نے اپنی اس خود خواہی اور فتنہ انگیزی کی سزا بھی اسی دنیا میں دیکھ لی۔

اس میں شک نہیں کہ سامری کے بچھڑے کی پرستش و عبادت کوئی معمولی بات نہ تھی وہ قوم جو خدا کی یہ تمام آیات دیکھ چکی تھی اور اپنے عظیم پیغمبر کے معجزات کا مشاہدہ کر چکی تھی ان سب کو بھول کر پیغمبر کی ایک مختصر سی غیبت میں اصل توحید اور آئین خداوندی کو پورے طور پر پاؤں تلے روند دے اور بت پرست ہو جائے۔

اب اگر یہ بات ان کے دماغ سے ہمیشہ کے لئے جڑ سے نہ نکالی جاتی تو خطرناک حالت پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اور ہر موقعے کے بعد اور خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بعد ممکن تھا ان کی دعوت کی تمام آیات ختم کر دی جاتیں اور اس عظیم قوم کی تقدیر مکمل طور پر خطرے سے دوچار ہو جاتی۔

اسے اپنے سروں پر دیکھا ہو اور یہ خیال کیا ہو کہ وہ ان پر گرنا چاہتا ہے لیکن یہ عذاب ان سے ٹل گیا اور وہ ٹکڑا کہیں دور جا گرا۔

کیا اس عہد و پیمان میں جبر کا پہلو تھا؟

اس سوال کے جواب میں بعض کہتے ہیں کہ ان کے سروں پر پہاڑ کا مسلط ہونا ڈرانے دھمکانے کے طور پر تھا نہ کہ جبر و اضطرار کے طور پر ورنہ جبری عہد و پیمان کی تو کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ سرکش اور باغی افراد کو تہدید و سزا کے ذریعے حق کے سامنے جھکا دیا جائے۔ یہ تہدید اور سختی جو وقتی طور پر ہے ان کے غرور کو توڑ دے گی۔ انہیں صحیح غور و فکر پر ابھارے گی اور اس راستے پر چلتے چلتے وہ اپنے ارادہ و اختیار سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے لگیں گے۔ بہرحال یہ پیمان زیادہ تر عملی پہلوؤں سے مربوط تھا ورنہ عقائد کو تو جبر و اکراہ سے نہیں بدلا جا سکتا۔

آیئے واقعہ کی تفصیل قرآن میں پڑھتے ہیں کہ: "اور (وہ وقت کہ) جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہ طور کو تمہارے سروں کے اوپر مسلط کر دیا اور تمہیں کہا کہ، جو کچھ (آیات و احکام میں) ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھامو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) شاید اس طرح تم پرہیزگار ہو جاؤ"۔ [1]

"اس کے بعد پھر تم نے روگردانی کی اور اگر تم پر خدا کا فضل و رحمت نہ ہوتا تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے"۔ [2]

اس عہد و پیمان میں یہ چیزیں شامل تھیں: پروردگار کی توحید پر ایمان رکھنا، ماں باپ،

---

[1] سورہ بقرہ آیت 63

[2] سورہ بقرہ آیت 63

عزیز و اقارب، یتیم اور حاجت مندوں سے نیکی کرنا اور خونریزی سے پرہیز کرنا۔ یہ کلی طور پر ان صحیح عقائد اور خدائی پروگراموں کے بارے میں عہد و پیمان تھا جن کا توریت میں ذکر کیا گیا تھا۔

کوہ طور

کوہ طور سے مراد یہاں اسم جنس ہے یا یہ مخصوص پہاڑ ہے۔ اس سلسلے میں دو تفسیریں موجود ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ طور اسی مشہور پہاڑ کی طرف اشارہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی۔

لیکن بعض کے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ طور لغوی معنی کے لحاظ سے مطلق پہاڑ ہے۔ یہ وہی چیز ہے جسے سورہ اعراف کی آیہ 171 میں "جبل" سے تعبیر کیا گیا ہے:

توریت کیا ہے

توریت عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے "شریعت" اور "قانون"۔ یہ لفظ خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران پر نازل ہونے والی کتاب کے لئے بولا جاتا ہے۔ نیز بعض اوقات عہد عتیق کی کتب کے مجموعے کے لئے اور کبھی کبھی توریت کے پانچوں اسفار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہودیوں کی کتب کے مجموعے کو عہد عتیق کہتے ہیں۔ اس میں توریت اور چند دیگر کتب شامل ہیں۔

توریت کے پانچ حصے ہیں: جنہیں سفر پیدائش، سفر خروج، سفر لاویان، سفر اعداد اور سفر تثنیہ کہتے ہیں۔ اس کے موضوعات یہ ہیں:

(1) کائنات، انسان اور دیگر مخلوقات کی خلقت۔

(2) حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران، گذشتہ انبیاء اور بنی اسرائیل کے حالات وغیرہ۔

(3) اس دین کے احکام کی تشریح۔

عہد عتیق کی دیگر کتابیں دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے مؤرخین کی تحریر کردہ ہیں۔ ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران کے بعد کے نبیوں، حکمرانوں اور قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

یہ بات بغیر کہے واضح ہے کہ توریت کے پانچوں اسفار سے اگر صرف نظر کرلیا جائے تو دیگر کتب میں سے کوئی کتاب بھی آسمانی کتاب نہیں ہے۔ خود یہودی بھی اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے منسوب زبور جسے وہ "مزامیر" کہتے ہیں، حضرت داود علیہ السلام کے مناجات اور پند ونصائح کی تشریح ہے۔

رہی بات توریت کے پانچوں سفروں کی تو ان میں ایسے واضح قرائن موجود ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ بھی آسمانی کتابیں نہیں ہیں بلکہ وہ تاریخی کتاب ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھی گئی ہیں کیونکہ ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات، ان کے دفن کی کیفیت اور ان کی وفات کے بعد کے کچھ حالات مذکور ہیں۔

خصوصاً سفر تثنیہ کے آخری حصے میں یہ بات وضاحت سے ثابت ہوتی ہے کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی وفات سے کافی مدت بعد لکھی گئی ہے۔

علاوہ ازیں ان کتب میں بہت سی خرافات اور ناروا باتیں انبیاء ومرسلین سے منسوب کردی گئی ہیں۔ بعض بچگانہ باتیں بھی ہیں جو ان کے خودساختہ اور جعلی ہونے پر گواہ ہیں نیز بعض تاریخی شواہد بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ اصلی توریت غائب ہوگئی اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران علیہ السلام کے پیروکاروں نے یہ کتابیں تحریر کیں۔

حضرت خضر علیہ السلام

ابی بن کعب نے ابن عباس کی وساطت سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث اس طرح نقل کی ہے: ''ایک دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے خطاب کر رہے تھے۔ کسی نے آپؑ سے پوچھا روئے زمین پر سب سے زیادہ علم کون رکھتا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا مجھے اپنے آپ سے بڑھ کر کسی کے عالم ہونے کا علم نہیں۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے کہ جو تجھ سے زیادہ عالم ہے۔ اس قت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ میں اس عالم کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر اللہ نے انہیں ان سے ملاقات کی راہ بتائی''۔

یہ درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ تھی کہ اپنے تمام تر علم وفضل کے باوجود اپنے آپ کو افضل ترین نہ سمجھیں۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کہ جو اس زمانے کے بڑے عالم تھے ان کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ یہ واقعہ نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کہ جو اپنے ماحول کے آگاہ ترین اور عالم ترین فرد تھے بعض پہلوؤں سے ان کا علم بھی محدود تھا لہٰذا وہ استاد کی تلاش

---

[1] لیکن یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا ایک اولوالعزم صاحب رسالت وشریعت شخص کو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم نہیں ہونا چاہئے؟ اس سوال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اپنی ماموریت کی قلمرو میں نظام تشریع میں اسے سب سے بڑا عالم ہونا چاہئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی طرح تھے لیکن ان کی ماموریت کی قلمرو ان کے عالم دوست کی قلمرو سے الگ تھی۔ ان کے عالم دوست کی ماموریت کا تعلق عالم بشریت سے نہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ عالم ایسے اسرار سے آگاہ تھے کہ جو دعوت نبوت کی بنیاد نہ تھے۔

میں نکلے تا کہ اس سے درس لیں، استاد نے بھی ایسے درس دیئے کہ جن میں سے ہر ایک دوسرے سے عجیب تر ہے۔ اس داستان میں بہت سے اہم نکات پوشیدہ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، جناب خضر علیہ السلام کی تلاش میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی نہایت اہم چیز کی تلاش تھی۔ وہ اس کی جستجو میں دربدر پھر رہے تھے۔ وہ عزم بالجزم اور پختہ ارادے سے اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ ارادہ کیے ہوئے تھے کہ جب تک اپنا مقصود نہ پالیں چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس کی تلاش پر مامور تھے اس کا آپ کی زندگی پر بہت گہرا اثر ہوا اور اس نے آپ کی زندگی کا نیا باب کھول دیا۔ جی ہاں وہ ایک مرد عالم و دانشمند کی جستجو میں تھے۔ ایسا عالم کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے سے بھی حجاب ہٹا سکتا تھا اور انہیں نئے حقائق سے روشناس کروا سکتا تھا اور ان کے لئے علوم و دانش کے تازہ باب کھول سکتا تھا۔

ایک حدیث کہ جو امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ، حضرت خضر علیہما السلام سے زیادہ عالم تھے یعنی علم شریعت میں۔

شاید اس سوال کا جواب نہ پانے کی وجہ سے اور نسیان سے مربوط سوال کا جواب نہ پانے کے سبب بعض نے ان آیات میں جن موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اسے موسیٰ بن عمران تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

ایک حدیث کہ جو حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے اس سے بھی یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا دائرہ کار اور قلمرو ایک دوسرے سے مختلف تھی اور ہر ایک دوسرے سے اپنے کام میں زیادہ عالم تھا۔

ہم اس سلسلے میں جلد پڑھیں گے کہ اس عالم بزرگ کی جگہ معلوم کرنے کے لئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک نشانی تھی اور وہ اس نشانی کے مطابق ہی چل رہے تھے۔

قرآن کہتا ہے: "وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے دوست اور ساتھی جوان سے کہا کہ میں تو کوشش جاری رکھوں گا جب تک "مجمع البحرین" تک نہ پہنچ جاؤں، اگر چہ مجھے یہ سفر لمبی مدت تک جاری رکھنا پڑے"۔ [1]

مجمع البحرین کا مطلب ہے دو دریاؤں کا سنگم۔

اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے کہ "بحرین" سے یہاں کون سے دو دریا ہیں۔ اس سلسلے میں تین مشہور نظریے ہیں:

1۔ خلیج عقبہ اور خلیج سویز کے ملنے کی جگہ۔ ہم جانتے ہیں کہ بحیرہ احمر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایک حصہ شمال شرق کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور دوسرا شمال مغرب کی طرف پہلے حصے کو خلیج عقبہ کہتے ہیں اور دوسرے کو خلیج سویز اور یہ دونوں خلیجیں جنوب میں پہنچ کر آپس میں مل جاتی ہیں اور پھر بحیرہ احمر اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔

2۔ اس سے بحر ہند اور بحیرہ احمر کے ملنے کی طرف اشارہ ہے کہ جو باب المندب پر جا ملتے ہیں۔

3۔ یہ بحیرہ روم اور بحر اطلس کے سنگم کی طرف اشارہ ہے کہ جو شہر طنجہ کے پاس جبل الطارق کا تنگ دہانہ ہے۔

تیسری تفسیر تو بہت ہی بعید نظر آتی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جہاں رہتے تھے وہاں سے جبل الطارق کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ اس زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر عام راستے سے وہاں جاتے تو کئی ماہ لگ جاتے۔

دوسری تفسیر میں جس مقام کی نشاندہی کی گئی ہے اس کا فاصلہ اگر چہ نسبتاً کم بنتا ہے لیکن

---

[1] سورہ کہف آیت 60

اپنی حد تک وہ بھی زیادہ ہے کیونکہ شام سے جنوبی یمن میں فاصلہ بھی بہت زیادہ ہے۔

پہلا احتمال زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جہاں رہتے تھے وہاں سے یعنی شام سے خلیج عقبہ تک کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ ویسے بھی قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی زیادہ سفر طے نہیں کیا تھا اگرچہ مقصد تک پہنچنے کے لئے بہت زیادہ سفر کے لئے بھی تیار تھے۔

عرصہ دراز تک جناب خضر علیہ السلام کی تلاش

بعض لوگوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے، کہ انھوں نے کہا: ''میں اس وقت تک کوشش کروں گا جب تک اپنا مقصد حاصل نہ کرلوں'' کے بارے میں کہا ہے: کہ لفظ ''حقب''، ''عرصہ دراز'' کے معنی میں ہے۔ بعض نے اس کی 80 سال سے تفسیر کی ہے۔ اس لفظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ مجھے جس کی تلاش ہے میں اسے ڈھونڈھ کے رہوں گا چاہے اس مقصد کے لئے مجھے سالہا سال تک سفر جاری رکھنا پڑے۔

''بہر حال جس وقت وہ ان دو دریاؤں کے سنگم پر جا پہنچے تو ایک مچھلی کہ جوان کے پاس تھی اسے بھول گئے''۔ [1]

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ''مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چلتی بنی''۔ [2]

یہ مچھلی جو ظاہراً ان کے پاس غذا کے طور پر تھی۔ کیا بھونی ہوئی تھی اور اسے نمک لگا ہوا تھا یا یہ تازہ مچھلی تھی کہ جو معجزانہ طور پر زندہ ہو کر اچھل کر پانی میں جا کر تیرنے لگی۔

اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے۔ بعض کتب تفاسیر میں یہ بھی ہے کہ اس

---

[1] سورہ کہف آیت 61

[2] سورہ کہف آیت 61

علاقے میں آب حیات کا چشمہ تھا۔اس کے کچھ قطرات مچھلی پر پڑ گئے جس سے مچھلی زندہ ہو گئی۔

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ مچھلی ابھی پوری طرح مری نہ تھی کیونکہ بعض مچھلیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو پانی سے نکلنے کے بعد بہت دیر تک نیم جاں صورت میں رہتی ہیں اور اس مدت میں پانی میں گر جائیں تو ان کی معمول کی زندگی پھر شروع ہو جاتی ہے۔

آخر کار موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہی دو دریاؤں کے سنگم سے آگے نکل گئے تو لمبے سفر کے باعث انہیں خستگی کا احساس ہوا اور بھوک بھی ستانے لگی۔اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو یاد آیا کہ غذا تو ہم ہمراہ لائے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے ہمسفر دوست سے کہا: ہمارا کھانا لایئے اس سفر نے تو بہت تھکا دیا ہے۔ [1]

اس وقت "ان کے ہم سفر نے انہیں خبر دی کہ آپ کو یاد ہے کہ جب ہم نے اس پتھر کے پاس پناہ لی تھی (اور آرام کیا تھا) تو مجھے مچھلی کے بارے میں بتانا یاد نہ تھا اور شیطان ہی تھا جس نے یہ بات مجھے بھلا دی تھی۔ ہوا یہ کہ مچھلی نے بڑے حیران کن طریقے سے دریا کی راہ لی اور پانی میں چلتی بنی"۔ [2]

یہ معاملہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس عالم بزرگ کو تلاش کرنے کے لئے نشانی کی حیثیت رکھتا تھا لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: "یہی تو ہمیں چاہئے تھا اور یہی چیز تو ہم ڈھونڈتے پھرتے تھے"۔ [3]

"اور اس وقت وہ تلاش کرتے ہوئے اسی راہ کی طرف پلٹے"۔ [4]

---

[1] سورہ کہف آیت 62

[2] سورہ کہف آیت 63

[3] سورہ کہف آیت 64

[4] سورہ کہف آیت 64

عظیم استاد کی زیارت

قرآن اس داستان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے: جس وقت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمسفر دوست "مجمع البحرین" اور پتھر کے پاس پلٹ کر آئے تو "اچانک ہمارے بندوں میں سے ایک بندے سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ وہ بندہ کہ جس پر ہم نے اپنی رحمت کی تھی اور جسے ہم نے بہت سے علم و دانش سے نوازا تھا"۔ [1]

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے ادب سے اس عالم بزرگ کی خدمت میں عرض کیا: "کیا مجھے اجازت ہے کہ میں آپ کی پیروی کروں تا کہ جو علم آپ کو عطا کیا گیا ہے اور جو باعث رشد و صلاح ہے، مجھے بھی تعلیم دیں"۔ [2] لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس عالم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: "تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے"۔ [3] ساتھ ہی اس کی وجہ اور دلیل بھی بیان کردی اور کہا: "تم اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کے اسرار سے تم آگاہ ہی نہیں رکھتے"؟ [4] جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے یہ عالم، اسرار و حوادث کے باطنی علوم پر دسترس رکھتا تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ باطن پر مامور تھے اور نہ ان کے بارے میں زیادہ آگاہی رکھتے تھے۔

ایسے مواقع پر ایسا بہت ہوتا ہے کہ حوادث کے ظاہر سے ان کا باطن مختلف ہوتا ہے، بعض اوقات کسی واقعے کا ظاہر احمقانہ اور ناپسندیدہ ہوتا ہے جبکہ باطن میں بہت مقدس منطقی اور سوچا سمجھا ہوتا ہے ایسے مواقع پر جو شخص ظاہر کو دیکھتا ہے وہ اس پر صبر نہیں کر پاتا اور اس پر اعتراض کرتا ہے یا مخالفت کرنے لگتا ہے۔

---

[1] سورہ کہف آیت 65

[2] سورہ کہف آیت 66

[3] سورہ کہف آیت 67

[4] سورہ کہف آیت 68

لیکن وہ استاد کہ جو اسراروں سے آگاہ ہے اور معاملے کے باطن پر نظر رکھتا ہے وہ بڑے اطمینان اور ٹھنڈے دل سے کام جاری رکھتا ہے اور اعتراض اور واویلا پر کان نہیں دھرتا بلکہ مناسب موقع کے انتظار میں رہتا ہے تاکہ حقیقت امر بیان کرے جبکہ شاگرد بے تاب رہتا ہے لیکن جب اسرار اس پر کھل جاتے ہیں تو اسے پوری طرح سکون وقرار آجاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ بات سن کر پریشان ہوئے، انہیں خوف تھا کہ اس عالم بزرگ کا فیض ان سے منقطع نہ ہو لہٰذا انہوں نے وعدہ کیا کہ تمام امور پر صبر کریں گے اور کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کام میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ [1]

یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر انتہائی ادب و احترام اور خدا کی مرضی پر اپنے بھروسے کا اظہار کیا۔

آپ نے اس عالم سے یہ نہیں کہا کہ میں صابر ہوں بلکہ کہتے ہیں: انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ لیکن چونکہ ایسے واقعات پر صبر کرنا کہ جو ظاہراً ناپسندیدہ ہوں اور انسان جن کے اسرار سے آگاہ نہ ہو کوئی آسان کام نہیں اس لئے اس عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبردار کرتے ہوئے پھر عہد لیا" اور کہا اچھا اگر تم میرے پیچھے پیچھے آنا چاہتے ہو تو دیکھو خاموش رہنا اور کسی معاملے پر سوال نہ کرنا جب تک کہ مناسب موقع پر میں خود تم سے بیان نہ کردوں"۔ [2]

جناب موسیٰ علیہ السلام نے پھر دوبارہ وعدہ کیا اور استاد کے ساتھ ہو لئے۔

خدائی معلم اور یہ ناپسندیدہ کام؟

"موسیٰ علیہ السلام اس عالم ربانی کے ساتھ چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک کشتی تک پہنچے اور اس

---

[1] سورہ کہف آیت 69

[2] سورہ کہف آیت 70

میں سوار ہو گئے"۔ [1]

یہاں سے ہم دیکھتے ہیں کہ اب قرآن تثنیہ کی ضمیر استعمال کرنے لگا ہے۔ یہ اشارہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس عالم بزرگوار کی طرف۔ یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمسفر یوشع علیہ السلام کی ماموریت اس مقام پر ختم ہو گئی تھی اور وہ یہاں سے پلٹ گئے تھے یا پھر یہ ہے کہ وہ موجود تو تھے لیکن اس معاملے سے ان کا تعلق نہیں تھا لہٰذا انہیں یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن پہلا احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔

"بہر حال وہ دونوں کشتی پر سوار ہو گئے تو اس عالم نے کشتی میں سوراخ کر دیا"۔ [2]

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ ایک طرف تو اللہ کے عظیم نبی بھی تھے، لہٰذا انہیں لوگوں کی جان و مال کا محافظ بھی ہونا چاہئے تھا اور انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرنا چاہتے تھا اور دوسری طرف ان کا انسانی ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ اس قسم کے غلط کام پر خاموشی اختیار کریں لہٰذا حضرت خضر کے ساتھ ان کا جو معاہدہ ہوا تھا اسے ایک طرف رکھا اور اس کام پر اعتراض کر دیا اور کہا: "کیا آپ نے اہل کشتی کو غرق کرنے کے لئے اس میں سوراخ کر دیا ہے واقعاً آپ نے کس قدر برا کام انجام دیا ہے"۔ [3]

واقعاً یہ کام کتنا حیرت انگیز ہے کہ کسی کشتی میں بہت سے مسافر سوار ہوں اور اس میں سوراخ کر دیا جائے؟

بعض روایات میں ہے کہ اہل کشتی جلد ہی متوجہ ہو گئے اور انہوں نے اس سوراخ کو کسی چیز کے ذریعے سے پر کر دیا لیکن اب وہ کشتی صحیح نہیں رہ گئی تھی۔

اس وقت اس عالم نے بڑی متانت کے ساتھ موسیٰ پر نگاہ ڈالی اور کہا: "میں نے نہیں

---

[1] سورہ کہف آیت 71

[2] سورہ کہف آیت 71

[3] سورہ کہف آیت 71

کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکو گے“۔ [1]

اس واقعے کی اہمیت کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عجلت اگرچہ فطری تھی تاہم وہ پشیمان ہوئے انہیں اپنا معاہدہ یاد آیا لہٰذا معذرت آمیز لہجے میں استاد سے ”کہا اس بھول پر مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے اور اس کام پر مجھ پر سخت گیری نہ کیجئے“۔ [2]

کیوں اس بچے کو قتل کر رہے ہو؟

ان کا دریائی سفر ختم ہو گیا وہ کشتی سے اتر آئے، ”سفر جاری تھا اثنائے راہ میں انہیں ایک بچہ ملا لیکن اس عالم نے کسی تمہید کے بغیر ہی اس بچے کو قتل کر دیا“۔ [3]

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر نہ رہا گیا یہ نہایت وحشت ناک منظر تھا بلا جواز اور بے وجہ ایک بے گناہ بچے کا قتل، ایسی چیز نہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش رہ سکتے آپ غصے سے آگ بگولہ ہو گئے غم واندوہ اور غصے کا یہ عالم تھا کہ آپ نے پھر اپنے معاہدے کو نظر انداز کرتے ہوئے اب کی شدید تر اور واضح تر اعتراض کیا یہ واقعہ بھی پہلے واقعے کی نسبت زیادہ وحشت ناک تھا وہ کہنے لگے: ”کیا آپ نے ایک بے گناہ اور پاک انسان کو قتل کر دیا ہے جبکہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا، واقعاً آپ نے کیسا برا کام انجام دیا ہے۔“ [4] اس عالم بزرگوار نے پھر اپنے خاص اطمینان اور نرم لہجے میں وہی جملہ دہرایا: ”کہا: میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم ہرگز میرے ساتھ صبر نہ کر سکو

---

[1] سورہ کہف آیت 72

[2] سورہ کہف آیت 73

[3] سورہ کہف آیت 74

[4] سورہ کہف آیت 74

گے"۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا عہد یاد آ گیا انہیں بہت احساس شرمندگی ہو رہا تھا کیونکہ دو مرتبہ یہ پیمان ٹوٹ چکا تھا چاہے بھول کر ہی ایسا ہوا ہو انہیں خیال آ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے استاد کی بات صحیح ہو کہ انہوں نے تو پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ ابتدا میں ان کے کام موسیٰ کے لئے ناقابل برداشت ہوں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے پھر عذر خواہی کے لہجے میں کہا کہ اس دفعہ بھی مجھ سے صرف نظر کیجئے اور میری بھول چوک کو نظر انداز کر دیجئے اور "اگر اس کے بعد میں آپ کے کاموں کے بارے میں وضاحت کا تقاضا کروں (اور آپ پر اعتراض کروں) تو پھر بے شک مجھے ساتھ نہ رکھیں اور اس صورت میں آپ میری استادی سے معذور ہوں گے"۔ [2]

یہ جملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انصاف پسندی، بلند نظری اور اعلیٰ ظرفی کی حکایت کرتا ہے اور نشاندہی کرتا ہے کہ وہ ایک حقیقت کے سامنے سر جھکا دینے والے تھے اگرچہ وہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو۔

دوسرے لفظوں میں تین بار کی آزمائش سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ان دونوں کی ماموریت الگ الگ ہے اور اس کا نباہ نہیں ہو سکتا۔

---

[1] سورہ کہف آیت 75

لفظ "غلام" جوان نورس کے معنی میں ہے وہ حد بلوغ کو پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو۔

جس نوجوان کو اس عالم نے قتل کیا تھا وہ حد بلوغ کو پہنچا ہوا تھا یا نہیں اس سلسلے میں مفسرین میں اختلاف ہے۔

بعض نے "نفساً زکیۃ" (پاک اور بے گناہ انسان) کی تعبیر کو اس بات کی دلیل بنایا ہے کہ وہ بالغ تھا کیونکہ قصاص صرف بالغ سے لیا جا سکتا ہے۔ البتہ آیت کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس سلسلے میں حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

[2] سورہ کہف آیت 76

اپنے کام کی مزدوری لے لو

اس گفتگو اور نئے معاہدے کے بعد "موسیٰ علیہ السلام اپنے استاد کے ساتھ چل پڑے، چلتے چلتے وہ ایک بستی میں پہنچے انہوں نے اس بستی والوں سے کھانا مانگا لیکن بستی والوں نے انہیں مہمان بنانے سے انکار کر دیا" [1]۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کوئی ایسے افراد نہ تھے کہ اس بستی کے لوگوں پر بوجھ بننا چاہتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا زاد و توشہ راستے میں کہیں دے بیٹھے تھے یا پھر ختم ہو گیا تھا لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ بستی والوں کے مہمان ہو جائیں (یہ احتمال بھی ہے کہ اس عالم نے جان بوجھ کر لوگوں سے ایسا کہا ہو تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک اور درس دیا جا سکے)۔[2]

بہر حال مفسرین میں اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ یہ شہر کونسا تھا اور کہاں واقع تھا ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ شہر "انطاکیہ" تھا۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں "ایلہ" شہر مراد ہے کہ جو آج کل "ایلات" نام کی مشہور بندرگاہ ہے اور بحیرہ احمر کے کنارے خلیج عقبہ کے نزدیک واقع ہے۔

بعض دوسروں کا نظریہ ہے کہ اس سے "ناصرہ" شہر مراد ہے کہ جو فلسطین کے شمال میں واقع ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے۔

مرحوم طبرسی نے اس مقام پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث نقل کی ہے

---

[1] سورہ کہف آیت 77

[2] اس نکتے کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ "قریہ" قرآن کی زبان میں ایک عام مفہوم رکھتا ہے اور ہر قسم کے شہر اور آبادی کے معنی میں آیا ہے لیکن یہاں خصوصیت سے شہر مراد ہے کیونکہ چند آیات کے بعد اس کے لئے لفظ "المدینہ" (یعنی شہر) آیا ہے۔

کہ جو آخری احتمال کی تائید کرتی ہے۔

مجمع البحرین کے بارے میں ہم کہہ چکے ہیں کہ اس سے مراد "خلیج عقبہ" اور "خلیج سویز" کا سنگم ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ شہر ناصرہ اور بندرگاہ ایلہ اس جگہ سے انطاکیہ کی نسبت زیادہ قریب ہیں۔

بہر صورت جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے استاد کے ساتھ اس شہر میں پیش آیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کے رہنے والے بہت بخیل اور کم ظرف لوگ تھے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شہر والوں کے بارے میں ایک حدیث منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: "وہ کمینے اور کم ظرف لوگ تھے"۔

قرآن کہتا ہے: "اس کے باوجود انہوں نے اس شہر میں ایک گرتی ہوئی دیوار دیکھی تو اس عالم نے اس کی مرمت شروع کر دی اور اسے کھڑا کر دیا۔" [1] اور اس کو ویرانی سے بچا لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت تھکے ہوئے تھے انہیں بھوک بھی ستا رہی تھی، کوفت الگ تھی وہ محسوس کر رہے تھے اس آبادی کے ناسمجھ لوگوں نے ان کی اور ان کے استاد کی ہتک کی ہے دوسری طرف وہ دیکھ رہے تھے، اس بے احترامی کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام اس گرتی ہوئی دیوار کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے جیسے ان کے سلوک کی مزدوری دے رہے ہوں وہ سوچ رہے تھے کہ کم از کم استاد یہ کام اجرت لے کر ہی کرتے تا کہ کھانا تو فراہم ہو جاتا۔

لہٰذا وہ اپنے معاہدے کو پھر بھول گئے انہوں نے پھر اعتراض کیا لیکن اب لہجہ پہلے کی نسبت ملائم اور نرم تھا" کہنے لگے: اس کام کی کچھ اجرت ہی لے لیتے"۔ [2]

در حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سوچ رہے تھے کہ یہ عدل تو نہیں کہ انسان ان لوگوں سے ایثار کا سلوک کرے کہ جو اس قدر فرومایہ اور کم ظرف ہوں۔ دوسرے لفظوں میں نیکی اچھی

---

[1] سورہ کہف آیت 77

[2] سورہ کہف آیت 77

چیز ہے مگر جب محل پر ہو، یہ ٹھیک ہے کہ برائی کے جواب میں نیکی کرنا مردان خدا کا طریقہ ہے لیکن وہاں کہ جہاں بروں کے لئے برائی کی تشویق کا باعث نہ ہو۔

فراق دوست، زندگی کے سخت ترین ایام

اس موقع پر اس عالم بزرگوار نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آخری بات کہی کیونکہ گزشتہ تمام واقعات کی بناء پر انہیں یقین ہوگیا تھا کہ موسیٰ ان کے کاموں کو برداشت نہیں کر سکتے لہٰذا فرمایا: "لو اب تمہارے اور میرے درمیان جدائی کا وقت آگیا ہے جلد میں تمہیں ان امور کے اسرار سے آگاہ کروں گا کہ جن پر تم صبر نہ کر سکے"۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہ کیا کیونکہ گزشتہ واقعے میں یہی بات وہ خود تجویز کر چکے تھے یعنی خود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ حقیقت ثابت ہو چکی تھی کہ ان کا نباہ نہیں ہوسکتا لیکن پھر بھی جدائی کی خبر موسیٰ کے دل پر ہتھوڑے کی ضرب کی طرح لگی ایسے استاد سے جدائی کہ جس کا سینہ مخزن اسرار ہو، جس کی ہمراہی باعث برکت ہو اور جس کی ہر بات ایک درس ہو، جس کا طرز عمل الہام بخش ہو، جس کی پیشانی سے نور خدا ضوفشاں ہو اور جس کا دل علم الٰہی کا گنجینہ ہو ایسے رہبر سے جدائی باعث رنج و غم تھی لیکن یہ ایک ایسی تلخ حقیقت تھی جو موسیٰ کو بہرحال قبول کرنا تھی۔

مشہور مفسر "ابوالفتوح رازی" کہتے ہیں کہ ایک روایت منقول ہے:

لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: آپ کی زندگی میں سب سے بڑی مشکل کونسی تھی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں نے بہت سختیاں جھیلی ہیں (فرعون کے دور کی سختیاں

---

[1] سورہ کہف آیت 78

اور پھر بنی اسرائیل کے دور کی مشکلات کی طرف اشارہ ہے) لیکن کسی مشکل اور رنج نے میرے دل کو اتنا رنجور نہیں کیا جتنا حضرت خضر علیہ السلام سے جدائی کی خبر نے۔

ان واقعات کا راز

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا جدا ہونا طے پا گیا تو ضروری تھا کہ یہ الٰہی استاد اپنے ان کاموں کے اسرار ظاہر کرے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جنھیں گوارا نہیں کر پائے تھے درحقیقت ان سے ہمراہی کا فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہی تھا کہ وہ ان تین عجیب واقعات کا راز سمجھ لیں اور یہی راز بہت سے مسائل کی تفہیم کے لئے کلید بن سکتا تھا اور مختلف سوالوں کا جواب اس میں پنہاں تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی والے واقعے سے بات شروع کی اور کہنے لگے: ''ہاں، تو وہ کشتی والی بات یہ تھی کہ وہ چند غریب و مسکین افراد کی ملکیت تھی وہ اس سے دریا میں کام کرتے تھے میں نے سوچا کہ اس میں کوئی نقص ڈال دوں کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایک ظالم بادشاہ ان کے پیچھے ہے اور وہ ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی ہتھیا لیتا ہے''۔ [1]

گویا کشتی میں سوراخ کرنا ظاہراً تو برا لگتا تھا لیکن اس کام میں ایک اہم مقصد پوشیدہ تھا اور وہ تھا کشتی کے غریب مالکوں کو ایک غاصب بادشاہ کے ظلم سے بچانا کیونکہ اس کے نزدیک عیب دار کشتیاں اس کے کام کی نہ تھیں اور ایسی کشتیوں پر وہ قبضہ نہیں جماتا تھا خلاصہ یہ کہ یہ کام چند مسکینوں کے مفاد کی حفاظت کے لئے تھا اور اسے انجام پانا ہی چاہئے تھا۔

اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام لڑکے کے قتل کے مسئلے کی طرف آتے ہیں کہتے ہیں:

''رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ صاحب ایمان تھے ہمیں یہ بات اچھی نہ لگی کہ وہ اپنے ماں باپ

---

[1] سورہ کہف آیت 79

کو راہ ایمان سے بھٹکا دے اور سرکشی و کفر پر ابھارے۔"[1]

بہر حال اس عالم نے اس لڑکے کو قتل کر دیا اور اس لڑکے کے زندہ رہنے کی صورت میں اس کے ماں باپ کو آئندہ جو ناگوار واقعات پیش آنے والے تھے انہیں اس قتل کی دلیل قرار دیا۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: "ہم نے چاہا کہ ان کا رب ان کو اس کے بدلے زیادہ پاک اور زیادہ پر محبت اولاد عطا فرمائے۔"[2]

آخری اور تیسرے کام یعنی دیوار بنانے کے واقعے کا جواب ہے، اس عالم نے اس واقعے کے راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا: رہی دیوار کی بات۔ تو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ چھپا ہوا تھا اور ان کا باپ ایک نیک اور صالح شخص تھا، تیرا پروردگار چاہتا تھا کہ وہ بالغ ہو جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ تو تیرے رب کی طرف سے رحمت تھی۔

اور ان کے نیک ماں باپ کی وجہ سے میں مامور تھا کہ اس دیوار کو تعمیر کروں کہ کہیں وہ گر نہ جائے اور خزانہ ظاہر ہو کر خطرے سے دوچار نہ ہو جائے۔[3]

لہذا انہوں نے کہا: اور میں نے یہ کام خود سے نہیں کئے بلکہ اللہ کے حکم تحت انجام دیئے۔[4]

جی ہاں: یہ تھے ان کاموں کے راز کہ جن پر صبر کی تم میں تاب نہیں تھی۔[5]

---

[1] سورہ کہف آیت 80

[2] سورہ کہف آیت 81

[3] سورہ کہف آیت 82

[4] سورہ کہف آیت 82

[5] سورہ کہف آیت 82

خضر کی ماموریت تشریعی تھی یا تکوینی؟

یہ وہ اہم ترین مسئلہ ہے جس نے بزرگ علماء کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے تین واقعات کہ جو اس عالم کے ہاتھوں انجام پائے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا کیونکہ وہ باطن امر سے آگاہ نہ تھے لیکن بعد میں استاد نے وضاحت کی تو مطمئن ہو گئے۔

سوال یہ ہے کہ کیا واقعاً کسی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر نقص پیدا کیا جاسکتا ہے، کہ غاصب اسے لے نہ جائے۔

اور کیا کسی لڑکے کو اس کام پر سزا دی جاسکتی ہے جو وہ آئندہ میں انجام دے گا؟۔

اور کیا ضروری ہے کہ کسی کے مال کی حفاظت کے لئے ہم مفت زحمت برداشت کریں؟

ان سوالات کے جواب میں ہمارے سامنے دو راستے ہیں: پہلا یہ کہ ان امور کو ہم فقہی احکام اور شرعی قوانین کی روشنی میں دیکھیں۔ بعض مفسرین نے یہی راستہ اختیار کیا ہے۔

انہوں نے پہلے واقعے کو اہم اور اہم تر قوانین پر سمجھا ہے اور کہا ہے کہ مسلم ہے کہ ساری کشتی اور پوری کشتی کی حفاظت اہم کام تھا جبکہ جزوی نقص سے حفاظت زیادہ اہم نہیں تھا دوسرے لفظوں میں حضرت خضر علیہ السلام نے کم نقصان کے ذریعے زیادہ نقصان کو روکا، فقہی زبان میں "افسد کو فاسد سے دفع کیا" خصوصاً جبکہ یہ بات ان کے پیش نظر تھی کہ کشتی والوں کی باطن رضا مندی انہیں حاصل ہے کیونکہ اگر وہ اصل صورت حال سے آگاہ ہو جاتے تو اس کام پر راضی ہو جاتے (فقہی تعبیر کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام کو اس مسئلے میں - اذن فحوی - حاصل تھا)۔

اس لڑکے کے بارے میں مفسرین کا اصرار ہے کہ یقیناً وہ بالغ تھا اور وہ مرتد یا فاسد تھا لہٰذا وہ اپنے موجودہ اعمال کی وجہ سے جائز القتل تھا اور یہ جو حضرت خضر اپنے اقدام کے لئے اس کے آئندہ جرائم کو دلیل بناتے ہیں تو وہ اس بناء پر ہے کہ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ مجرم نہ صرف یہ کہ اس وقت اس کام میں مبتلا ہے بلکہ آئندہ بھی اس سے بڑھ کر جرائم کا مرتکب ہوگا لہٰذا اس کا قتل

قوانین شریعت کے مطابق تھا اور وہ اپنے افعال اور خود کردہ گناہوں کی وجہ سے جائز القتل تھا۔

رہا تیسرا واقعہ تو کوئی شخص کسی پر یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ تم دوسرے کے لئے کیوں ایثار کرتے ہو اور اس کے اموال کو بچانے کے لئے کیوں بیگار اٹھاتے ہو، ہوسکتا ہے یہ ایثار واجب نہ ہو لیکن مسلم ہے کہ یہ اچھا کام ہے اور لائق تحسین ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ بعض مواقع پر سرحد وجوب تک پہنچ جائے مثلاً کسی یتیم بچے کا بہت سامال ضائع ہو رہا ہو اور تھوڑی سی زحمت کر کے اسے بچایا جاسکے تو بعید نہیں ہے کہ ایسے موقع پر یہ کام واجب ہو۔

دوسرا راستہ اس بنیاد پر ہے کہ مذکورہ بالا توضیحات اگرچہ خزانے اور دیوار کے بارے میں لائق اطمینان ہوں لیکن جو جوان مارا گیا اس کے بارے میں مذکورہ وضاحتیں ظاہر قرآنی گفتگو سے مناسبت نہیں رکھتیں کیونکہ اس کے قتل کا قصد ظاہراً اس کے آئندہ کا عمل قرار دیا گیا ہے نہ کہ موجودہ عمل۔ کشتی کے بارے میں بھی مذکورہ وضاحت کسی حد تک قابل بحث ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ کوئی اور راہ اختیار کی جائے اور وہ یہ ہے: اس جہان میں ہمیں دو نظاموں سے سابقہ پڑتا ہے ایک نظام تکوین ہے اور دوسرا نظام تشریع یہ دونوں نظام اگرچہ کلی اصول میں تو ہم آہنگ ہیں لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جزئیات میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش خوف، اموال و ثمرات کے نقصان، اپنی اور عزیزوں کی موت اور قتل کے ذریعے کرتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ کون شخص ان حوادث و مصائب پر صبر و شکیبائی اختیار کرتا ہے۔

تو کیا کوئی فقیہ بلکہ کوئی پیغمبر ایسا کر سکتا ہے۔ یعنی اموال و نفوس، ثمرات اور امن کو ختم کر کے لوگوں کو آزمائے؟

یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نبیوں اور صالح بندوں کو خبردار کرنے اور انہیں تنبیہ کرنے کے لئے کسی ترک اولیٰ پر بڑی مصیبتوں میں گرفتار کرتا ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصیبت میں گرفتار ہوئے اس بات پر کہ انہوں نے بعض مساکین کی طرف کم توجہ

دی یا حضرت یونس کو ایک معمولی ترک اولیٰ پر مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا تو کیا کوئی حق رکھتا ہے کہ کسی کو سزا کے طور پر ایسا کرے یا یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کبھی اللہ تعالیٰ کسی انسان کی ناشکری کی وجہ سے اس سے کوئی نعمت چھین لیتا ہے مثلاً کوئی شخص مال ملنے پر شکر ادا نہیں کرتا تو اس کا مال دریا میں غرق ہو جاتا ہے یا صحت پر شکر ادا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس سے صحت لے لیتا ہے تو کیا فقہی اور شرعی قوانین کی رو سے کوئی ایسا کر سکتا ہے کہ ناشکری کی وجہ سے کسی کا مال ضائع کر دے اور اس کی مثالیں مجموعی طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ جہان آفرینش خصوصاً خلقت انسان اس احسن نظام پر استوار ہے کہ اللہ نے انسان کو کمال تک پہنچانے کے لئے کچھ تکوینی قوانین بنائے ہیں کہ جن کی خلاف ورزی سے مختلف نتائج مرتب ہوتے ہیں حالانکہ قانون شریعت کے لحاظ سے ہم ان قوانین پر عمل نہیں کر سکتے۔

مثلاً کسی انسان کی انگلی ڈاکٹر اس لئے کاٹ سکتا ہے کہ زہر اس کے دل کی طرف سرایت نہ کر جائے لیکن کیا کوئی شخص کسی انسان میں صبر پیدا کرنے کے لئے یا کفران نعمت کی وجہ سے اس کی انگلی کاٹ سکتا ہے؟ (جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ خدا ایسا کر سکتا ہے کیونکہ ایسا کرنا نظام احسن کے مطابق ہے)

اب جبکہ ثابت ہو گیا کہ ہم دو نظام رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دونوں نظاموں پر حاکم ہے تو کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ اللہ ایک گروہ کو نظام تشریعی کو عملی شکل دینے پر مامور کرے اور فرشتوں کے ایک گروہ یا بعض انسانوں کو (مثلاً حضرت خضر کو) نظام تکوین کو عملی شکل دینے پر مامور کرے۔

اللہ تعالیٰ کے نظام تکوین کے لحاظ سے کوئی مانع نہیں کہ وہ کسی نابالغ بچے کو بھی کسی حادثے میں مبتلا کر دے اور اس میں اس کی جان چلی جائے کیونکہ ہو سکتا ہے اس کا وجود مستقبل کے لئے بہت بڑے خطرات کا باعث ہو، نیز کوئی مانع نہیں کہ اللہ مجھے آج کسی سخت بیماری میں مبتلا کر دے، اس طرح ہے کہ میں گھر سے باہر نہ نکل سکوں کیونکہ وہ چاہتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس عالم میں مامورین کا ایک گروہ باطن پر مامور ہے اور ایک گروہ ظاہر پر مامور ہے جو باطن پر مامور ہیں ان کے لئے اپنے اصول وضوابط اور پروگرام ہیں اور جو ظاہر پر مامور ہیں ان کے لئے اپنے خاص اصول وضوابط ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان دونوں پروگراموں کا اصلی اور کلی مقصد انسان کو کمال کی طرف لے جاتا ہے اس لحاظ سے دونوں ہم آہنگ ہیں، شک نہیں کہ ان دونوں طریقوں میں سے کسی میں بھی کوئی خودسری سے کوئی اقدام نہیں کرسکتا بلکہ ضروری ہے کہ وہ حقیقی مالک وحاکم کی طرف سے مجاز ہو لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام نے صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا اور کہا:

میں نے یہ کام حکم الٰہی کے مطابق اور اسی کے ضابطے اور طریقہ کے مطابق انجام دیئے ہیں اس طرح ان اقدامات میں جو ظاہری تضاد نظر آتا ہے وہ ختم ہوجاتا ہے۔ اور یہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے کاموں کو برداشت نہیں کرپاتے تھے تو یہ اسی بناء پر تھا کہ ان کی ماموریت اور ذمہ داری کا طریقہ جناب خضر علیہ السلام کی ذمہ داری کے راستے سے الگ تھا لہٰذا جب انہوں نے حضرت خضر کا کام ظاہراً شرعی قوانین کے خلاف دیکھا تو اس پر اعتراض کیا لیکن خضرؑ نے ٹھنڈے دل سے اپنا کام جاری رکھا اور چونکہ یہ دو عظیم خدائی رہبر مختلف ذمہ داریوں کی بناء پر ہمیشہ کے لئے اکٹھے نہیں رہ سکتے تھے لہٰذا حضرت خضرا نے کہا:

''یہ اب میرے اور تمہارے جدا ہونے کا مرحلہ آگیا ہے''۔

حضرت خضر علیہ السلام کون تھے؟

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نام صراحت کے ساتھ قرآن میں نہیں لیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوست اور استاد کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ''ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ جسے ہم نے اپنی رحمت عطا کی اور جسے ہم نے اپنے علم سے نوازا''۔ اس

تعارف میں ان کے مقام عبودیت کا تذکرہ ہے اور ان کے خاص علم کو واضح کیا گیا ہے لہذا ہم نے بھی عالم کے طور پر ان کا زیادہ ذکر کیا ہے۔

لیکن متعدد روایات میں اس عالم کا نام ''خضر'' بتایا گیا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصلی نام ''بلیا ابن ملکان'' تھا اور ''خضر'' ان کا لقب تھا کیونکہ وہ جہاں کہیں قدم رکھتے ان کے قدموں کی بدولت زمین سرسبز ہو جاتی تھی۔

بعض نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ اس عالم کا نام ''الیاس'' ہے یہیں سے یہ تصور پیدا ہوا کہ ہوسکتا ہے ''الیاس'' اور ''خضر'' ایک ہی شخص کے دو نام ہوں لیکن مشہور و معروف مفسرین اور راویوں نے پہلی بات ہی بیان کی ہے۔

واضح ہے کہ یہ بات کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی کہ اس شخص کا نام کیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ ایک عالم ربانی تھے اور پروردگار کی خاص رحمت ان کے شامل حال تھی۔ وہ باطن اور نظام تکوینی پر مامور تھے اور کچھ اسرار سے آگاہ تھے اور ایک لحاظ سے موسیٰ علیہ السلام بن عمران کے معلم تھے اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی لحاظ سے ان پر مقدم تھے۔

یہ کہ وہ پیغمبر تھے یا نہیں۔ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ اصول کافی جلد اول میں متعدد روایات ہیں کہ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ پیغمبر نہیں تھے بلکہ وہ ''ذوالقرنین'' اور ''آصیف ابن برخیا'' کی طرح ایک عالم تھے۔

جبکہ کچھ اور روایات ایسی بھی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقام نبوت کے حامل تھے اور زیر نظر روایات میں بھی بعض تعبیرات کا ظاہری مفہوم بھی یہی ہے۔ کیونکہ ایک موقع پر وہ کہتے ہیں:

''میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیا''۔

ایک اور مقام پر کہتے ہیں: ''ہم چاہتے تھے کہ ایسا ہو''۔

نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک لمبی عمر کے حامل تھے۔

خودساختہ افسانے

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی داستان کی بنیاد وہی ہے کہ جو کچھ قرآن میں آیا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سے منسلک کر کے بہت سے افسانے گھڑ لیے گئے ہیں۔ ان افسانوں کو اس داستان کے ساتھ خلط ملط کرنے سے اصل داستان کی صورت بھی بگڑ جاتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ کوئی پہلی داستان نہیں ہے کہ جس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے اور بہت سی دیگر داستانوں کے ساتھ یہی حال کیا گیا ہے۔

لہٰذا حقیقت تک رسائی کے لئے قرآن کو بنیاد قرار دیا جانا چاہئے جس میں یہ داستان بیان ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ احادیث کو بھی اسی صورت میں قبول کیا جاسکتا ہے جب وہ قرآن کے موافق ہوں۔ اگر کوئی حدیث اس کے برخلاف ہو تو یقیناً وہ قابل قبول نہیں ہے اور خوش قسمتی سے معتبر احادیث میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔

علم موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام، علم خدا کے مقابلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

"جس وقت موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے ملے تو ایک پرندہ ان کے سامنے ظاہر ہوا۔ اس نے پانی کا ایک قطرہ اپنی چونچ میں لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے کہا:

جانتے ہو کہ پرندہ کیا کہتا ہے: گیارہویں صدی عیسوی میں مدون ہوئی ہیں، ان میں ایک داستان نقل ہوئی ہے کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ داستان سے کچھ مشابہت رکھتی ہے۔ اگرچہ اس داستان کے ہیرو "الیاس" اور "یوشع بن لاوی" ہیں کہ جو تیسری صدی عیسوی کے "تلمود" کے مفسرین میں سے تھے۔ یہ داستان اور کئی پہلوؤں سے بھی موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام سے مختلف ہے۔

مزید وضاحت کے لئے تفسیر نمونہ ج ۶ ص ۱۷۱ پر رجوع کریں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا کہتا ہے؟

خضر علیہ السلام کہنے لگے: کہتا ہے: ''تیرا علم اور موسیٰ کا علم، خدا کے علم کے مقابلے میں اس قطرے کی طرح ہے جو میں نے پانی سے چونچ میں لیا ہے''۔

وہ خزانہ کیا تھا؟

اس داستان کے بارے میں ایک سوال اور بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ خزانہ آخر کیا تھا جسے موسیٰ علیہ السلام کے عالم دوست پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے اور آخر اس باایمان شخص یعنی یتیموں کے باپ نے یہ خزانہ کیوں چھپا دیا تھا؟

بعض نے کہا ہے کہ وہ خزانہ مادی پہلو کی بجائے زیادہ معنوی پہلو رکھتا تھا۔ بہت سی شیعہ سنی روایات کے مطابق وہ ایک تختی تھی جس پر حکمت آمیز کلمات نقش تھے۔ اس بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے کہ وہ حکمت آمیز کلمات کیا تھے:

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

یہ سونے چاندی کا خزانہ نہیں تھا۔ یہ تو صرف ایک تختی تھی جس پر چار جملے ثبت تھے۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جو موت پر یقین رکھتا ہے وہ (بے ہودہ) نہیں ہنستا۔

اور جسے اللہ کی طرف سے حساب کا یقین ہے (اور اسے جوابدہی کی فکر ہے) وہ خوش نہیں رہتا۔

اور جسے تقدیر الٰہی کا یقین ہے وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

اور بنی اسرائیل کی نافرمانی اصحاب سبت، سنیچر کی چھٹی

بنی اسرائیل کا ایک گروہ جو ایک سمندر (بظاہر بحیرہ احمر جو فلسطین کے پاس ہے) کے

کنارے شہر "ایلہ" (جسے آج کل "ایلات" کہتے ہیں) میں رہتے تھے، ان کی آزمائش کے لئے اللہ نے انہیں حکم دیا تھا کہ ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار نہ کریں، سارے دنوں میں شکار کریں صرف ایک دن تعطیل کر دیا کریں لیکن ان لوگوں نے اس حکم کی صریحاً مخالفت کی جس کے نتیجے میں وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوئے جس کی تفصیل قرآن میں بیان کی گئی ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "جو یہودی تمہارے زمانہ میں موجود ہیں ان سے اس شہر کے ماجرے کے متعلق سوال کرو جو سمندر کے کنارے آباد تھا"۔ اور انہیں وہ زمانہ یاد دلاؤ جبکہ وہ ہفتے کے روز قانون الٰہی کی مخالفت کرتے تھے۔" [1]

کیونکہ ہفتہ کے روز ان کی تعطیل کا دن تھا جس میں ان کو یہ حکم ملا تھا کہ اس روز وہ اپنا کاروبار ترک کر دیں اور عبادت خدا میں مشغول ہوں لیکن انہوں نے اس حکم کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

اس کے بعد قرآن کریم اس جملے کی جو اجمالی طور پر پہلے گزر چکا ہے اس طرح شرح کرتا ہے کہ یاد کرو: "جب ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی کے اوپر ظاہر ہوتی تھیں اور دوسرے دنوں میں وہ کم دکھلائی دیتی تھیں"۔ [2]

یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ سمندر کے کنارے زندگی بسر کرتے تھے ان کی خوراک اور آمدنی کا بڑا ذریعہ مچھلی کا شکار ہوتا ہے، اور چونکہ ہفتہ کے روز مسلسل تعطیل ان کے درمیان رائج تھی، لہٰذا اس روز مچھلیاں امن محسوس کرتی تھیں اور وہ گروہ در گروہ پانی کی سطح پر ظاہر ہوتی تھیں لیکن دوسرے دنوں میں چونکہ ان کا شکار کیا جاتا تھا اس لئے وہ گہرے پانی میں بھاگ جاتی تھیں۔ بہر حال یہ کیفیت چاہے کسی فطری امر کے نتیجہ میں ہو یا کوئی خلاف معمول الٰہی بات ہو اس سے ان لوگوں کی آزمائش مطلوب تھی جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے:

---

[1] سورہ اعراف آیت 162

[2] سورہ اعراف آیت 162

"ہم نے اس طرح ان لوگوں کی آزمائش کی اس چیز کے ذریعے جس کی وہ مخالفت کرتے تھے"۔ [1]

جس وقت بنی اسرائیل اس بڑی آزمائش سے دوچار ہوئے جوان کی زندگی کے ساتھ وابستہ تھی تو وہ تین گروہوں میں بٹ گئے:

اول: جن کی اکثریت تھی، وہ لوگ تھے جنہوں نے اس فرمان الٰہی کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔

دوم: جو حسب معمول ایک چھوٹی اقلیت پر مشتمل تھا وہ گروہ اول کے مقابلے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرعی ذمہ داری ادا کرتا تھا۔

سوم: یہ وہ لوگ تھے جو ساکت اور غیر جانبدار تھے۔ یہ نہ تو گنہگاروں کے ساتھ تھے اور نہ انہیں گناہوں سے منع کرتے تھے۔

قرآن میں اس گروہ نے دوسرے گروہ سے جو گفتگو کی ہے اسے نقل کیا گیا ہے۔

اس وقت کو یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ نے دوسرے سے کہا: تم ان لوگوں کو کیوں وعظ ونصیحت کرتے ہو جنہیں آخر کار خدا ہلاک کرنے والا ہے یا دردناک عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے۔

انہوں نے جواب میں کہا: ہم اس لئے برائی سے منع کرتے ہیں کہ خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کو ادا کردیں اور وہ اس بارے میں ہم سے کوئی باز پرس نہ کرے۔

علاوہ ازیں شاید ان کے دلوں میں ہماری باتوں کا کوئی اثر بھی ہو جائے اور وہ طغیان و سرکشی سے ہاتھ اٹھالیں۔ [2]

"آخر کار دنیا پرستی نے ان پر غلبہ کیا۔ اور انہوں نے خدا کے فرمان کو فراموش کردیا۔

---

[1] سورہ اعراف آیت 163

[2] سورہ اعراف آیت 164

اس وقت ہم نے ان لوگوں کو جو لوگوں کو گناہ سے منع کرتے تھے، نجات دی، لیکن گناہگاروں کو ان کے گناہ کے سبب سخت عذاب میں مبتلا کر دیا"۔ [1]

اس کے بعد انہیں سزا دیئے جانے کی کیفیت اس طرح بیان فرمائی گئی ہے: "انہوں نے اس بات کے مقابلے میں سرکشی کی جس سے انہیں روکا گیا تھا۔ (لہذا) ہم نے ان سے کہا دھتکارے ہوئے بندروں کی شکل میں ہو جاؤ"۔ [2]

بنی اسرائیل نے کس طرح گناہ کیا تھا

اس امر میں کہ بنی اسرائیل نے کس وقت قانون شکنی کی، مفسرین کے درمیان بحث ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ایک حیلہ اختیار کیا، انہوں نے سمندر کے کنارے بہت سے حوض بنا لئے تھے اور انہیں نہروں کے ذریعے سمندر سے ملا دیا تھا۔ ہفتہ کے روز ان حوضوں کے راستے کھول دیتے تھے پانی کے ساتھ مچھلیاں ان حوضوں کے اندر آ جاتی تھیں، غروب کے وقت جب واپس جانا چاہتی تھیں تو واپسی کا راستہ بند کر دیتے تھے، جب اتوار کا دن ہوتا تھا تو پھر ان کا شکار کر لیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم نے ہفتہ کے روز شکار تھوڑی کیا ہے بلکہ ہم نے تو صرف انہیں حوضوں میں محصور کر لیا تھا اصل شکار تو اتوار کے روز ہوا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ وہ لوگ ہفتہ کے روز مچھلی پکڑنے کے کانٹوں کو دریا میں ڈال دیتے تھے اس کے بعد جب اس میں مچھلیاں پھنس جاتی تھیں تو دوسرے روز انہیں نکال لیتے تھے اور اس حیلہ سے ان کا شکار کرتے تھے۔

بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ بغیر کسی حیلہ کے بروز شنبہ بڑی ڈھٹائی کے

---

[1] سورہ اعراف آیت 165

[2] سورہ اعراف آیت 166

ساتھ شکار میں مشغول ہوتے تھے۔

ممکن ہے کہ یہ تمام روایات صحیح ہوں اس طرح کہ ابتداء میں حوضوں یا قلابوں کے ذریعے حیلے سے شکار کرتے ہوں، جب اس طرح سے ان کی نظر میں گناہ کی اہمیت کم ہوگئی ہو تو پھر انہوں نے اعلانیہ گناہ کرنا شروع کر دیا ہو اور ہفتہ کے دن کی حرمت کو ضائع کر کے مچھلی کی تجارت سے مالدار ہو گئے ہوں۔

آیا یہ مسخ جسمانی تھا یا روحانی؟

"مسخ" یا دوسرے لفظوں میں "انسانی شکل کا کسی حیوان کی شکل میں تبدیل ہو جانا" [illegible] طور پر ایک خلاف معمول اور خلاف طبیعت بات ہے اگرچہ میوٹیشن (mutation) بعض حیوانات کو دوسرے حیوانات کی شکل اختیار کر لینا نادر طور پر دیکھا گیا ہے اور سائنس میں [illegible] بنیاد بھی اس بات پر رکھی گئی ہے، لیکن میوٹیشن (mutation) جہاں دیکھا گیا ہے وہ بہت ہی نادر موارد ہیں، وہ بھی حیوانات کی جزوی صفات میں پایا جاتا ہے نہ کہ ان کی کلی صفات میں، بلکہ ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ میوٹیشن (mutation) کی وجہ سے ایک حیوان اپنی نوع مثلاً بندر سے بکری بن گیا ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی حیوان کی خصوصیات دگرگوں ہو جائیں، پھر یہ کہ یہ تبدیلی اس کی نسل میں پیدا ہوتی ہے نہ کہ جو حیوان پیدا ہو گیا ہے اس کی شکل یک بیک بدل گئی ہو، بنابرایں کسی انسان یا حیوان کی شکل کا بدل کر دوسری نوع اختیار کر لینا ایک خلاف معمول بات ہے۔

ہم نے بارہا یہ بات کہی ہے کہ کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو طبیعت اور عادت کے برخلاف واقع ہوتے ہیں جو کبھی تو پیغمبروں کے معجزوں کی صورت میں اور کبھی بعض خارق العادت کاموں کی صورت میں بعض انسانوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔

چاہے وہ انسان پیغمبر نہ بھی ہوں (ایسے افعال میں اور معجزات میں فرق ہوتا ہے) لہٰذا جب خارق العادت امور اور معجزات کے وقوع کو قبول کر لیا جائے تو مسخ ہو جانا یا ایک انسان کا دوسرے انسان کی صورت اختیار کر لینا کوئی خلاف عقل بات نہیں ہے۔

اس طرح کا خارق العادت واقعہ رونما ہونا نہ تو قانون علل و اسباب میں کوئی مستثنیٰ ہے اور نہ ہی عقل و خرد کے برخلاف بلکہ اس میں صرف ایک ''عادی'' و طبیعی کلیہ کی شکست ہے جس کی نظیر ہم نے بعض استثنائی انسانوں میں بارہا دیکھی ہے۔

بنی اسرائیل کی گائے کا واقعہ

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نامعلوم طور پر قتل ہو جاتا ہے۔ اس کے قاتل کا کسی طرح پتا نہیں چلتا۔

تاریخ اور تفاسیر سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قتل کا سبب مال تھا یا شادی۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک ثروت مند شخص تھا۔ اس کے پاس بے پناہ دولت تھی۔ اس دولت کا وارث اس کے چچازاد بھائی کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ وہ دولت مند کافی عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ اس کے چچازاد بھائی نے بہت انتظار کیا کہ وہ دنیا سے چلا جائے تاکہ اس کا وارث بن سکے لیکن اس کا انتظار بے نتیجہ رہا لہٰذا اس نے اسے ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا۔ بالآخر اسے تنہائی میں پا کر قتل کر دیا اور اس کی لاش سڑک پر رکھ دی اور گریہ و زاری کرنے لگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں مقدمہ پیش کیا کہ بعض لوگوں نے میرے چچازاد بھائی کو قتل کر دیا ہے۔

بنابریں اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کلمہ ''مسخ'' کا جو ظاہری مفہوم ہے اسی کو مانا جائے جو قرآن میں آیا ہے نیز دیگر مفسرین نے بھی زیادہ تر یہی معنی مراد لئے ہیں۔

بعض دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ قتل کا سبب یہ تھا کہ اپنے چچازاد بھائی کو قتل کرنے والے نے اس سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا تھا لیکن اس نے یہ درخواست رد کردی اور لڑکی کو بنی اسرائیل کے ایک نیک اور پاکباز جوان سے بیاہ دیا۔ شکست خوردہ چچازاد بھائی نے لڑکی کے باپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا اور چھپ کر اسے قتل کردیا۔

بنی اسرائیل کے قبائل کے درمیان جھگڑا اور نزاع شروع ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے قبیلے اور دیگر لوگوں کو اس کا ذمہ دار گردانتا ہے اور اپنے کو بری الذمہ قرار دیتا ہے۔

جھگڑا ختم کرنے کے لئے مقدمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور لوگ آپ سے اس موقع پر مشکل کشائی کی درخواست کرتے ہیں اور اس کا حل چاہتے ہیں۔

چونکہ عام اور معروف طریقوں سے اس قضیہ کا فیصلہ ممکن نہ تھا اور دوسری طرف اس کشمکش کے جاری رہنے سے ممکن تھا بنی اسرائیل میں ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو جاتا۔

لہٰذا جیسا کہ آپ ان آنے والی ابحاث میں پڑھیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام پروردگار سے مدد لے کر اعجاز کے راستے اس مشکل کو کیونکر حل کرتے ہیں۔

قرآن نے فرمایا: ''یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا (قاتل کو تلاش کرنے کے لئے) پہلی گائے (جو تمہیں مل جائے اس) کو ذبح کرو''۔ [1]

اور اس ذبح شدہ گائے کا ایک حصہ اس مقتول کے جسم پر لگاؤ جس کا قاتل معلوم نہیں ہے تاکہ وہ زندہ ہو جائے اور اپنے قاتل کو بتائے۔

انہوں نے بطور تعجب کہا: ''کیا تم ہم سے تمسخر کرتے ہو''۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا: ''میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں''۔ [2]

---

[1] سورہ بقرہ آیت 67

[2] سورہ بقرہ آیت 67

یعنی استہزاء اور تمسخر کرنا نادان افراد اور جاہل افراد کا کام ہے۔اور خدا کا رسول یقیناً ایسا نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کے اعتراضات

اسکے بعد انہیں اطمینان ہوگیا کہ استہزاء مذاق نہیں بلکہ سنجیدہ گفتگو ہے تو " کہنے لگے: اب اگر ایسا ہی ہے تو اپنے پروردگار سے کہیئے ہمارے لئے مشخص و معین کرے کہ وہ گائے کس قسم کی ہو"؟[1]

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا: خدا فرماتا ہے ایسی گائے ہو جو نہ بہت بوڑھی ہو کہ بے کار ہو چکی ہو اور نہ ہی جوان بلکہ ان کے درمیان ہو۔[2]

اس مقصد یہ کہ وہ اس سے زیادہ اس مسئلے کو طول نہ دیں اور بہانہ تراشی سے حکم خدا میں تاخیر نہ کریں اپنے کلام کے آخر میں مزید کہا: " جو تمہیں حکم دیا گیا ہے۔(جتنی جلدی ہو سکے) اسے انجام دو"۔[3]

لیکن انہوں نے پھر بھی زیادہ باتیں بنانے اور ڈھٹائی دکھانے سے ہاتھ نہیں اٹھایا اور کہنے لگے: اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے واضح کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔[4]

موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا: وہ گائے ساری کی ساری زرد رنگ کی ہو جس کا رنگ دیکھنے والوں کو بھلا لگے۔

خلاصہ یہ کہ وہ گائے مکمل طور پر خوش رنگ اور چمکیلی ہو۔ایسی ۔یہ ۔۔۔۔کہ دیکھنے

[1] سورہ بقرہ آیت 68

[2] سورہ بقرہ آیت 68

[3] سورہ بقرہ آیت 68

[4] سورہ بقرہ آیت 69

والوں کو تعجب میں ڈال دے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اس پر بھی اکتفاء نہ کیا اور اسی طرح ہر مرتبہ بہانہ جوئی سے کام لے کر اپنے آپ کو اور مشکل میں ڈالتے گئے۔

پھر کہنے لگے: "اپنے پروردگار سے کہیئے کہ ہمیں واضح کرے کہ یہ گائے (کام کرنے کے لحاظ سے) کیسی ہونی چاہئے کیونکہ یہ گائے ہمارے لئے مبہم ہو گئی ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر سے کہا: "خدا فرماتا ہے وہ ایسی گائے ہو جو اتنی سدھائی ہوئی نہ ہو کہ زمین جوتے اور کھیتی سینچے، ہر عیب سے پاک ہو، حتیٰ کہ اس میں کسی قسم کا دوسرا رنگ نہ ہو"۔

اب کہ بہانہ سازی کے لئے ان کے پاس کوئی سوال باقی نہ تھا جتنے سوالات وہ کر سکتے تھے۔ سب ختم ہو گئے تو کہنے لگے: "اب تو نے حق بات کہی ہے"۔ "پھر جس طرح ہو سکا انہوں نے وہ گائے مہیا کی اور اسے ذبح کیا لیکن دراصل وہ یہ کام کرنا نہیں چاہتے تھے"۔

"پھر ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک حصہ مقتول پر مارو"۔ (تاکہ وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا تعارف کرائے) [1]

بنی اسرائیل نے ان خصوصیات کی گائے تلاش کی اور اس کو ذبح کیا اور اس کا خون مقتول کے جسم پر لگایا تو وہ زندہ ہو گیا اور اپنے قاتل (جو اس کا چچا زاد بھائی تھا) کی شناخت کرا دی۔

باپ سے نیکی کا صلہ

اس قسم کی گائے اس علاقے میں ایک ہی تھی، بنی اسرائیل نے اسے بہت مہنگے داموں

---

[1] سورہ بقرہ آیت 69 تا 73

خرید اتھا کہتے ہیں اس گائے کا مالک ایک انتہائی نیک آدمی تھا جو اپنے باپ کا بہت احترام کرتا تھا۔

ایک دن جب اس کا باپ سویا ہوا تھا اسے ایک نہایت نفع بخش معاملہ درپیش آیا، صندوق کی چابی اس کے باپ کے پاس تھی لیکن اس خیال سے کہ تکلیف اور بے آرامی نہ ہو اس نے اسے بیدار نہ کیا لہٰذا اس معاملے سے صرف نظر کر لیا۔

بعض مفسرین کے نزدیک بیچنے والا ایک جنس ستر ہزار میں اس شرط پر بیچنے کو تیار تھا کہ قیمت فوراً ادا کی جائے اور قیمت کی ادائیگی اس بات پر موقوف تھی کہ خریدنے کے لئے اپنے باپ کو بیدار کر کے صندوقوں کو چابیاں اس سے حاصل کرے، وہ ستر ہزار میں خریدنے کو تیار تھا لیکن کہتا تھا کہ قیمت باپ کے بیدار ہونے پر ہی دوں گا، خلاصہ یہ کہ سودا نہ ہو سکا، خداوند عالم نے اس نقصان اور کمی کو اس طرح پورا کیا کہ اس جوان کے لئے گائے کی فروخت کا یہ نفع بخش موقع فراہم کیا، بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ باپ بیدار ہوا تو اسے واقعہ سے آگاہی ہوئی، اس نیکی کی وجہ سے اس نے وہ گائے اپنے بیٹے کو بخش دی اس طرح اسے وہ بے پناہ نفع میسر ہوا۔

اور مالدار شخص قارون، بنی اسرائیل کا مغرور

یہاں پر گفتگو بنی اسرائیل کے ایک اور مسئلے اور الجھن کی طرف جاتی ہے مسئلہ یہ ہے کہ ان میں ایک سرکش سرمایہ دار تھا اس کا نام قارون تھا جو غرور و سرکشی میں مست کر دینے والی دولت کا مظہر تھا، اصولی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں تین متجاوز طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد کیا ایک فرعون تھا جو حکومت واقتدار کا مظہر تھا، دوسرا قارون تھا جو ثروت و دولت کا مظہر تھا اور تیسرا سامری تھا کہ جو مکر و فریب کا مظہر تھا اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معرکہ حکومت کے خلاف تھا لیکن دوسرے معرکہ بھی اہم تھے اور وہ بھی عظیم تربیتی نکات کے حامل

ہیں۔

مشہور ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار تھا (چچا، یا چچازاد بھائی یا خالہ زاد بھائی) اس نے توریت کا خوب مطالعہ کیا تھا پہلے وہ مومنین کی صف میں تھا لیکن دولت کا گھمنڈ اسے کفر کی آغوش میں لے گیا اور اسے زمین میں غرق کر دیا اس غرور نے اسے پیغمبر خدا کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور اس کی موت سب کے لئے باعث عبرت بن گئی۔ ارشاد ہوتا ہے:

''قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا لیکن اس نے ان پر ظلم کیا''۔ [1]

اس ظلم کا سبب یہ تھا کہ اس نے بہت سی دولت کمائی تھی اور چونکہ وہ کم ظرف تھا اور ایمان مضبوط نہ تھا اس لئے فراواں دولت نے اسے بہکا دیا اور اسے انحراف واستکبار کی طرف لے گئی۔

قرآن کہتا ہے: ''ہم نے اسے مال ودولت کے اتنے خزانے دیے کہ انہیں اٹھانا ایک طاقتور گروہ کے لئے بھی مشکل تھا''۔ [2]

قارون کے پاس اس قدر سونا چاندی اور قیمتی اموال تھے کہ ان کے صندوقوں کو طاقتور لوگوں کا ایک گروہ بڑی مشکل سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے کر جاتا تھا۔

چار نصیحتیں

آیئے اس بحث سے آگے بڑھیں اور دیکھیں کہ بنی اسرائیل نے قارون سے کیا کہا:

قرآن کہتا ہے: ''اس وقت کو یاد کرو جب اس کی قوم نے اس سے کہا: تم میں ایسی خوشی نہیں ہونی چاہئے جس میں تکبر اور غفلت ہو کیونکہ خدا غرور میں ڈوبے ہوئے خوشحال افراد کو پسند نہیں

[1] سورہ قصص آیت 76

[2] سورہ قصص آیت 76

کرتا"۔ [1]

اس کے بعد چار اور قیمتی، سرنوشت ساز اور تربیتی نصیحتیں کرتے ہیں اس طرح کل پانچ ہو گئیں۔

پہلے کہتے ہیں: "اللہ نے جو کچھ تجھے دیا ہے اس سے دار آخرت حاصل کر"۔ [2]

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ بعض کج فہم افراد کے خیال کے برخلاف مال و دولت کوئی بری چیز نہیں ہے اہم بات یہ ہے کہ وہ کس راستے پر صرف ہو رہا ہے اگر اس کے ذریعے دار آخرت کو تلاش کیا جائے تو پھر اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ غرور، غفلت، ظلم و تجاوز اور ہوس پرستی کا ذریعہ بن جائے تو پھر اس سے بدتر بھی کوئی چیز نہیں۔

دوسری نصیحت انہوں نے مزید کی: "دنیا سے اپنے حصے کو نہ بھول جا"۔ [3]

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر انسان کا اس دنیا میں ایک محدود حصہ ہے یعنی وہ مال جو اس کے بدن، لباس اور مکان کے لئے درکار ہوتا ہے اور ان پر صرف ہوتا ہے اس کی مقدار معین ہے ا۔ ایک خاص مقدار سے زیادہ اس کے لئے قابل جذب ہی نہیں ہوتا۔

انسان کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے۔

تیسری نصیحت یہ ہے: "جیسے خدا نے احسان کیا ہے تو بھی نیکی کر"۔ [4]

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان ہمیشہ اللہ کے احسان پر نظر لگائے ہوئے ہے اور اس کی بارگاہ سے ہر خیر کا تقاضا کر رہا ہے اور اسی سے ہر قسم کی توقع باندھے ہوئے ہے تو اس طرح سے وہ کیونکر کسی کے صریح تقاضے کو یا زبان حال کے تقاضا کو نظر انداز کر سکتا ہے اور اس سے کیسے

---

[1] سورہ قصص آیت 76

[2] سورہ قصص آیت 77

[3] سورہ قصص آیت 77

[4] سورہ قصص آیت 87

بے اعتنائی برت سکتا ہے۔

آخر میں چوتھی نصیحت یہ ہے: ''کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مادی وسائل تجھے دھوکہ دیں اور تو انہیں گناہ اور دعوت گناہ میں صرف کردے، زمین میں ہرگز گناہ و فساد نہ کر کیونکہ اللہ مفسدین کو پسند نہیں کرتا''۔ [1]

صحیح طور پر معلوم نہیں کہ نصیحت کرنے والے یہ افراد کون تھے۔

البتہ یہ بات مسلم ہے کہ وہ اہل علم، پرہیزگار، زیرک بابصیرت اور جرأت مند افراد تھے۔

قارون کا جواب

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس سرکش و ستمگر بنی اسرائیل نے ان ہمدرد واعظین کو کیا جواب دیا۔ قارون تو اپنی اس بے حساب دولت کے نشے میں چور تھا اس نے اسی غرور سے کہا: ''میں نے یہ سب دولت اپنے علم و دانش کے بل بوتے پر حاصل کی ہے''۔ [2]

تمہیں اس سے کیا کہ میں اپنی دولت کیسے خرچ کرتا ہوں، جو میں نے کمایا اسے خود کمایا ہے تو پھر صرف کرنے میں بھی مجھے تمہاری راہنمائی کی کوئی ضرورت نہیں۔

علاوہ ازیں خدا مجھے اس دولت کے لائق سمجھتا تھا تبھی تو اس نے مجھے عطا کی ہے اور اسے صرف کرنے کی راہ بھی اس نے مجھے بتائی ہے میں دوسروں سے بہتر جانتا ہوں۔ تمہیں اس میں دخیل ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان سب باتوں سے قطع نظر زحمت میں نے کی ہے، تکلیف میں نے اٹھائی ہے، خون جگر پیا ہے تب کہیں یہ دولت جمع کی ہے، دوسروں کے پاس بھی ایسی

---

[1] سورہ قصص آیت 77

[2] سورہ قصص آیت 78

لیاقت وتوانائی ہوتی تو وہ زحمت وکوشش کیوں نہ کرتے۔ میں نے کوئی ان کا راستہ تو نہیں روک رکھا اور اگر ان میں اس کی لیاقت نہیں ہے تو پھر کیا ہی اچھا ہے کہ بھوکے رہیں اور مرجائیں۔

یہی وہ بوسیدہ اور گھٹیا منطق ہے کہ جو عام طور پر بے ایمان سرمایہ دار نصیحت کرنے والوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن نے اس باب کو اجمالاً بیان کیا ہے کہ قارون کس علم کے بل پر دولت جمع کرتا تھا۔ کیا وہ علم کیمیاء تھا، جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے یا پھر تجارت، زراعت، اور صنعت کا علم تھا یا پھر کیا وہ انتظامی صلاحیت اور علم کا حامل تھا یا یہ سب امور تھے۔

• بعید نہیں کہ قرآن کا مفہوم وسیع ہو اور یہ ان سب امور کی طرف اشارہ کررہا ہو۔ (قطع نظر اس کے کہ اس بات میں کتنی حقیقت ہے کہ علم کیمیا کے ذریعے تانبے وغیرہ کو سونے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔)

اس موقع پر قرآن قارون اور اس جیسے دیگر افراد کو ایک تیکھا جواب دیتا ہے: ''کیا اسے معلوم نہ تھا کہ خدا نے اس سے پہلے کئی قوموں کو ہلاک کردیا جو اس سے زیادہ طاقتور تھیں، علم میں بڑھ کر تھیں اور سرمایہ بھی ان کے پاس زیادہ تھا''۔ [1]

تو کہتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ میرے علم کی بدولت ہے لیکن تو بھول گیا ہے کہ تجھ سے زیادہ علم والے اور زیادہ طاقتور افراد بھی تھے۔ کیا وہ عذاب الٰہی سے بچ سکے ہیں؟

نمائش ثروت کا جنون

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مغرور دولت مند لوگ طرح طرح کے جنون میں مبتلا ہو

---

[1] سورہ قصص آیت 78

جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک نمائش ثروت کا جنون ہے۔ انہیں اس عمل سے خوشی حاصل ہوتی ہے کہ اپنی دولت کا لوگوں پر اظہار کریں۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنی گراں قیمت سواری پر سوار ہو کے نکلیں اور برہنہ پا لوگوں کے درمیان سے گزریں۔ ان کے منہ پر گرد و غبار ڈالتے جائیں اور ان کی تحقیر کرتے جائیں۔ انہیں اس عمل سے تسکین ہوتی ہے۔

لیکن دولت کی یہی نمائش ان کے لئے بلائے جان بن جاتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف کینہ پرورش پانے لگتا ہے اور جذبات نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہی شرمناک اور مکروہ عمل ان کی زندگی کو ختم کر دیتا ہے یا ان کی دولت کو برباد کر دیتا ہے۔

ممکن ہے کہ اس جنون آمیز عمل کا نتیجہ کسی قسم کی تحریک ہو۔ مثلاً لالچی افراد میں مزید دولت حاصل کرنے کی ہوس میں اضافہ ہو۔ اور سرکش لوگوں میں فرمانبرداری کے جذبات پیدا ہوں۔ مگر اہل ثروت، نمائش دولت کے عمل کو اس تصور کے بغیر انجام دیتے ہیں۔ درحقیقت ان کا عمل بھی ایک قسم کی ہوس ہوتا ہے۔ اس میں کسی سوجھ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

بہرحال قارون بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہ تھا۔ بلکہ جنون نمائش ثروت کا ایک واضح نمونہ تھا۔ قرآن میں ایک جملے کے ذریعے قارون کی اس کیفیت کو بیان کیا گیا ہے: ''قارون پوری زیب و زینت سے اپنی قوم کے سامنے نکلا''۔ [1] اس نے اپنی پوری قوت اور توانائی اس کام پر صرف کر دی تھی کہ وہ اپنی تمام دولت و آرائش کی لوگوں کے سامنے نمائش کرے اور یہ بات محتاج ذکر نہیں کہ اتنی دولت کا مالک شخص جب نمود حشمت کا ارادہ کرے تو وہ کیا کچھ کر سکتا ہے۔

کتب تواریخ میں اس واقعے کے متعلق بہت سے افسانے اور داستانیں ذکر ہوئی

---

[1] سورہ قصص آیت 79

ہیں۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ قارون چار ہزار خادموں کی قطار کے ساتھ بنی اسرائیل کے درمیان سے گزرا، جبکہ چار ہزار خادم گراں قیمت گھوڑوں پر سرخ پوشاکیں پہنے ہوئے سوار تھے۔ اس کے ساتھ خوش گل کنیزیں بھی تھیں جو سفید خچروں پر سوار تھیں جن پر سنہری زین کسے ہوئے تھے۔ ان کی پوشاکیں سرخ اور سب سونے کے زیورات پہنے ہوئی تھیں۔ بعض لوگوں نے اس کے خادموں کی تعداد ستر ہزار لکھی ہے اور اسی طرح کی اور باتیں بھی لکھی ہیں۔

لیکن اگر ہم ان تمام بیانات کو مبالغہ آمیز بھی سمجھ لیں پھر بھی ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ نمائش دولت کے لئے اس کے پاس بہت ساز وسامان تھا۔

کاش ہم بھی قارون جیسے ہوتے

جیسا کہ دنیا کا معمول ہے قارون کی جاہ وحشمت کو دیکھ کر لوگوں کے دو گروہ ہوگئے۔ دنیا پرست اکثریت نے جب اس خیرہ کن منظر کو دیکھا تو ان کے دل میں تمنائیں مچلنے لگیں۔ انھوں نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگے کہ کاش وہ بھی قارون جیسی دولت کے مالک ہوتے۔ خود ایک دن، ایک ساعت یا ایک لمحے ہی کے لئے یہ شکوہ نصیب ہوتا۔ آہ اس کی کیسی شیریں، جذاب، نشاط انگیز اور لذت بخش زندگی ہے

چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا ہے: ''جو لوگ دنیاوی زندگی کے طلب گار تھے۔ انھوں نے کہا کہ کاش ہمارے پاس بھی اتنی دولت ہوتی جتنی قارون کے پاس ہے''۔ [1]

حقیقت میں اس کے پاس تو دولت کا فراواں حصہ ہے۔ آفرین ہے قارون پر اور اس کی بے پناہ دولت پر، واہ اس کا کیا جاہ وجلال ہے، اور کتنے خادم اور نوکر چاکر ہیں، تاریخ میں اس جیسا کوئی شخص نہیں ہے۔ یہ عظمت اسے خدا نے عنایت کی ہے۔ غرض لوگ اسی طرح کی باتیں،

---

[1] سورہ قصص آیت 79

کرتے تھے۔

درحقیقت اس واقعے میں امتحان کی ایک بہت بڑی بھٹی جل رہی تھی۔ اس بھٹی کے بیچ میں قارون تھا۔ تاکہ وہ اپنی سرکشی اور غرور کا امتحان دے۔ دوسری طرف بنی اسرائیل کے دنیا پرست لوگ اس بھٹی کے گرداگرد مقیم تھے۔ لیکن قارون کے لئے ایک دردناک عذاب تھا۔ ایسا عذاب جو ایسی نمائش کے بعد ہوتا ہے۔ یہ عذاب اوج عظمت سے قعر زمین میں لے جاتا ہے۔

لیکن اس دنیا طلب بڑے گروہ کے مقابلے میں ایک اقلیت اہل علم صاحبان فکر، پرہیزگار اور باایمان لوگوں کی بھی وہاں موجود تھی جن کا افق فکر ان مسائل سے برتر اور بالاتر تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے نزدیک احترام شخصیت کا پیمانہ زر اور زور نہ تھا۔ ان کے نزدیک انسان کی قدر کا معیار اس کے مادی وسائل نہ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ دولت وثروت کی عارضی اور مضحکہ انگیز نمود و نمائش پر تمسخر آمیز طور پر مسکرا دیتے تھے، اور اسے ایک بے مغز اور غیر حقیقی شئے سمجھتے تھے۔

چنانچہ قرآن میں مذکور ہے کہ: وہ لوگ جنہیں علم و معرفت عطا ہوئی تھی، انھوں نے کہا: ”تم پر افسوس ہے یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں، ان کے لئے خدا کی طرف سے ثواب اور جزا بہتر ہے“۔ [1] ان الفاظ پر انھوں نے یہ اضافہ کیا کہ یہ ثواب الٰہی صرف ان لوگوں کا نصیب ہے جو صابرین ہیں۔

قارون کے سامنے زکوٰۃ کا مسئلہ

قارون نے سرکشی اور خدا کی نافرمانی کرکے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا تھا۔ مگر تواریخ اور روایات میں اس کے متعلق کچھ اور ہی واقعہ بیان ہوا ہے جو قارون کی انتہائی بے شرمی کی

---

[1] سورہ قصص آیت 80

علامت ہے۔ اور وہ ماجرا یہ ہے کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے کہا کہ خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تیرے مال میں سے زکوٰۃ لوں جو محتاجوں کا حق ہے۔

جب قارون زکوٰۃ کی ادائیگی کے اصول سے مطلع ہوا اور اس نے حساب لگایا کہ اسے کتنی کثیر رقم دینا پڑے گی تو اس نے انکار کر دیا اور اپنے آپ کو بچانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔ بنی اسرائیل کے دولت مندوں کی ایک جماعت کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا: ''اے لوگو موسیٰ چاہتا ہے کہ وہ تمہاری دولت خود ہضم کرلے۔ اس نے تمہیں نماز کا حکم دیا تم نے قبول کیا۔ اس کے دوسرے احکامات بھی تم نے مان لئے۔ کیا تم یہ بات بھی برداشت کرلو گے کہ اپنی دولت اسے دے دو؟''

قارون کی شیطانی فکر

اس وقت قارون کے ذہن میں ایک شیطانی خیال آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے ایک بہت اچھی تدبیر سوچی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے خلاف ایک منافی عصمت سازش کرنی چاہئے۔ ہمیں چاہئے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک فاحشہ عورت کو تلاش کر کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیج دیں، وہ اس پر شرمناک تہمت لگا دے۔ بنی اسرائیل نے اس تجویز کو پسند کیا۔ انھوں نے ایک بدکار عورت کو تلاش کیا اور اس سے کہا کہ ''تو جو کچھ مانگے گی تجھے دیں گے بشرطیکہ تو یہ گواہی دے کہ موسیٰ علیہ السلام کا تجھ سے نامشروع تعلق تھا۔''

اس عورت نے بھی اس تجویز کو منظور کرلیا۔ ایک طرف تو یہ سازش ہوئی۔ دوسری طرف قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ ''بہتر ہے کہ آپ بنی اسرائیل کو جمع کریں اور انہیں الٰہی احکامات سنائیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ پیش کش منظور کرلی اور بنی اسرائیل کو جمع کیا۔

جب لوگ جمع ہو گئے تو انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ: ''آپ ہمیں خدا کے احکام سنائیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ ''بجز اس کے کسی کی پرستش نہ کرو'' صلہ رحم بجا لاؤ، ایسا کرو اور ویسا کرو۔ زنا کار آدمی کے لئے خدا نے حکم دیا ہے کہ اگر وہ زنائے محصنہ کرتا ہے تو اسے سنگسار کیا جائے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے تو بنی اسرائیل کے دولت مند سازشی لوگوں نے کہا: ''خواہ وہ مجرم تو خود ہی ہو؟''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔ ''ہاں ٹھیک ہے خواہ میں خود ہی ہوں۔''

اس مقام پر ان بے شرموں نے، بے ادبی اور گستاخی کی حد کر دی اور کہا کہ: ''ہم جانتے ہیں کہ تو خود اس فعل کا مرتکب ہوا ہے۔ اور فلاں بدکار عورت سے تیرا تعلق رہا ہے۔''

پھر انھوں نے اس عورت کو بلایا اور اس سے کہا کہ تو شہادت دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت کی طرف رخ کیا اور کہا کہ ''میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تو اصل حال بیان کر۔''

جب اس بدکارہ عورت نے یہ بات سنی تو کانپ گئی، اس کی حالت بدل گئی اور اس نے کہا: ''جب آپ مجھ سے سچ بات پوچھتے ہیں تو میں حقیقت حال بیان کرتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ میں آپ کو متہم کروں، اس کے بدلے میں انھوں نے مجھے ایک کثیر رقم دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ باعفت ہیں اور اللہ کے رسول ہیں۔''

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ اس عورت نے یہ بھی کہا کہ لعنت ہو مجھ پر، میں نے اپنی زندگی میں بہت گناہ کیے ہیں مگر کسی پیغمبر پر تہمت نہ لگائی تھی۔

اس کے بعد اس نے دولت کے دو تھیلے جو ان سازشیوں نے اسے دیئے تھے نکال کر سامنے رکھ دیئے اور مذکورہ باتیں کہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر گئے اور رونے لگے۔ اس موقع پر بد سیرت، سازشی قارون پر عذاب نازل ہوا۔ اسی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ خدا نے قارون کے غرق زمین کرنے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا تھا۔

عذاب الٰہی

اس مقام پر قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں: ''ہم نے اسے اور اسکے گھر کو زمین میں غرق کر دیا''۔ [1]

یہ درست ہے کہ جب منکرین کا طغیان اور سرکشی اور ان کی جانب سے تہی دست مومنین کی تحقیر و تذلیل، اور پیمبر الٰہی کے خلاف سازش اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اس وقت دست قدرت الٰہی دراز ہوتا ہے۔ اور ان متکبر گستاخوں کی زندگیوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور انہیں ایسی سزا دیتا ہے کہ ان کی افتاد سب لوگوں کے لئے سبب عبرت بن جاتی ہے۔

قرآن میں کلمہ "خسف" اس مقام پر زمین میں گڑ جانے اور زمین میں پوشیدہ ہو جانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ انسان کی پوری تاریخ میں ایسے واقعات بارہا پیش آئے ہیں کہ سخت زلزلہ آیا اور زمین شگافتہ ہو گئی اور اس نے شہر یا آبادیوں کو نگل لیا۔ مگر اس مقام پر جس حادثہ "خسف" کا ذکر ہے، یہ مختلف نوعیت کا ہے۔ اس میں فقط قارون اور اس کے خزانے ہی لقمہ زمین ہوئے۔

کیا عجب واقعات ہیں کہ فرعون تو دریائے نیل کی موجوں میں غرق ہو جاتا ہے اور قارون شکم زمین میں سما جاتا ہے۔ اس مقام پر یہ امر ہے کہ پانی جو مایہ حیات ہے، وہ فرعون اور اس کے ہمکاروں کو نابود کرنے پر مامور ہوتا ہے۔ اور زمین جو انسان کے لئے جائے راحت ہے

---

[1] سورہ قصص آیت 81

وہ قارون اور اس کے ساتھیوں کے لئے گورستان بن جاتی ہے۔

یہ مسلم ہے کہ قارون اپنے گھر میں تنہا نہ تھا۔ وہ اور اس کے اہل خاندان، اس کے ہم خیال، اور اس کے ظالم اور ستمگر دوست سب کے سب شکم زمین میں سما گئے۔

"لیکن اس وقت اس کی مدد کے لئے کوئی جماعت نہ تھی جو اسے عذاب الٰہی سے بچا سکتی اور وہ خود بھی اپنی کوئی مدد نہ کر سکتا تھا"۔ [1]

نہ تو اس کے دستر خوان کے مفت خور، نہ اس کے دلی دوست، نہ اس کا مال و دولت، ان میں سے کوئی شے بھی اسے عذاب الٰہی سے نہ بچا سکی اور وہ سب کے سب قعر زمین میں سما گئے۔

کیا اچھا ہوا کہ ہم قارون کی جگہ نہ تھے

قرآن میں ان لوگوں کے بدل جانے کا ذکر ہے جو گزشتہ روز قارون کے جاہ و جلال اور کر و فر کو دیکھ کر وجد اور رشک کر رہے تھے اور یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہمیشہ کے لئے یا تھوڑی دیر کے لئے ہی یہ شان ہمیں بھی نصیب ہوتی۔

واقعہ عجیب سبق آموز ہے چنانچہ فرمایا گیا: "جو لوگ گزشتہ روز یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم اس کی (قارون کی) جگہ ہوتے جب انھوں نے اسے (قارون) اور اس کی دولت کو زمین میں دھنستے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ ہمارے خیالات پر افسوس ہے (حق یہ ہے کہ) خدا اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے"۔ [2] کلید رزق صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ (انھوں نے کہا) آج یہ بات ہم پر ثابت ہو گئی کہ جس آدمی کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہ خدا کی دین

---

[1] سورہ قصص آیت 81

[2] سورہ قصص آیت 82

ہے۔اس کی عطا کا انحصار اس امر پر نہیں کہ وہ کسی سے راضی اور خوش ہے۔ اور نہ کسی کی محرومی اس وجہ سے ہے کہ وہ شخص اللہ کی جناب میں بے قدر ہے۔ اللہ افراد اور اقوام کو دولت دے کر ان کا امتحان لیتا ہے اور ان کی سیرت اور فطرت کو آشکار کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ (رشک کرنے والے) سوچنے لگے کہ اگر گزشتہ روز خدا ان کی دعا کو قبول کر لیتا اور انہیں بھی قارون جیسا ہی بنا دیتا تو ان کا کیسا عبرت ناک انجام ہوتا۔ لہٰذا انھوں نے خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کیا اور کہا کہ: ”اگر خدا ہم پر احسان نہ کرتا تو وہ ہمیں بھی زمین میں غرق کر دیتا اور گویا کہ کافر ہرگز نجات نہیں پائیں گے“۔ [1]

اب ہم حقیقت کی نظر سے غرور و غفلت اور کفر و ہوس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ نیز ہم یہ سمجھ گئے ہیں کہ یہ نمائشی زندگیاں جن کا منظر نہایت دل فریب ہوتا ہے ان کی حقیقت کتنی خوفناک ہے۔

اس ماجرے کے انجام سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ آخر کار مغرور کافر اور بے ایمان قارون دنیا سے رخصت ہوا۔ ہر چند کہ اس کا شمار بنی اسرائیل کے دانشمندوں اور توریت کے تلاوت کرنے والوں میں ہوتا تھا، نیز وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رشتہ دار بھی تھا۔

---

[1] سورہ قصص آیت 82

حضرت اشموئیل علیہ السلام

خدائے بزرگ و برتر نے ایک عبرتناک واقعہ کی طرف نشاندہی کی ہے کہ جس میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی سرگذشت بیان کی گئی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد وقوع پذیر ہوئی۔

"قوم یہود" فرعون کے زیر اثر رہ کر قوم بنی اسرائیل کمزور و ناتواں ہو چکی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دانشمندانہ رہبری کے نتیجے میں انہیں اس افسوسناک حالت سے نجات ملی اور انہوں نے قدرت وعظمت حاصل کر لی۔

اس پیغمبر کی برکت سے خداوند عالم نے انہیں بہت سی نعمات سے نوازا۔ ان نعمات میں سے ایک صندوق عہد بھی تھا، یہودی اپنے لشکر کے آگے اسے اٹھائے رکھتے تھے۔ اس سے ان میں ایک طرح کا سکون قلب اور روحانی طاقت پیدا ہوتی تھی۔

بنی اسرائیل کو یہ قدرت وعظمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک مدت تک حاصل رہی لیکن یہی کامیابیاں اور نعمتیں رفتہ رفتہ ان کے غرور و تکبر کا باعث بن گئیں اور وہ قانون شکنی کرنے لگے۔ اس کے نتیجے میں انہیں فلسطینیوں کے ہاتھوں شکست اٹھانا پڑی، وہ اپنی قدرت وعظمت کھو بیٹھے اور صندوق عہد بھی ہاتھ سے گنوا بیٹھے، پھر اس قدر پراگندگی اور اختلاف کا شکار ہوئے کہ چھوٹے سے چھوٹے دشمنوں سے بھی دفاع کے قابل نہ رہے۔ یہاں تک کہ دشمنوں نے ان کے بہت سے لوگوں کو ان کی سرزمین سے نکال دیا اور ان کی اولاد کو غلام اور قیدی بنا لیا۔

کئی برس تک یہ کیفیت رہی یہاں تک کہ خداوند عالم نے ان کی نجات اور رُشد و ہدایت کے لئے حضرت اشموئیل علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔

بنی اسرائیل بھی دشمنوں کے ظلم و جور سے تنگ آچکے تھے اور کسی پناہ گاہ کی تلاش میں تھے لہٰذا ان کے گرد جمع ہوگئے اور ان سے خواہش کی کہ وہ ان کے لئے رہبر اور امیر مقرر کردیں تا کہ وہ اس کی قیادت میں ہم آواز اور ایک جان ہو کر دشمن سے جنگ کریں اور عزت رفتہ بحال ہو سکے۔

اشموئیل علیہ السلام ان کی اندرونی کیفیات اور سست ہمتی سے پوری طرح واقف تھے۔ انہوں نے کہا:

"مجھے ڈر ہے کہ جب جہاد کا حکم آئے تو تم کہیں امیر و رہبر کے حکم سے روگردانی نہ کرو اور دشمن سے مقابلے اور جنگ سے پہلو تہی نہ کرو"۔

وہ کہنے لگے: "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم امیر کے حکم سے منہ پھیر لیں اور اپنی ذمہ داری نبھانے سے دریغ کریں حالانکہ دشمن ہمیں ہمارے وطن سے نکال چکا ہے، ہماری زمینوں پر قبضہ کر چکا ہے اور ہماری اولاد کو قیدی بنا چکا ہے"۔

حضرت اشموئیل علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ اپنی بیماری کی تشخیص کر چکے ہیں اور اب انہیں ایک طبیب کی ضرورت ہے۔ گویا وہ اپنی پسماندگی کے راز سے واقف ہو چکے ہیں۔ اس پر حضرت اشموئیل علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی کا رخ کیا اور قوم کی خواہش کو اس کے حضور پیش کیا، وحی ہوئی: "میں نے طالوت کو ان کی سربراہی کے لئے منتخب کیا ہے۔"

حضرت اشموئیل علیہ السلام نے عرض کیا: خداوندا میں نے ابھی تک طالوت کو دیکھا ہے نہ اسے پہچانتا ہوں۔

ارشاد ہوا: "ہم اسے تمہاری طرف بھیجیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئے تو فوج کی کمان اس کے حوالے کر دینا اور علم جہاد اس کے ہاتھ میں دے دینا"۔

طالوت کون تھے؟

طالوت ایک بلند قامت اور خوبصورت مرد تھے۔ وہ مضبوط اور قوی اعصاب کے مالک تھے۔ روحانی طور پر بھی بہت زیرک، دانشمند اور صاحب تدبیر تھے۔ بعض لوگوں نے ان کے نام "طالوت" کو بھی ان کے طولانی قد کا سبب قرار دیا ہے۔

ان تمام صفات کے باوجود وہ مشہور نہیں تھے۔ اپنے والد کے ساتھ دریا کے کنارے ایک بستی میں رہتے تھے۔ والد کے چوپایوں کو چراتے اور زراعت کرتے تھے۔ ایک دن کچھ جانور بیابان میں گم ہو گئے۔ طالوت اپنے ایک دوست کے ساتھ ان کی تلاش میں کئی دن تک سرگرداں رہے۔ انہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ شہر "صوف" کے قریب پہنچ گئے۔

ان کے دوست نے کہا: ہم تو اشموئیل علیہ السلام کے شہر صوف میں آپہنچے ہیں۔ آیئے ان کے پاس چلتے ہیں۔ شاید وحی کے سائے میں اور ان کی رائے کی روشنی میں ہمیں کچھ پتہ چل سکے۔

شہر میں داخل ہوئے تو حضرت اشموئیل علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ جب اشموئیل علیہ السلام اور طالوت نے ایک دوسرے کو دیکھا تو گویا دل مل گئے۔ اشموئیل علیہ السلام نے اسی لمحے طالوت کو پہچان لیا۔ وہ جان گئے کہ یہ وہی نوجوان ہے جسے خدا نے ان لوگوں کی قیادت کیلئے منتخب کیا ہے۔

طالوت نے اپنی کہانی سنائی تو اشموئیل علیہ السلام کہنے لگے: وہ چوپائے تو اس وقت تمہاری بستی کی راہ پر ہیں اور تمہارے باپ کے باغ کی طرف جا رہے ہیں۔ ان کے بارے میں فکر نہ کرو۔ میں تمہیں اس سے کہیں بڑے کام کے لئے دعوت دیتا ہوں۔ خدا نے تمہیں بنی اسرائیل کی نجات کے لئے مامور کیا ہے۔

طالوت پہلے تو اس پروگرام پر حیران ہوئے اور پھر اسے سعادت سمجھتے ہوئے قبول کر لیا۔ اشموئیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: خدا نے طالوت کو تمہاری قیادت سونپی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ تم سب اس کی پیروی کرو۔ اب اپنے تئیں دشمن سے مقابلے کے لئے تیاری کر لو۔

بنی اسرائیل کے نزدیک تو حسب ونسب اور ثروت کے حوالے سے کئی خصوصیات فرمانروا کے لئے ضروری تھیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی طالوت میں دکھائی نہ دیتی تھی اس انتخاب وتقرر پر وہ بہت حیران وپریشان ہو گئے۔

انہوں نے دیکھا کہ ان کے عقیدے کے برخلاف وہ نہ تو ''لاوی'' کی اولاد میں سے تھے جن میں سے نبی ہوتے تھے۔ نہ یوسفؑ اور یہودا کے خاندان سے تھے جو گذشتہ زمانے میں حکمرانی کرتے تھے بلکہ ان کا تعلق تو بنیامین کے گمنام خاندان سے تھا اور پھر وہ مالی طور پر بھی تہی دست تھے۔

انہوں نے اعتراض کیا: وہ کیسے حکومت کر سکتا ہے جبکہ ہم اس سے زیادہ حقدار ہیں۔

اشموئیل علیہ السلام کہتے تھے کہ یہ بہت اشتباہ کر رہے ہیں، کہنے لگے: انہیں خدا نے تم پر امیر مقرر کیا ہے، نیز قیادت کے لئے ان کی اہلیت اور لیاقت کی دلیل یہ ہے کہ وہ جسمانی طور پر زیادہ طاقتور ہیں اور روحانی طاقت میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔ اس لحاظ سے وہ تم سب پر برتری رکھتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے خدا کی طرف سے اس کے تقرر کے لئے کسی نشانی یا علامت کا مطالبہ کر دیا۔ اس پر اشموئیل علیہ السلام بولے: انبیاء بنی اسرائیل کی یادگار؛ تابوت (صندوق عہد) جو جنگ میں تمہارے لئے اطمینان اور ولولے کا باعث تھا تمہارے پاس لوٹ آئے گا اور اسے تمہارے آگے آگے چند فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا''۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ صندوق عہد ان کے سامنے آ گیا۔ یہ نشانی دیکھ کر انہوں نے طالوت کی سربراہی قبول کر لی۔

طالوت نے ملک کی باگ ڈور سنبھال لی

طالوت نے لشکر کی قیادت کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے تھوڑی ہی مدت میں امور سلطنت

کی انجام دہی اور فوج کی تنظیم نو کے سلسلے میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔ پھر آپ نے فوج کو دشمن سے مقابلے کی دعوت دی۔ دشمن نے ان کی ہر چیز کو خطرے سے دوچار کر رکھا تھا۔

طالوت نے تاکید کرتے ہوئے کہا: "میرے ساتھ وہ لوگ چلیں جن کی ساری توجہ جہاد پر مرکوز رہ سکے۔ جن کی صحت ناقص ہو اور جو درمیان ہی میں ہمت ہار بیٹھنے والے ہوں، اس جنگ میں شرکت نہ کریں"۔

بہت جلد ظاہراً ایک کثیر تعداد اور طاقتور فوج جمع ہو گئی اور وہ دشمن کی طرف چل پڑے۔

سورج کی تپش تھی۔ گرمی میں چلتے چلتے انہیں سخت پیاس لگ گئی۔ طالوت خدا کے حکم سے انہیں آزمانا چاہتے تھے اور ان کی تطہیر بھی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا: "جلد تمہارے راستے میں ایک نہر آئے گی۔ اس کے ذریعے خدا تمہارا امتحان لے گا۔ جو لوگ اس میں سے سیر ہو کر پانی پئیں گے ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں البتہ جو تھوڑا سا پانی پئیں گے وہ میرے ساتھی ہیں"۔

ان کی نظر نہر پر پڑی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ جلدی سے وہاں پہنچے۔ خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ تھوڑے سے فوجی اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے۔

طالوت نے اپنی فوج کو چھانٹا

طالوت نے دیکھا کہ ان کی فوج کی اکثریت بے ارادہ اور کمزور عہد و پیمان کی حامل ہے اور اس میں تھوڑے سے صاحب ایمان افراد موجود ہیں۔ انہوں نے بے قاعدہ اور نافرمان اکثریت کو چھوڑ دیا اور انہی کم تعداد صاحب ایمان کو ساتھ لیا اور شہر سے گزر کر میدان جہاد کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔

طالوت کی فوج نے اپنی کم تعداد دیکھی تو پریشان اور وحشت زدہ ہوئی۔ فوجیوں نے ان سے کہا: "ہم میں تو اس طاقتور فوج کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں ہے۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کا دل خدا کی محبت سے معمور تھا وہ دشمن کی فوجی کثرت وقوت اور اپنی تھوڑی تعداد پر ہراساں نہ ہوئے اور کمال شجاعت سے طالوت سے کہنے لگے: آپ جو مصلحت سمجھتے ہیں حکم دیجئے۔ ہم ہر مقام پر آپ کا ساتھ دیں گے اور انشاء اللہ کم تعداد کے باوجود دشمن سے جہاد کریں گے کیونکہ یہ تو کئی مرتبہ ہو چکا ہے کہ کم تعداد خدا کے ارادہ ومشیت کے سہارے کثیر تعداد پر غالب آئی ہے اور خدا استقامت و پامردی دکھانے والوں کے ساتھ ہے"۔

داؤد نے جالوت کو مار ڈالا

طالوت ان کم تعداد اہل ایمان مجاہدین کے ساتھ آمادہ کارزار ہوئے۔ ان لوگوں نے درگاہ الٰہی سے شکیبائی اور کامیابی کی دعا کی۔

جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ جالوت اپنا لشکر لے کر باہر نکلا۔ لشکروں کے مابین مبارز طلبی ہوئی۔ اس کی بارعب پکار نے دلوں کو لرزا دیا۔ میدان میں جانے کی جرأت کسی میں نہ رہی۔ داؤد ایک کم سن نوجوان تھا۔ شاید وہ جنگ کے لئے بھی میدان میں نہ آیا تھا بلکہ اپنے جنگجو بڑے بھائیوں اور باپ کی خدمت کے لئے چلا آیا تھا لیکن چاک و چوبند اور قوی تھا۔ "خلدخن" اس کے ہاتھ میں تھی اس کے ذریعے اس نے پتھر ایسے ماہرانہ انداز میں پھینکے کہ ٹھیک جالوت کی پیشانی اور سر میں پیوست ہو گئے۔ اس کے سپاہیوں پر وحشت اور تعجب کا عالم طاری تھا۔ وہ ان کے درمیان گرا اور مر گیا۔ جالوت کی موت سے اس کی فوج میں عجیب خوف وہراس پیدا ہو گیا۔ جالوت کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا اور بنی اسرائیل کامیاب ہو گئے۔

تابوت کیا ہے؟

''تابوت'' کا لغوی معنی ہے وہ صندوق جسے لکڑی سے بنایا جائے۔ جنازے کے صندوق کو بھی اسی لئے تابوت کہتے ہیں۔ لیکن تابوت مردوں سے مخصوص نہیں بلکہ ہر قسم کے لکڑی کے صندوق کے لئے مستعمل ہے۔

بنی اسرائیل کا تابوت یا صندوق عہد کیا تھا، وہ کس کے ہاتھ سے بنا تھا اور اس میں کیا چیزیں موجود تھیں۔ اس سلسلے میں ہماری روایات و تفاسیر میں اور اسی طرح ''عہد قدیم'' (توریت) میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ سب سے زیادہ واضح چیز جو احادیث اہل بیت علیہم السلام اور بعض مفسرین مثلاً ابن عباس سے منقول ہے یہ کہ

''یہ ''تابوت'' وہی صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں لپیٹ کر دریا میں پھینکا تھا۔ فرعون کے کارندوں نے اسے دریا میں سے پکڑ لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس میں سے نکال لیا گیا اور صندوق جوں کا توں فرعون کے پاس محفوظ کرلیا گیا۔ بعد ازاں وہ بنی اسرائیل کے ہاتھ آیا تو وہ اس عجیب صندوق کو محترم شمار کرنے لگے اور اسے متبرک سمجھنے لگے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں وہ الواح مقدسہ۔ جن پر احکام خدا لکھے ہوئے تھے اس میں رکھ دیں۔ نیز اپنی زرہ اور دوسری یادگار چیزوں کا بھی اس میں اضافہ کردیا۔ صندوق آپؑ نے اپنے وصی حضرت ''یوشع بن نون علیہ السلام'' کے سپرد کردیا۔ یوں صندوق کی اہمیت بنی اسرائیل کی نگاہ میں اور بڑھ گئی۔ لہٰذا وہ دشمنوں کے ساتھ جنگوں میں اسے ہمراہ لے جاتے اور اس کا ان پر نفسیاتی اور روحانی طور پر بہت اثر ہوتا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جب تک وہ دل انگیز صندوق ان مقدس چیزوں کے سمیت ان کے ساتھ رہا وہ سربلند رہے اور آبرومندانہ زندگی بسر کرتے رہے لیکن رفتہ رفتہ ان کی دینی بنیادیں کمزور پڑ گئیں اور دشمن ان پر غلبہ حاصل کرتے رہے۔ وہ صندوق بھی ان سے چھن گیا۔

جیسا کہ قرآن کہتا ہے: صندوق عہد تمہاری طرف آئے گا۔ (وہی صندوق کہ) جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کی یادگاریں ہیں جب کہ فرشتوں نے اسے اٹھا رکھا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صندوق عہد وہ ایسے تبرکات تھے جو حوادث کے موقع پر بنی اسرائیل کے لئے اطمینان بخش تھے اور معنوی و نفسیاتی اثرات کے حامل تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بعد از اں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے خاندان کی کچھ یادگاریں بھی اس میں رکھ دی گئی تھیں۔ [1]

حضرت اشموئیل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ بات دل نشین کرائی کہ صندوق عہد دوبارہ انہیں مل جائے گا اور جو سکون اور اطمینان وہ کھو بیٹھے ہیں دوبارہ حاصل کرلیں گے۔ معنوی و تاریخی پہلو کے حامل اس صندوق کی اہمیت دراصل بنی اسرائیل کے لئے ایک پرچم اور شعار سے بڑھ کر تھی۔ اسے دیکھ کے ان کی نظروں میں اپنی عظمت رفتہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

حضرت اشموئیل علیہ السلام نے خبر دی کہ وہ صندوق لوٹ آئے گا فطری امر ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے لئے ایک بہت بڑی بشارت تھی۔

فرشتے صندوق عہد کیسے لائے؟

جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ "فرشتے اس صندوق کو اٹھائے ہوئے ہیں" یہاں پر سوال یہ ہوتا ہے کہ فرشتے صندوق عہد کو کیسے لائے؟ اس سلسلے میں مفسرین نے مختلف باتیں کی ہیں۔ ان میں سے زیادہ واضح تواریخ کے حوالے سے یہ ہے کہ جب صندوق عہد فلسطین کے بت پرستوں کے ہاتھ لگا اور وہ اسے اپنے بت خانے میں لے گئے اس کے بعد وہ بہت سی مصیبتوں اور ابتلاؤں کا شکار ہو گئے تو ان میں سے بعض کہنے لگے کہ یہ سب کچھ صندوق عہد کے آثار میں سے ہے، لہٰذا انہوں نے طے کرلیا کہ اسے اپنے شہر اور علاقے سے باہر بھیج دیں گے۔ کوئی شخص

---

[1] سورہ بقرہ آیت 248

اسے باہر لے جانے کو تیار نہ ہوا۔ مجبوراً دو بیل جوتے گئے اور صندوق عہد کو باندھ کر بیلوں کو بیابان میں جا کر چھوڑا گیا۔ اتفاق سے یہ واقعہ ٹھیک اس وقت رونما ہوا جب طالوت کو بنی اسرائیل کا فرمانروا بنایا گیا۔

خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ ان دو بیلوں کو اشموئیل کے شہر کی طرف ہانک کر لے جائیں۔ بنی اسرائیل نے صندوق عہد کو دیکھا تو اسے طالوت کے خدا کی طرف سے مامور ہونے کی نشانی کے طور پر قبول کر لیا۔ اس لئے ظاہراً تو دو بیل اسے شہر میں لائے لیکن درحقیقت یہ کام خدائی فرشتوں کی وجہ سے انجام پذیر ہوا اسی وجہ سے صندوق اٹھالانے کی نسبت فرشتوں کی طرف دی گئی ہے۔ اصولی طور پر فرشتہ اور ملک قرآن حکیم اور روایات میں ایک وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ اس مفہوم میں روحانی عقل رکھنے والے موجودات کے علاوہ اس جہان کی مخفی قوتوں کا ایک سلسلہ بھی شامل ہے۔

یہ داؤد کون سے داؤد تھے

اگرچہ قرآن میں صراحت موجود نہیں کہ یہ داؤد وہی پیغمبر ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد گرامی ہیں یا کوئی اور شخص۔ لیکن اس قرآن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مقام نبوت کے حامل ہوئے قرآن آگے چل کر یوں بیان کرتا ہے:

''خدا نے اسے حکومت اور علم عطا کیا اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اسے سکھایا''۔

ایسی تعبیر عام طور سے انبیاء کے متعلق ہی ہوتی ہے۔

''اور ہم نے اسکی حکومت کو مضبوط کر دیا اور اسے علم و دانش عطا کیا''۔

اس سلسلہ کی ذیل میں جو احادیث منقول ہیں ان سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ وہی مشہور پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام

داؤد علیہ السلام کی زندگی سے درس حاصل کریں

حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے بزرگ انبیاء میں سے تھے انہیں اللہ نے ایک عظیم حکومت عطا کی۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں ان کے بلند مقام کی تعریف کی گئی ہے۔

ان کی جسمانی طاقت کا یہ عالم تھا کہ جب بنی اسرائیل کا ایک ظالم حکمران جالوت میدان جنگ میں آپ کے مدمقابل آیا تو آپ نے آلہ سنگ اندازی سے اس قوت سے پتھر پھینکا کہ جالوت گھوڑے کی پشت سے زمین پر آ گیا اور اپنے خون میں لوٹنے لگا۔

بعض نے لکھا ہے کہ پتھر نے اس کا سینہ چیر دیا اور دوسری طرف سے نکل گیا۔

دوسری طرف آپ کی سیاسی اقتدار کا یہ حال تھا کہ ایک طاقتور حکومت آپ کے ہاتھ میں تھی اور آپ پوری طاقت سے دشمنوں کے مقابلے میں کھڑے ہوتے تھے۔

علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ آپ کی محراب عبادت کے چاروں طرف ہزار افراد شام سے صبح تک تیار کھڑے رہتے تھے۔

نیز آپ کی روحانی، اخلاقی اور عبادی طاقت کا یہ عالم تھا کہ رات کا ایک حصہ بیدار رہتے اور پروردگار کی عبادت میں مشغول رہتے اور سال بھر کے آدھے ایام روزے میں

گزارتے۔

نعمتوں کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو طرح طرح کی ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کر رکھی تھیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک ایسی شخصیت تھے کہ جنگ میں، عبادت میں، علم میں اور حکومت میں، بہت قوی تھے اور انہیں فراواں نعمتیں حاصل تھیں۔

جناب داؤد علیہ السلام پر الٰہی نعمتیں

قرآن مجید اجمال کے بعد تفصیل کی اپنی خاص روش کے مطابق اب حضرت داؤد علیہ السلام پر نعمات الٰہی کی کچھ تفصیل بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "ہم نے اس کے لئے پہاڑ مسخر کر دیئے، اس طرح سے کہ صبح و شام وہ اس کے ساتھ تسبیح خدا کرتے تھے"۔ [1]

"نہ صرف پہاڑ بلکہ سب پرندے بھی اس کے لئے مسخر کر دیئے تا کہ ہمیشہ اس کے ہمراہ اللہ کی تسبیح کریں"۔ [2]

"یہ سب پرندے اور پہاڑ حکم داؤد کے مطیع تھے، اس کے ساتھ ہم آواز تھے اور اس کی طرف بازگشت کرنے والے تھے"۔ [3]

پرندے حضرت داؤدؑ کے ساتھ کس طرح ہم آواز تھے

مفسرین کی اس سلسلے میں مختلف آراء ہیں کہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے

---

[1] سورہ ص، آیت 18

[2] سورہ ص، آیت 19

[3] سورہ ص، آیت 19

ساتھ کس طرح ہم آواز تھے اور اس کی کیفیت کیا تھی؟ ان آراء کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ بعض کہتے ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی دلکش، جاذب اور دل گداز آواز تھی کہ جو پہاڑوں پر اثر انداز ہوتی تھی اور پرندوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی (لیکن یہ کوئی ایسی اہم فضیلت نہیں کہ قرآن اسے اس اہمیت کے ساتھ ذکر کرے۔)

2۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تسبیح ظاہری آواز کے ساتھ ساتھ ایک طرح کے ادراک وشعور کے ہمراہ تھی کہ جو ذرات عالم کے باطن میں ہے۔ اس نظریہ کے مطابق تمام موجودات عالم ایک قسم کی عقل اور شعور کے حامل ہیں اور جب یہ موجودات اس عظیم پیغمبر علیہ السلام کی مناجات کے وقت دل انگیز آواز سنتے تھے تو ان کے ساتھ ہم آواز ہو جاتے اور یوں سب باہم مل کر تسبیح کرتے۔

اگرچہ عالم کے تمام ذرات خدا کا ذکر، تسبیح اور حمد کرتے ہیں۔ خواہ کوئی داؤد علیہ السلام ان کے ساتھ ہم صدا ہو یا نہ ہو، لیکن داؤد علیہ السلام کا امتیاز یہ تھا کہ ان کے صدا بلند کرنے اور تسبیح کی نغمہ سرائی کے وقت ان موجودات کے اندر جو کچھ پوشیدہ تھا وہ آشکار وظاہر ہو جاتا تھا اور اندرونی زمزمہ بیرونی نغمہ کے ساتھ تبدیل ہو جاتا تھا، جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ''سنگریزہ'' کی تسبیح کے بارے میں بھی روایات آئی ہیں۔

ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ: ''داؤد علیہ السلام، دشت و بیابان کی طرف نکلے اور جس وقت آپؑ زبور کی تلاوت کرتے تو کوئی پہاڑ اور پتھر اور پرندہ ایسا نہ تھا کہ جو ان کے ساتھ ہم آواز نہ ہوتا ہو''۔

قرآن اس معنوی فضیلت کا ذکر کرنے کے بعد ایک مادی فضیلت کا بیان شروع کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اور ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔''

ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ خدا نے داؤد علیہ السلام کو معجزانہ طور پر لوہے کو نرم کرنے کا طریقہ سکھایا تھا: ''اس طرح سے کہ وہ اس سے زرہ بنانے کے لئے مضبوط و محکم اور پتلی پتلی

نازک قسم کی کڑیاں بنا سکیں"۔ [1]

2۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تسبیح ظاہری آواز کے ساتھ ساتھ ایک طرح کے ادراک وشعور کے ہمراہ تھی کہ جو ذرات عالم کے باطن میں ہے۔ اس نظریہ کے مطابق تمام موجودات عالم ایک قسم کی عقل اور شعور کے حامل ہیں اور جب یہ موجودات اس عظیم پیغمبر علیہ السلام کی مناجات کے وقت دل انگیز آواز سنتے تھے تو ان کے ساتھ ہم آواز ہو جاتے اور یوں سب باہم ملکر تسبیح کرتے۔

3۔ بعض نے اس احتمال کا ذکر بھی کیا ہے کہ یہ تسبیح تکوینی ہے کہ جو تمام موجودات زبان حال سے کرتے ہیں اور ان کا نظام خلقت اس امر کی بخوبی حکایت کرتا ہے کہ اللہ ہر عیب سے پاک ومنزہ ہے اور علم وقدرت اور ہر قسم کی صفات کمال کا حامل ہے۔

لیکن یہ بات حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں کہ اسے ان کی خصوصیات میں سے شمار کیا جائے۔ اس لحاظ سے مناسب تر دوسری تفسیر ہے اور یہ امر قدرت الہی سے بعید نہیں ہے۔ یہ ایک زمزمہ تھا کہ جو ان موجودات عالم کے اندر اور ان کے باطن میں ہمیشہ سے جاری تھا لیکن خدا نے قوت اعجاز سے اسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے ظاہر کیا جیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی پر سنگریزوں کا تسبیح کرنا مشہور ہے۔

یا یہ کہا جائے کہ داؤد علیہ السلام سے پہلے بھی جنگوں میں دفاع کے لئے لوہے کی سلیٹوں سے استفادہ ہوتا تھا، کہ جو بھاری بھی ہوتی تھیں، اور اگر انہیں پہنا جاتا تو وہ اتنی خشک اور بے لچک بھی ہوتی تھیں کہ جو جنگجو غازیوں کے لئے انتہائی پریشان کن ہوتی تھیں، کوئی بھی شخص اس زمانہ تک لوہے کی باریک اور مضبوط کڑیوں سے زرہ کی مانند کوئی ایسی چیز نہ بنا سکا تھا کہ جو لباس کی مانند آسانی کے ساتھ بدن پر آسکے اور بدن کی حرکات کے ساتھ نرم اور رواں رہے۔

قرآن کا ظاہر یہ ہے کہ لوہے کا داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں نرم ہونا، خدا کے حکم سے

---

[1] سورہ سبا، آیت 11

اور معجزانہ صورت میں انجام پذیر ہوتا تھا۔ اس بات میں کیا چیز مانع ہے کہ وہی ذات کہ جو بھٹی کو لوہا نرم کرنے کی خاصیت بخشتی ہے، اسی خاصیت کو ایک دوسری شکل میں داؤد علیہ السلام کے پنجوں میں قرار دے دے، بعض اسلامی روایات میں بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ خدا نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم ایک اچھے آدمی ہو، مگر تم بیت المال سے اپنی روزی حاصل کرتے ہو، داؤد علیہ السلام چالیس دن تک روتے رہے، (اور خدا سے اس کے حل کی درخواست کی) تو خدا نے لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا اور ہر روز ایک زرہ بنا لیتے تھے اور اس طرح سے وہ بیت المال سے بے نیاز ہو گئے۔ [1]

بہر حال داؤد علیہ السلام اس توانائی کے ذریعہ، کہ جو خدا نے انہیں دی تھی، بہترین طریق یعنی جہاد کا وسیلہ بنانے سے، ایسا وسیلہ جو دشمن سے حفاظت کرے۔ استفادہ کرتے تھے، اور اس سے زندگی کے عام وسائل میں ہرگز فائدہ نہ اٹھایا، اور عجب یہ کہ اس کی آمدنی سے بعض روایات کے مطابق۔ اپنی سادہ زندگی کی ضروریات پورا کرنے کے علاوہ کچھ نہ کچھ حاجت مندوں پر بھی خرچ کیا کرتے تھے، ان تمام باتوں کے علاوہ اس کا ایک فائدہ یہ تھا کہ وہ ان کا ایک بولتا ہوا معجزہ شمار ہوتا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش

قرآن میں حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کرنے کے بارے میں سادہ اور واضح گفتگو کی گئی ہے، اس ضمن میں جو تحریفات اور غلط تعبیرات کی گئی ہیں ان کے باعث لاشعوری طور پر

---

[1] یہ ٹھیک ہے کہ بیت المال ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کے لئے ہوتا ہے کہ جو معاشرے کی بغیر عوض کے خدمت کرتے ہیں، اور ایسے اہم بوجھ اٹھاتے ہیں کہ جو پسماندہ ہوں، لیکن یہ بات زیادہ بہتر ہے کہ انسان کسی خدمت کو بھی انجام دے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے (توانائی کی صورت میں) گذر اوقات کرے اور داؤد علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ وہ اسی قسم کے ممتاز بندے بنیں۔

مفسرین کے درمیان ایک بڑا نزاع پیدا ہوا ہے اس پر اس قدر شور و غوغا ہوا ہے کہ بعض مسلمان مفسرین بھی اس کی زد میں آ گئے ہیں اور انھوں نے اس عظیم نبی کے بارے میں غلط اور کہیں کہیں بہت ہی ناروا فیصلے کئے ہیں۔ ہم سب پہلے بغیر کسی تشریح کے آیات قرآنی کا متن پیش کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین خالی ذہن کے ساتھ آیات کا مفہوم سمجھ سکیں۔

قرآن میں پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کی خاص صفات بیان کی گئی تھیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا ذکر تھا۔ اس کے بعد اب دادرسی اور قضاوت کے سلسلے میں حضرت داؤد علیہ السلام کو پیش آنے والے ایک واقعے کا تذکرہ۔

پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ''کیا داؤد کی دیوار محراب سے اوپر جانے والے شکایت کنندگان کا واقعہ تجھ تک پہنچا ہے''۔ [1]

بہر حال حضرت داؤد علیہ السلام کے اردگرد اگرچہ بہت سے محافظین موجود تھے تاہم دو آدمی ایک جھگڑے کے سلسلے میں عام راستے سے ہٹ کر محراب اور دیوار قصر سے اوپر آئے اور اچانک آپؑ کے سامنے آ دھمکے۔

جیسا کہ قرآن حکیم اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے: ''وہ اچانک داؤد علیہ السلام کے سامنے آ نکلے (بغیر کسی اطلاع کے اور بغیر کسی اجازت کے) لہٰذا ان پر نظر پڑی تو داؤد علیہ السلام وحشت زدہ ہوئے اور گھبرائے۔'' [2]

کیونکہ انہیں خیال ہوا کہ ہو سکتا ہے ان لوگوں کا ان کے بارے میں غلط ارادہ ہو۔

لیکن انھوں نے بہت جلد آپؑ کی پریشانی دور کرتے ہوئے کہا: ''ڈریں نہیں، ہم دونوں ایک شکایت لے کر آپؑ کے پاس آئے ہیں۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے اور ہم آپ کے پاس دادرسی کے لئے آئے ہیں''

---

[1] سورہ ص، آیت 21

[2] سورہ ص آیت 22

''اب آپؑ ہمارے بارے میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور ظلم روا نہ رکھیں اور راہ راست کی طرف ہماری ہدایت کریں''۔ [1]

واضح رہے کہ اس مقام پر حضرت داؤد علیہ السلام کو زیادہ موقع نہ دیا۔ ایک نے شکایت کرنے میں پہل کی، کہنے لگا: ''یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں اور میرے پاس ایک سے زیادہ نہیں، لیکن یہ اصرار کرتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے دے دے، گفتگو میں یہ مجھ پر بھاری ہے اور مجھ سے زیادہ باتونی ہے''۔ [2]

حضرت داؤدؑ نے دوسرے فریق کی بات سنے بغیر شکایت کرنے والے سے کہا: اپنی بھیڑوں میں تیری بھیڑ کا اضافہ کرنے کے لئے اس نے تقاضا کر کے ظلم روا رکھا ہے۔ [3]

بہر حال یوں لگتا ہے کہ طرفین یہ بات سن کر مطمئن ہو گئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے یہاں سے چلے گئے۔ لیکن داؤد علیہ السلام سوچ میں پڑ گئے۔ انھوں نے فیصلہ تو عدل کی بنیاد پر کیا تھا کیونکہ اگر فریق ثانی کو مدعی کا دعویٰ قبول نہ ہوتا تو یقیناً وہ اعتراض کرتا ہے۔ اس کا سکوت اس امر کے لئے بہترین دلیل تھا کہ معاملہ وہی ہے جو شکایت کرنے والے نے پیش کیا ہے لیکن ان سب امور کے باوجود عدالتی اقتدار کا تقاضا تھا کہ داؤد علیہ السلام اپنی بات میں جلدی نہ کرتے بلکہ فریق ثانی سے بھی مخصوصاً سوال کرتے اور پھر فیصلہ سناتے۔ لہٰذا اس کام پر وہ خود پشیمان ہوئے، اور داؤد علیہ السلام نے گمان کیا کہ اس واقعے کے ذریعے، ہم نے اس کا امتحان لیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: ''اس نے استغفار کی، اپنے رب سے طلب بخشش کی، سجدے میں گر گیا اور توبہ کی''۔ [4]

---

[1] سورہ ص آیت 22

[2] سورہ ص آیت 23

[3] سورہ ص آیت 24

[4] سورہ ص آیت 24

بہر حال اللہ نے ان پر اپنا لطف و کرم کیا اور اس ترک اولیٰ میں ان کی لغزش کو معاف کردیا۔ جیسا کہ بعد کی ابحاث میں قرآن کہتا ہے: ''ہم نے اس کے عمل کو بخش دیا، اور وہ ہمارے نزدیک عالی مقام اور نیک مستقبل کا حامل ہے''۔ [1]

داؤد علیہ السلام کو پیش آمدہ واقعے کی حقیقت

قرآن مجید سے جو کچھ معلوم ہوتا وہ اس سے زیادہ نہیں کہ کچھ افراد دادخواہی کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب سے اوپر چڑھ کر آپ کی خدمت میں پہنچے۔ پہلے تو آپ گھبرا گئے۔ پھر شکایت کرنے والے کی بات سنی۔ ان میں سے ایک کے پاس ننانوے بھیڑیں تھیں، دوسرے کے پاس صرف ایک بھیڑ تھی، ننانوے بھیڑوں والا اپنے بھائی پر زور دے رہا تھا کہ وہ ایک بھیڑ بھی اسے دے دے۔ آپؑ نے شکایت کرنے والے کو سچا قرار دیا اور دوسرے کے اصرار کو ظلم قرار دیا۔ پھر اپنے کام پر پشیمان ہوئے اور اللہ سے معافی کا تقاضا کیا۔ خدا نے آپؑ کو بخش دیا۔

یہاں دو تعبیر زیادہ غور طلب ہیں۔ ایک آزمائش اور دوسری استغفار اور توبہ۔ اس سلسلے میں قرآن نے کسی واضح امر کی نشاندہی نہیں کی۔ لیکن قرآن میں غور و فکر اور ان آیات کی تفسیر کے سلسلے میں منقول روایات میں موجود قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام قضاوت میں بہت زیادہ علم و مہارت رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ آپؑ کو آزمائے لہٰذا آپؑ کو ایسے غیر معمولی حالات پیش آئے۔ (مثلاً ان آدمیوں کا عام راستے سے ہٹ کر محراب کے اوپر سے آپؑ کے پاس آپہنچا) آپؑ نے جلد بازی کی اور اس سے پہلے کہ فریق ثانی سے وضاحت طلب کرتے آپؑ نے فیصلہ سنا دیا اگرچہ فیصلہ عادلانہ تھا۔

---

[1] سورہ ص آیت 25

اگر چہ آپؑ بہت جلد اپنی اس لغزش کی طرف متوجہ ہو گئے اور وقت گزرنے سے پہلے اس کی تلافی کی۔ لیکن بہر حال جو کام آپؑ سے سرزد ہوا تھا وہ نبوت کے مقام بلند کے شایانِ شان نہ تھا۔ اس لئے آپؑ نے ترک اولیٰ پر استغفار کی اور اللہ نے بھی انہیں عفو و بخشش سے نوازا۔

مذکورہ تفسیر کی شاہد وہ قرآنی اشارہ ہے جو زیر بحث قرآنی گفتگو کے فوراً بعد آئی ہے۔ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''ہم نے تجھے زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا ہے، لہٰذا لوگوں کے درمیان حق و عدالت کے مطابق فیصلہ کر اور ہوا و ہوس کی پیروی نہ کر''۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش فیصلے کے طریقے میں تھی۔ لہٰذا اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس عظیم نبی علیہ السلام کی شان اور مقام کے خلاف ہو۔

موجودہ توریت کی خرافاتی داستان

اب ہم توریت کی طرف رجوع کرتے ہیں تا کہ دیکھیں کہ وہ اس سلسلے میں کیا کہتی ہے۔ نیز بعض ناآگاہ اور بے خبر افراد نے جو تفسیریں کی ہیں، ان کی اصل خبر بھی تلاش کرتے ہیں۔ توریت کی دوسری کتاب اشموئیل کی فصل 11 میں جملہ 2 تا 27 میں یوں بیان کیا گیا ہے اس داستان کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ

ایک روز داؤد علیہ السلام اپنے محل کی چھت پر جاتے ہیں۔ ساتھ والے گھر میں ان کی نظر پڑتی ہے تو انہیں ایک عورت غسل کرتے ہوئے برہنہ دکھائی دیتی ہے۔ وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر جیسے بن پڑتا ہے اسے اپنے گھر لے آتے ہیں اور وہ داؤد علیہ السلام سے حاملہ ہو جاتی ہے۔ اس عورت کا شوہر لشکر داؤد علیہ السلام کا ایک اہم افسر تھا۔ وہ ایک پاک طینت اور باصفا شخص تھا۔ داؤد علیہ السلام (نعوذ باللہ) ایک بزدلانہ سازش کے ذریعے اسے ایک خطرناک جنگ میں بھجوا کر قتل کروا دیتے ہیں

اور پھر اس کی بیوی کو قانونی طور پر اپنے نکاح میں لے آتے ہیں۔

اب آپ داستان کا باقی حصہ موجودہ توریت کی زبانی سنیں۔ اسی کتاب دوم اشموئیل علیہ السلام کی 12 ویں فصل میں ہے۔

خداوند نے "ناتان" (جو بنی اسرائیل کے ایک نبی اور جناب داؤد علیہ السلام کے مشاور تھے) کو داؤد علیہ السلام کے پاس بھیجا اور کہا:

ایک شہر میں دو آدمی رہتے تھے۔ ایک امیر تھا دوسرا غریب، امیر آدمی کے پاس بہت سی بھیڑیں اور گائیں تھیں۔ غریب کے پاس بھیڑ کے ایک بچے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک روز ایک مسافر امیر آدمی کے یہاں آیا۔ اس نے اپنی بھیڑوں میں سے مہمان کے لئے غذا تیار کرنے میں پس و پیش کیا۔ غریب کا بھیڑ کا بچہ لے کر اسے ذبح کر دیا۔

اب کیا ہونا تھا، داؤد علیہ السلام انتہائی غصے ہوئے۔ ناتان سے کہنے لگے: "بخدا جس نے یہ کام کیا وہ قتل کا مستحق ہے، اسے ایک بھیڑ کی جگہ پر چار بھیڑیں دینی چاہئیں"۔

لیکن ناتان نے داؤد علیہ السلام سے کہا: "وہ شخص تو ہے"۔

داؤد علیہ السلام اپنے غلط کام کی طرف متوجہ ہوئے اور توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کی لیکن اس کے باوجود ان پر بھاری مصیبتیں آئیں۔

اس مقام پر توریت میں ایسی عبارت ہے جس کے ذکر سے قلم کو شرم آتی ہے لہٰذا ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔ توریت کی داستان کے اس حصے میں بعض نکات خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہیں، مثلاً:

1۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس کوئی شخص قضاوت کے لئے نہیں آیا، بلکہ ان کے ایک مشیر جو نبی تھے انھوں نے نصیحت کے طور پر ان سے ایک داستان بیان کی۔ اس میں دو بھائیوں کا واقعہ اور ان میں سے ایک کا دوسرے سے تقاضا کرنا مذکور نہیں ہے بلکہ ایک امیر اور ایک غریب آدمی کا ذکر ہے جن میں سے ایک کے پاس بہت سی بھیڑیں اور گائیں تھیں جبکہ دوسرے کے

پاس بھیڑ کا صرف ایک بچہ تھا لیکن امیر آدمی نے اپنے مہمان کے لئے غریب آدمی کی بھیڑ کا بچہ ذبح کر دیا۔ اس واقعے میں نہ محراب کی دیوار سے اوپر جانے کا ذکر ہے، نہ آپؑ کے وحشت زدہ ہو جانے کی بات ہے، نہ دو بھائیوں کے دعوے کا معاملہ ہے اور نہ ہی توبہ و بخشش کی درخواست کا بیان ہے۔

2۔ داؤد علیہ السلام نے اس ظالم امیر شخص کو قتل کا مستحق سمجھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک بھیڑ کے لئے آخر قتل کیوں؟

3۔ ساتھ ہی انھوں نے اس حکم کے خلاف حکم صادر کیا اور کہا کہ ایک بھیڑ کے بدلے اسے چار بھیڑیں دینی چاہئیں، آخر کس بناء پر؟

4۔ داؤد علیہ السلام نے "اوریا" کی بیوی کے بارے میں خیانت سے متعلق اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔

5۔ خدا نے انہیں معاف کر دیا (اتنی آسانی سے، کس بناء پر؟)۔

6۔ اللہ نے داؤد علیہ السلام کے بارے میں عجیب و غریب سزا کا فیصلہ کیا کہ جسے نقل نہ کرنا بہتر ہے۔

7۔ یہی عورت ایسے "روشن ماضی" کے باوجود سلیمان علیہ السلام کی ماں بنی ان داستانوں کا ذکر واقعتاً تکلیف دہ ہے لیکن کیا کیا جا سکتا ہے کہ بعض جاہل افراد نے نادانی سے ان اسرائیلی روایات کے زیر اثر قرآن مجید کی پاک و پاکیزہ آیات کا چہرہ سیاہ کر دیا ہے اور ایسی باتیں کہی ہیں کہ حق کو واضح کرنے کے لئے اس رسوا داستان کا کچھ حصہ ذکر کیے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

اب ہم سوال کرتے ہیں:

1۔ وہ نبی کہ قرآن میں اللہ نے جس کے دس عظیم اوصاف بیان کئے ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو جس کی سرگزشت سے ہدایت حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے، کیا ممکن ہے کہ ان تہمتوں کے ہزارویں حصے کی بھی اس کی طرف نسبت دی جا سکے؟

2۔قرآن مجید بعد کی آیات میں کہتا ہے:

"یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ۔"

اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں اپنا خلیفہ اور نمائندہ بنایا۔

کیا یہ آیت مذکورہ خرافات سے ہم آہنگ ہے؟

3۔اگر کوئی عام شخص ہو، خدا کا نبی نہ ہو اور وہ اس قسم کے جرم کا مرتکب ہو، اپنے وفادار پاک طینت باایمان افسر کی بیوی کو ایسے گھٹیا طریقے سے اس کے ہاتھوں سے کھسکا لے تو لوگ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کریں گے اور اس کی سزا کیا ہوگی؟ یہاں تک کہ اگر یہ کام افسق الفاسقین سے سرزد ہو تب بھی جائے تعجب ہے۔

یہ صحیح ہے کہ توریت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو پیغمبر قرار نہیں دیا تاہم ان کا ذکر ایک بلند مرتبہ عادل حکمران کے طور پر کیا ہے، کہ جو بنی اسرائیل کے عظیم عبادت خانے کا موسس تھا۔

4۔یہ بات قابل توجہ ہے کہ توریت کی مشہور کتب میں سے ایک "مزامیر داؤد علیہ السلام" ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی مناجات ہیں۔کیا ایسے شخص کی مناجات اور باتیں کتب آسمانی کا حصہ قرار دی جاسکتی ہیں؟

5۔جو شخص تھوڑی سی عقل بھی رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ موجودہ تحریف شدہ توریت کی داستانیں خرافات کا ایسا مجموعہ ہیں جو کتب انبیاء کے دشمنوں یا بہت ہی بے شعور اور جاہل افراد کی ساختہ وپرداختہ ہیں۔لہٰذا انہیں کس طرح بحث کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے؟

جی ہاں قرآن کی یہ عظمت ہے کہ وہ ایسی خرافات سے بالکل پاک ہے۔

اسلامی روایات میں توریت کی بیان کردہ قبیح اور بے ہودہ داستان کی نہایت سختی سے تکذیب کی گئی ہے۔ان میں سے ایک روایت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے۔آپؑ نے فرمایا: اگر کسی ایسے شخص کو میرے پاس لایا جائے کہ جو یہ کہے کہ داؤد علیہ السلام نے "اوریا" کی بیوی سے شادی کی ہو تو میں اس پر دو حدیں جاری کروں گا ایک حد نبوت کیلئے اور دوسری اسلام کیلئے۔

کیونکہ اس میں ایک طرف تو ایک مردمومن کی طرف ایک غیر شرعی امر کی نسبت ہے اور دوسری طرف مقام نبوت کی ہتک حرمت ہے۔ لہٰذا ایسی بات کرنے والے پر دو مرتبہ حد قذف جاری ہونی چاہئے اور اسے دو مرتبہ اسّی (80) کوڑے لگائے جانے چاہئیں۔

جب امام رضا علیہ السلام سے "اوریا" کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

"حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں جن عورتوں کے شوہر مر جاتے یا قتل ہو جاتے وہ پھر کبھی شادی نہ کرتی تھیں (اور یہ امر بہت سی برائیوں اور قباحتوں کی بنیاد تھا) حضرت داؤد علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جن پر اللہ نے اس کام کو مباح قرار دیا (تاکہ یہ رسم ختم ہو جائے اور بیوہ عورتیں اس مصیبت سے نجات پائیں) لہٰذا جب اوریا (اتفاق سے ایک جنگ میں) مارا گیا تو داؤد علیہ السلام نے ان کی بیوی سے شادی کر لی، اور یہ امر اس زمانے کے لوگوں پر بہت گراں گزرا (اور بعد ازاں اس پر انھوں نے افسانے گھڑ لئے)"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ "اوریا" کی ایک سادہ سی حقیقت کی بنیاد پر تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک کام الٰہی ذمہ داری کے طور پر انجام دیا تھا۔ لیکن دانا دشمنوں، نادان دوستوں اور افسانہ پردازوں نے کہ جنھیں عجیب و غریب باتیں بنانے اور جھوٹ گھڑنے کی عادت تھی اس واقعے پر خوب حاشیہ آرائی کی اور ایسی ایسی باتیں بنائی کہ انسان کو وحشت ہوتی ہے۔

کسی نے کہا: اس شادی کی کچھ نہ کچھ بنیاد تو ضرور ہے۔

دوسرے نے کہا: ضروری بات ہے کہ "اوریا" کا گھر داؤد علیہ السلام کی ہمسائیگی میں ہوگا۔

آخر کسی نے داؤد علیہ السلام کی نظریں اوریا کی بیوی پر ڈلوائیں، پرندے کا قصہ گھڑا۔

آخر کار اس عظیم پیغمبر کو طرح طرح کے شرمناک گناہان کبیرہ سے متہم کیا گیا۔ پھر بے وقوف جاہلوں نے ایک زبان سے دوسری زبان تک پہنچایا اور اگر اس افسانے کا ذکر مشہور کتب میں نہ ہوتا تو ہم بھی اسے نقل کرنا غلط سمجھتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا باشرف بیٹا عطا فرمانے کی خبر دی گئی ہے کہ جو ان کی حکومت و رسالت کو باقی و جاری رکھنے والے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: "ہم نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام عطا کیا، کیا ہی اچھا بندہ تھا کیونکہ وہ ہمیشہ دامن خدا کی طرف اور آغوش حق کی طرف لوٹتا تھا"۔ [1]

قرآن مجید؛ موجودہ توریت کے برخلاف کہ جو سلیمان علیہ السلام کو ایک جبار، بت خانہ ساز اور عورتوں کی ہوس میں مبتلا بادشاہ کے طور پر متعارف کراتی ہے۔ سلیمان علیہ السلام کو خدا کا ایک عظیم پیغمبر شمار کرتا ہے، اور انہیں قدرت اور بے نظیر حکومت کے نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہے، اور سلیمان علیہ السلام سے مربوط مباحث کے دوران بہت ہی عظیم درس انسانوں کو دیتا ہے، ان داستانوں کے ذکر کرنے کا اصل مقصد وہی ہے۔

خدا نے اس بزرگ پیغمبر کو بہت ہی عظیم نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔

بہت ہی سریع اور تیز رو سواری کہ جس کے ذریعے وہ مختصر سی مدت میں اپنے سارے ملک کی سیر کر سکتے تھے۔

مختلف صنعتوں کے لئے فراواں معدنی مواد۔

اس معدنی مواد کو استعمال کرنے کے لئے کافی فعال قوت۔

---

[1] سورہ ص آیت 30

انہوں نے ان وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے بڑے عبادت خانے بنائے اورلوگوں کو عبادت کی طرف ترغیب دی،علاوہ ازیں حکومت کی فوجوں، کارکنوں اور کمزور لوگوں کے طبقات کی پذیرائی کے لئے وسیع وعریض پروگرام منظم کیا، کہ جس کے برتنوں کے نمونہ سے، باقی چیزوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ان تمام نعمتوں کے مقابلہ میں انہیں شکر گزاری کا حکم دیا، اس مطلب پر تاکید کرتے ہوئے کہ خدا کی نعمتوں کے شکر کا حق بہت ہی کم لوگ ادا کرسکتے ہے۔

اس کے بعد یہ واضح وروشن کیا کہ ایک شخص اس قدرت وعظمت کے باوجود موت کے مقابلہ میں کتنا کمزور اور ناتواں تھا، کہ وہ ایک ہی لمحہ میں ناگہانی موت کے ذریعہ دنیا سے چل بسا، اس طرح سے کہ اجل نے اسے بیٹھنے یا بستر پر لیٹنے کی مہلت بھی نہ دی، تاکہ مغرور سرکشی کرنے والے یہ گمان نہ کرلیں۔

کہ اگر وہ کسی مقام پر پہنچ جائیں اور قدرت وقوت حاصل کرلیں تو واقعی طور پر وہ توانا ہوگئے ہیں، وہ جس کے سامنے جن اور انسان، شیطان وپری خدمت میں لگے ہوئے تھے۔

اور زمین وآسمان جس کی جولانگاہ تھے، اور جس کی حشمت اور شان وشوکت میں جو بھی شک کرے اس کی عقل وفکر پر مرغ وماہی قہقہہ لگائیں، اور وہ ایک مختصر سے لمحہ میں سمندر کی موجوں پر ابھرنے والے بلبلے کی طرح محو ونابود ہوگیا۔

اور یہ بھی واضح وروشن کردے کہ ایک ناچیز عصا اسے ایک مدت تک کس طرح اٹھائے رہا اور ''جن'' اسے کھڑے ہوئے یا بیٹھے ہوئے دیکھتے رہنے کی وجہ سے کیسے سرگرمی کے ساتھ اپنے کاموں میں مشغول رہے؟

اور یہ بھی (دکھادے) کہ دیمک نے انہیں کس طرح زمین پر گرایا اور ان کے ملک کے تمام رشتوں کو توڑ کے رکھ دیا۔ ہاں ایک عصا ہی اس وسیع وعریض ملک کی فعال قوت کو بروئے کار لائے ہوئے تھا اور ایک چھوٹی سے دیمک نے اس کو حرکت سے روک دیا۔

سلیمان علیہ السلام کا سخت امتحان

قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی کا ایک دوسرا حصہ بیان کیا کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمایا۔اس میں ایک ''ترک اولیٰ'' پیش آیا۔اس کے بعد جناب سلیمان علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی کا رخ کیا اور اس ترک اولیٰ پر توبہ کی۔ [1] قرآن کہتا ہے:''ہم نے سلیمان علیہ السلام کا امتحان لیا اور اس کی کرسی پر ایک دھڑ ڈال دیا، پھر اس نے بارگاہ خداوندی کی طرف رجوع کیا اور اس کی طرف لوٹا''۔ [2]

کلام الٰہی سے اجمالی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی آزمائش بے جان دھڑ کے ذریعے ہوئی تھی وہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے تخت پر رکھ دیا گیا تھا لیکن اس سلسلے میں قرآن میں کوئی وضاحت نہیں۔محدثین ومفسرین نے اس سلسلے میں روایات تفاسیر بیان کی ہیں ان میں سے زیادہ قابل توجہ اور واضح یہ ہے کہ:سلیمان علیہ السلام کی آرزو تھی کہ انہیں باشرف اور شجاع اولاد نصیب ہو جو ملک کا نظام چلانے اور خاص طور پر دشمنوں کے خلاف جہاد میں ان کی مدد کرے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کی متعدد بیویاں تھیں۔انھوں نے دل میں ارادہ کیا کہ میں ان سے ہم بستر ہوتا ہوں تاکہ مجھے متعدد بیٹے نصیب ہوں کہ جو میرے مقاصد میں میری مدد کریں۔

لیکن اس مقام پر ان سے غفلت ہوئی اور آپ نے ''انشاء اللہ'' نہ کہا کہ جو انسان کے

---

[1] قرآن مجید میں چونکہ یہ واقعہ مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے لہٰذا افسانہ طرازوں اور خیال پردازوں نے فائدہ اٹھایا اور بے بنیاد خیالی داستانیں بنا ڈالیں۔انھوں نے اس عظیم نبی کی طرف بعض ایسی چیزیں منسوب کیں جو یا تو اساس نبوت کے خلاف ہیں یا مقام عصمت کے منافی ہیں یا اصولی عقل ومنطق ہی کے برخلاف ہیں۔یہ باتیں تمام محققین قرآن کے لئے خود ایک آزمائش ہیں۔حالانکہ قرآن کے متن میں جو کچھ کہا گیا ہے اگر اسی پر قناعت کر لی جاتی تو ان بے ہودہ افسانوں کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

[2] سورہ ص، آیت 36

ہر حالت میں اللہ پر تکیہ کا غماز ہے۔

لہٰذا اس زمانے میں ان کی بیویوں سے کوئی اولاد نہ ہوئی سوائے ایک ناقص الخلقت بچے کے۔ وہ بے جان دھڑ کے مانند تھا کہ جو لا کر ان کے تخت پر ڈال دیا گیا۔

سلیمان علیہ السلام سخت پریشان اور فکر مند ہوئے کہ انھوں نے ایک لمحے کے لئے اللہ سے غفلت کیوں کی اور کیوں اپنی طاقت پر بھروسہ کیا اس لئے انھوں نے توبہ کی اور بارگاہ الٰہی کی طرف رجوع کیا۔ [1]

قرآن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی توبہ کا مسئلہ پھر تفصیل سے بیان کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''اس نے کہا: پروردگار مجھے بخش :ے۔ اور مجھے ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کے شایاں نہ ہو کیونکہ تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے''۔ [2]

---

[1] ''کرسی'' کا معنی ہے ''چھوٹے پاؤں والا تخت'' یوں معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کے پاس دو طرح کے تخت ہوتے تھے۔ ایک تخت عام استعمال کے لئے ہوتا تھا جس کے پاؤں چھوٹے ہوتے تھے اور دوسرا تخت خصوصی پروگراموں کے لئے ہوتا تھا کہ جس کے پائے بلند ہوتے تھے۔ پہلی قسم کے تخت کو ''کرسی'' کہا جاتا تھا اور دوسری قسم کے تخت کو ''عرش'' کہتے تھے۔

باقی رہے جھوٹے اور قبیح افسانے کہ جن کا ذکر بعض کتب میں بڑی آب و تاب سے کیا گیا ہے۔ ظاہراً ان کی جڑ علمود کے یہودیوں کی طرف جاتی ہے اور یہ سب اسرائیلیات اور خرافات ہیں کوئی عقل و منطق انہیں قبول نہیں کرتی۔ ان قبیح افسانوں میں کہا گیا ہے سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کھو گئی تھی یا وہ کسی شیطان نے چھین لی تھی اور خود ان کی جگہ تخت پر آ بیٹھا تھا وغیرہ وغیرہ۔

یہ افسانے ہر چیز سے قبل انہیں گھڑنے والوں کے انحطاط فکری کی دلیل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محققین اسلام نے جہاں کہیں ان کا نام لیا ہے ان کے بے بنیاد ہونے کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نہ تو مقام نبوت اور حکومت الٰہی انگوٹھی سے وابستہ ہے اور نہ کبھی یہ مقام اللہ اپنے کسی نبی سے چھینتا ہے اور نہ کبھی شیطان کو نبی کی شکل میں لاتا ہے، چہ جائیکہ افسانہ طرازوں کے مطابق وہ چالیس دن تک نبی کی جگہ پر بیٹھے اور لوگوں کے درمیان حکومت و قضاوت کرے۔

[2] سورہ ص آیت 35

سلیمان علیہ السلام کی وسیع حکومت

اللہ نے سلیمان علیہ السلام کی درخواست قبول کر لی اور انہیں خصوصی امتیازات اور عظیم نعمات والی حکومت عطا کی۔ ان امتیازات و نعمات کا پانچ حصوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

ہواؤں پر قبضہ

خدا کی پہلی نعمت تھی ہواؤں کا ایک رہوار اور سواری کی طرح تابع ہونا۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے: "ہم نے ہوا کو اس کے تابع کر دیا تاکہ اس کے حکم کے مطابق آرام سے چلے اور جہاں کا وہ ارادہ کرے جا سکے"۔ [1] واضح ہے کہ ایک وسیع و عریض حکومت میں تیز رفتار رابطوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بوقت ضرورت سربراہ حکومت تیزی کے ساتھ ملک کے تمام علاقوں میں آ جا سکے۔ اللہ نے یہ امتیاز حضرت سلیمان علیہ السلام کو دے رکھا تھا۔ [2]

جنوں پر بھی حکومت

دوسری نعمت اللہ تعالیٰ نے جناب سلیمان علیہ السلام کو یہ عطا کی تھی کہ سرکش موجودات ان کے لئے مسخر کر دیئے گئے تھے اور ان کے لئے اختیار میں دے دیئے گئے تھے تاکہ آپ ان سے مثبت کام لے سکیں۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا: خلاصہ یہ کہ وہ کیسا اسرار آمیز وسیلہ تھا کہ جو اس

---

[1] سورہ ص، آیت 36

[2] ہوا کیسے ان کے تابع فرمان تھی؟ کتنی تیزی سے چلتی تھی؟ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے ساتھی ہوا کے ذریعہ سفر کرتے ہوئے کس چیز پر سوار ہوتے تھے؟ اور کون سے عوامل انہیں گرنے سے بچاتے تھے اور ہوا کے دباؤ کی کمی بیشی اور دیگر مشکلات کے مواقع پر ان کی حفاظت کرتے تھے؟

زمانے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں تھا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کی جزئیات اور خصوصیات کے بارے میں جواب ہمارے سامنے واضح نہیں ہے ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ یہ ایک معجزہ تھا جیسے معجزے نبی کے اختیار میں دیئے جاتے تھے۔ یہ ایک عام اور معمول کے مطابق بات نہ تھی۔ یہ ایک عظیم نعمت اور اعجاز تھا اور ایسا کرنا قدرت الٰہی کے لئے سادہ اور آسان کام ہے۔ نیز ایسے بہت سے مسائل ہیں کہ اصولی طور پر تو ہم انہیں جانتے ہیں لیکن ان کی جزئیات سے ہم واقف نہیں ہیں۔

''اور ہم نے شیطانوں کو اس کے لئے مسخر کر دیا اور ان میں سے ہر معمار اور غواص کو اس کا تابع فرمان بنا دیا''۔ [1]

تاکہ ان میں سے کچھ خشکی میں اس کے کہنے کے مطابق تعمیرات کریں اور کچھ دریا میں غواصی اور غوطہ زنی کے کام آئیں۔

اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے مثبت کاموں کے لئے موجود قوت ان کے اختیار میں دے دی۔ شیطان کہ جن کے مزاج ہی میں سرکشی ہے وہ ان کے لئے اس طرح سے مسخر ہو گئے کہ ان سے تعمیری اور اصلاحی کام کیا جانے لگا اور گراں بہا منابع سے استفادہ کے لئے وہ استعمال ہونے لگے۔

قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھے اور ان کے حکم کے مطابق مثبت کام کرتے تھے۔ البتہ بعض مقامات پر ''شیاطین'' کا لفظ ہے، جبکہ بعض مقامات پر ''جن'' کا لفظ ہے۔

''جن'' ایک ایسا موجود ہے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے لیکن عقل و شعور اور طاقت کا حامل ہے۔ نیز جنوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ حکم خدا

[1] سورہ ص، آیت 37

سے وہ ایک نبی کے تابع فرمان ہو جائیں اور مفید کام انجام دیں۔ [1]

جنوں کے بارے میں لوگوں نے بہت سے بیہودہ افسانے اور داستانیں گھڑ رکھی ہیں، لیکن اگر ہم ان خرافات کو ترک کر دیں، تو ان کا اصل وجود اور مخصوص صفات، جو قرآن میں جنوں کے لئے بیان ہوئی ہیں، ایک ایسے مطلب کا حامل ہے جو علم وعقل سے قطعاً بعید نہیں ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ طاقت دی تھی کہ وہ تمام سرکشوں کو اپنے سامنے جھکا سکیں۔ جیسا کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم طاقت کی تسخیر بھی پروردگار کے فرمان سے ہی تھی "اور جس وقت وہ اپنے وظائف اور ذمہ داریوں سے سرتابی کرتے تھے تو انہیں سزا دی جاتی تھی"۔ [2]

قرآن کریم واقعہ کو جاری رکھتے ہوئے جنوں کے اہم تولیدی کاموں کے ایک حصہ کی طرف (جو وہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے انجام دیتے تھے) اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"سلیمان علیہ السلام جو کچھ چاہتے تھے وہ ان کے لئے، عبادت خانوں، تمثالوں، حوض کے مانند بڑے بڑے کھانوں کے برتنوں اور زمین میں ثابت (جمی ہوئی یا گڑی ہوئی) دیگوں سے، تیار کر کے دیتے تھے"۔ [3]

ان میں سے ایک حصہ تو معنوی اور عبادت کے مسائل سے مربوط تھا، اور ایک حصہ انسانوں کی جسمانی ضروریات اور ان کے عظیم لشکریوں اور کارکنوں کی جمعیت کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔

بہر حال سلیمان علیہ السلام کے یہ فعال اور چابک دست کارندے، بڑے بڑے باشکوہ

---

[1] یہ احتمال بھی ہے کہ لفظ "شیاطین" کا ایک وسیع تر معنی ہو کہ جس میں سرکش انسان بھی شامل ہوں اور ان کے علاوہ بھی۔ لفظ "شیطان" کا اطلاق قرآن مجید میں اس وسیع مفہوم پر ہوا ہے۔ (مثلاً سورہ انعام کی آیت 112)

[2] سورہ سباء آیت 12

[3] سورہ سباء آیت 13

عبادت خانے، کہ جو حکومت الٰہیہ اور اس کی مذہبی سلطنت کے لائق تھے،

اس کے لئے بناتے تھے تاکہ لوگ راحت و آرام کے ساتھ اپنے عبادت کے فرئض کو انجام دے سکیں۔

تماثیل کہ جسکا نام قرآن میں لیا گیا ہے "تمثال" کی جمع ہے۔ یہ بیل بوٹو اور تصویر کے معنی میں آیا ہے، اور مجسمہ کے معنی میں بھی،

اس بارے میں کہ یہ مجسمے یا نقوش، کون سے موجودات کی صورتیں تھیں، اور سلیمان علیہ السلام نے ان کی تیاری کا حکم کیوں دیا تھا مختلف تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔

ممکن ہے کہ یہ زیب و زینت اور سجاوٹ کا پہلو رکھتے ہوں، جیسا کہ ہماری اہم قدیمی بلکہ جدید عمارتوں میں بھی نظر آتا ہے۔ یا یہ ان عمارتوں کا رعب اور دبدبہ بڑھانے کے لئے ہو، کیونکہ کچھ حیوانات مثلاً شیر کی تصویر، بہت سے لوگوں کے افکار میں رعب و دبدبہ پیدا کرنے والی ہے۔

شریعت موسیٰ علیہ السلام اور مجسمہ سازی

کیا سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں ذی روح موجودات کا مجسمہ بنانا جائز تھا۔ جبکہ یہ اسلام میں ممنوع ہے؟

یا جو مجسمے وہ سلیمان علیہ السلام کے لئے بناتے تھے، غیر ذی روح کی جنس سے تھے، مثلاً درختوں پہاڑوں، سورج، چاند اور ستاروں کی تصویریں۔ یا ان کے لئے صرف دیواروں پر نقش و نگار کیا کرتے تھے جیسا کہ قدیمی تاریخی آثار میں اکثر گلکاروں کی صورت میں نظر آتی ہیں، اور ہم یہ جانتے ہیں کہ نقش و نگار چاہے جیسے بھی ہوں، مجسمہ کے برخلاف، حرام نہیں ہیں۔

یہ سب احتمالات ہیں، چونکہ اسلام میں مجسمہ سازی کو حرام قرار دیا جاتا ہے ممکن ہے کہ بت پرستی کے مسئلہ کے ساتھ شدید مبارزہ کرنے اور اس کی بیخ کنی کی خاطر ہو، اور سلیمان علیہ السلام

کے زمانے میں اس بات کی اتنی ضرورت نہ ہو، اور یہ حکم ان کی شریعت میں نہ ہو۔ لیکن ایک روایت میں جو امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے یہ بیان کیا گیا ہے:

"خدا کی قسم سلیمان علیہ السلام کے حکم سے بنائی جانے والی تمثال مردوں اور عورتوں کے مجسمے نہ تھے، بلکہ درخت وغیرہ کی تصویریں تھیں"۔

پس معلوم ہوا کہ ذی روح کا مجسمہ بنانا ان کی شریعت میں بھی حرام تھا۔

شیاطین زنجیروں میں

تیسری نعمت اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ عنایت کی تھی کہ انھوں نے تخریب کار اور فسادی قوتوں پر قابو پا رکھا تھا، کیونکہ بہر حال بعض شیاطین ایسے بھی تھے کہ جن سے ایک مفید او راصلاحی قوت کے طور پر کام نہیں لیا جا سکتا تھا اور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہ تھا کہ وہ قید و بند میں رہیں تا کہ معاشرہ ان کی مزاحمت سے پیدا ہونے والے شر سے محفوظ رہے۔ جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ اور شیطانوں کا ایک اور گروہ اس کے قابو میں زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ [1]

چوتھی نعمت اللہ تعالٰی نے جناب سلیمان کو یہ دی تھی کہ انہیں بہت سے اختیارات دے رکھے تھے کہ جن کی وجہ سے کسی کو کچھ عطا کرنے اور یا نہ کرنے میں وہ صاحب اختیار تھے۔ جیسا کہ قرآن نے کہا ہے کہ: "ہم نے اس سے کہا: یہ ہماری عطا و بخشش ہے جسے تو (مصلحت کے مطابق) چاہتا ہے عطا کر اور جس سے تو (مصلحت کے مطابق) روکنا چاہتا ہے روک لے تجھ پر

---

[1] سورہ ص، آیت 38

البتہ یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر "شیاطین" سے مراد "شیاطین جن" ہیں کہ جو فطری طور پر جسم لطیف رکھتے ہیں او پھر زنجیر اور ہتھکڑیاں ان کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتیں۔ اس لئے بعض نے کہا ہے کہ یہ تعبیر انہیں تخریبی کاروائیوں سے باز رکھنے کے معنی کے لئے کنایہ ہے۔

کوئی حساب نہیں ہے"۔ [۱]

پانچویں نعمت جو اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی وہ ان کا روحانی مقام تھا کہ جو اللہ نے ان کی اہلیت وقابلیت کی بناء پر انہیں مرحمت فرمایا تھا۔

جیسا کہ زیر بحث گفتگو میں قرآن نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے: "اس کے لئے ہمارے پاس بلند مقام اور نیک انجام ہے"۔ [۲]

یہ جملہ درحقیقت ان لوگوں کا جواب ہے جنھوں نے اس عظیم نبی کے مقام مقدس پر طرح طرح کی ناروا اور بے ہودہ تہمتیں لگانے میں موجودہ توریت کی پیروی کی۔

اس آیت میں قرآن حضرت سلیمان علیہ السلام کو تمام تہمتوں سے مبرا قرار دے رہا ہے اور خدا کے یہاں ان کے معزز مقام کی خبر دے رہا ہے۔

یہاں تک کہ "حسن مآب" کہہ کر ان کے انجام بخیر کی خبر بھی دی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ توریت میں آنے والی اس ناروا نسبت کی نفی ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بت پرستوں میں شادی کی تھی۔

جس وجہ سے ان کا میلان بت پرستی کی طرف ہوگیا تھا۔ موجودہ توریت یہاں تک کہتی ہے کہ انھوں نے بت خانہ بنایا تھا، لیکن قرآن "حسن مآب" کہہ کر ان تمام اوہام وخرافات پر خط بطلان کھینچ رہا ہے۔

---

[۱] سورہ ص، آیت 38

"بغیر حساب" یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے تیرے مقام عدالت کی بناء پر تجھے وسیع اختیارات دیئے ہیں اور تجھ سے پوچھ گچھ نہ ہوگی، یا اس کا معنی یہ ہے کہ عطائے الٰہی تجھ پر اس قدر ہے کہ جس قدر بھی تو بخشش دے اس میں حساب نہیں ہوگا۔

[۲] سورہ ص، آیت 40

حضرت سلیمان علیہ السلام وادی نمل میں

قرآنی آیات سے یہ بات بخوبی سمجھی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی داستان حکومت کوئی عام سا واقعہ نہیں ہے۔

درحقیقت خداوند عالم نے ایسی عظیم حکومت کے قیام اور اتنی عظیم طاقتیں جناب سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر کے اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمایا ہے اور ایک موحد انسان کے نزدیک قدرت خدا کے آگے یہ کام بالکل آسان ہے۔قرآن میں سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: "سلیمان علیہ السلام کے پاس جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع ہو گئے"۔ [1]

لشکر والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے حکم دیا جاتا کہ "اگلی صفوں کو روکے رکھیں اور پچھلی صفوں کو چلاتے رہیں تاکہ سب مل کر حرکت کریں"۔ [2]

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کسی علاقے پر لشکر کشی کی تھی لیکن اس لشکر کشی کی تفصیل واضح طور پر معلوم نہیں ہے۔چونکہ قرآن "وادی نمل" کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

لہٰذا بعض مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ وہ "وادی النمل" (چیونٹیوں کی سرزمین) طائف کے قریب کا علاقہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ شام کے نزدیک کی سرزمین ہے۔" بہر حال جناب سلیمان علیہ السلام اس عظیم لشکر کے ساتھ چلے حتیٰ کہ چیونٹیوں کی سرزمین پر پہنچ گئے"۔ [3]

---

[1] سورہ نمل آیت 17

[2] سورہ نمل آیت 17

[3] سورہ نمل آیت 18

البتہ ضمنی طور پر اس جملے سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ سلیمانؑ کی عدالت چیونٹیوں تک پر آشکار ہو گئی کیونکہ اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ اس بات کی طرف متوجہ ہوں تو ایک کمزور سی چیونٹی کو بھی پامال کرنا گوارا نہیں کرتے چنانچہ اگر وہ پامال کرتے ہیں تو ان کی اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔

یہاں پر چیونٹیوں میں سے ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے مخاطب ہو کر کہا: "اے چیونٹیو اپنے اپنے بلوں میں چلی جاؤ تا کہ سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں پامال نہ کر دے۔" [1]

"سلیمان علیہ السلام یہ سن کر مسکرا دیئے اور ہنسے"۔ [2]

حضرت سلیمان علیہ السلام کس وجہ سے ہنسے؟ اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ ظاہر امر یہ ہے کہ بذات خود یہ قضیہ ایک عجیب چیز تھی کہ ایک چیونٹی اپنے ساتھیوں کو سلیمان علیہ السلام کے عظیم لشکر سے آگاہ کرے اور اس کی بے توجہی کا ذکر کرے اور یہی عجب امر جناب سلیمان علیہ السلام کے ہنسنے اور مسکرانے کا سبب بنا۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کی یہ ہنسی، خوشی کی ہنسی تھی کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ چیونٹی تک کی مخلوق ان کی اور ان کے لشکر والوں کی عدالت اور تقویٰ کا اعتراف کرتی ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آپ کی خوشی کا سبب یہ تھا کہ خداوند عالم نے انہیں ایسی قدرت عطا فرمائی ہے کہ لشکر عظیم کے شور وغل کے باوجود وہ چیونٹی جیسی مخلوق کی آواز سے غافل نہیں ہیں۔

بہر حال وجہ خواہ کچھ بھی ہو، اس موقع پر جناب سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں چند معروضات پیش کیں۔ پہلی یہ کہ "خداوند جو نعمتیں تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں ان کا شکر کرنے کا طریقہ مجھے سکھا دے"۔ [3]

دوسری یہ کہ "مجھے توفیق عطا فرما تا کہ ایسا نیک عمل بجا لاؤں کہ جس سے تو راضی ہو"۔

---

[1] سورہ نمل آیت 18

[2] سورہ نمل آیت 19

[3] سورہ نمل آیت 19

[1]

آخر میں تیسری عرضداشت یہ پیش کی کہ "پروردگارا مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے صالح بندوں کے زمرے میں شامل فرما"۔ [2]

جناب سلیمان علیہ السلام کا جانوروں کی بولی جاننا

حیوانات کی دنیا کے بارے میں ہمیں زیادہ معلومات نہیں ہیں اور اس بارے میں تمام ترقی کے باوجود ابھی تک اس پر شک وابہام کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ البتہ بہت سے کاموں میں ہم ان کی فہم، سمجھ اور مہارت کے آثار ضرور دیکھتے ہیں۔

شہد کی مکھیوں کا گھر بنانا، شہد کے چھتے کا منظم و مضبوط کرنا، چیونٹیوں کا موسم سرما کی ضروریات کے لئے اپنی غذا کو جمع کرنا۔

سلیمان علیہ السلام اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ دیکھتے ہیں

قرآن میں موجود مختلف قرائن سے مجموعی طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تیز رفتار گھوڑوں کا معائنہ کر رہے تھے کہ جنھیں میدان جہاد کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ عصر کا وقت تھا۔ مامورین مذکورہ گھوڑوں کے ساتھ مارچ کرتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر رہے تھے۔

ایک عادل اور با اثر حکمران کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس طاقتور فوج ہو اور اس زمانے میں لشکر کے اہم ترین وسائل میں سے تیز رفتار گھوڑے تھے لہذا حضرت سلیمان علیہ السلام

---

[1] سورہ نمل آیت 19

[2] سورہ نمل آیت 19

کا مقام ذکر کرنے کے بعد نمونے کے طور پر گھوڑوں کا ذکر آیا ہے۔

ذخیرہ کرنا، جانوروں کا دشمن سے اپنا دفاع کرنا حتیٰ کہ ان کا بہت سی بیماریوں کے علاج سے باخبر ہونا دور دراز کے فاصلوں سے اپنے آشیانوں اور بلوں تک واپس لوٹ آنا، لمبے اور طویل فاصلے طے کر کے منزل مقصود تک پہنچنا، آئندہ حوادث کے بارے میں پیشگی اندازہ لگا لینا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات کی پر اسرار زندگی کے بارے میں ابھی تک بہت سے مسائل ایسے ہیں جو قابل حل نہیں۔ ان تمام باتوں سے ہٹ کر بہت سے جانور ایسے ہیں کہ اگر انہیں سدھایا جائے اور ان کی تربیت کی جائے تو وہ ایسے ایسے عجیب وغریب کارنامے انجام دیتے ہیں جو انسان کے بھی بس میں نہیں ہوتے۔

لیکن پھر بھی اچھی طرح معلوم نہیں کہ وہ انسانی دنیا سے کس حد تک باخبر ہیں؟ کیا وہ واقعتاً یہ جانتے ہیں کہ ہم (انسان) کون لوگ ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ ہو سکتا ہے ہمیں ان میں اس قسم کے ہوش اور سمجھ کے آثار نہ ملیں لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ان میں ان چیزوں کا فقدان ہے۔ اسی بناء پر اگر ہم نے مندرجہ بالا داستان میں یہ پڑھا ہے کہ چیونٹیوں کو جناب سلیمان کے اس سرزمین میں آنے کی خبر ہو گئی تھی اور انہیں اپنے بلوں میں گھس جانے کا حکم ملا تھا تاکہ وہ لشکر کے پاؤں تلے کچلی نہ جائیں اور سلیمان علیہ السلام بھی اس بات سے باخبر ہو گئے تھے تو زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، سلیمان علیہ السلام کی حکومت غیر معمولی اور معجزانہ امور پر مشتمل تھی اسی بناء پر بعض مفسرین نے اپنے نظریہ کا اس طرح اظہار کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں بعض جانوروں میں اس حد تک آگاہی کا پایا جانا ایک اعجاز اور خارق العادۃ بات تھی لہٰذا اگر دوسرے ادوار میں اس قسم کی باتیں جانوروں میں نہیں ملتیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ ان کی اس قسم کی گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں سلیمان علیہ السلام اور چیونٹیوں یا سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کی داستان کو کنایہ، مجاز یا زبان حال وغیرہ پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ظاہر امر کی حفاظت

اور حقیقی معنی پر محمول کرنے کا امکان بھی موجود ہے۔

قرآن میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ" وہ وقت یاد کرو جب وقت عصر انھوں نے چابک اور تیز رفتار گھوڑے اس کے سامنے پیش کئے"۔ [1]

اس موقع پر یہ واضح کرنے کے لئے کہ طاقتور گھوڑوں سے ان کا لگاؤ دنیا پرستی کی وجہ سے نہیں جناب سلیمان علیہ السلام نے کہا: "ان گھوڑوں کو میں اپنے رب کی یاد اور اس کے حکم کی بنا پر پسند کرتا ہوں"۔ [2]

میں چاہتا ہوں کہ ان سے دشمنوں کے خلاف جہاد میں کام لوں۔

سلیمان علیہ السلام کہ جو دشمن نے خلاف جہاد کے لئے آمادہ ان تیز رفتار گھوڑوں کا معائنہ کر رہے تھے بہت خوش ہوئے۔

آپؑ انہیں یوں دیکھ رہے تھے کہ نظریں ان پر جم کر رہ گئیں "یہاں تک کہ وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے"۔ [3]

یہ منظر نہایت دلکش اور عمدہ تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے عظیم فرماں روا کے لئے نشاط انگیز تھا۔ آپؑ نے حکم دیا "ان گھوڑوں کو واپس میرے پاس لاؤ"۔ [4]

"جب مامورین نے اس حکم کی اطاعت کی اور گھوڑوں کو واپس لائے تو سلیمان علیہ السلام نے خود ذاتی طور پر ان پر نوازش کی اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تھپتھپایا اور ہاتھ پھیرا۔" [5]

یوں آپؑ نے ان کی پرورش کرنے والوں کی بھی تشویق اور قدر دانی کی۔

---

[1] سورہ نمل آیت 31

[2] سورہ ص، آیت 32

[3] سورہ ص، آیت 32

[4] سورہ ص، آیت 33

[5] سورہ ص، آیت 33

معمول ہے کہ جب کسی سواری کی قدر دانی کی جاتی ہے تو اس کے سر، چہرے گردن یا اس کی ٹانگ پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے اور یہ دلچسپی اور پسندیدگی کے اظہار کا اہم ذریعہ ہے کہ جس سے انسان اپنے بلند مقاصد میں مدد لیتا ہے لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے نبی کا ایسا کرنا کوئی تعجب انگیز نہیں۔ [1]

داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا فیصلہ

قرآن میں دوسری جگہ داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام کی زندگی کے ایک حصہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ ابتداء میں ایک فیصلہ کا ذکر ہے کہ جو حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نے کیا تھا۔ ایک اجمالی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"اور داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام کو یاد کرو کہ جس وقت وہ ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے کہ جس کو ایک قوم کی بھیڑیں رات کے وقت چر گئی تھیں، اور ہم ان کے فیصلے کے شاہد تھے"۔ [2]

اگر چہ قرآن نے اس فیصلے کا واقعہ کا ملاً سربستہ طور پر بیان کیا ہے۔ اور ایک اجمالی

---

[1] مذکورہ بیان کے بارے میں جو کچھ سطور بالا میں کہا گیا ہے یہ بعض مفسرین سے ہم آہنگ ہے۔ بزرگان شیعہ میں سے عالم نامدار و بزرگوار سید مرتضیٰ کے کلمات سے بھی اس تفسیر کے ایک حصے کا استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "تنزیہ الانبیاء" میں بعض مفسرین اور ارباب حدیث کی جانب سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف دی جانے والی ناروا نسبتوں کی نفی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"کیسے ممکن ہے کہ اللہ پہلے تو اس پیغمبر کی مدح و ثناء کرے اور پھر ساتھ ہی اس کی طرف اس برے کام کی نسبت دے کہ وہ گھوڑوں سے بھی ان کا لگاؤ حکم پروردگار سے تھا کیونکہ اللہ ہمیں بھی حکم دیتا ہے کہ گھوڑے پالیں اور دشمنوں کے خلاف جنگ کے لئے انہیں آمادہ رکھیں۔ لہٰذا کیا مانع ہے کہ اللہ کا نبی بھی ایسا ہی ہو"۔

[2] سورہ انبیاء آیت 78

اشارہ پر ہی اکتفا کیا ہے، اور صرف اس کے اخلاقی اور تربیتی نتیجہ پر کہ جس کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے قناعت کی ہے، لیکن اسلامی روایات اور مفسرین کے بیانات میں اس سلسلے میں بہت سی بحثیں نظر آتی ہیں۔

کچھ مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ واقعہ اس طرح تھا: کہ بھیڑوں کا ایک ریوڑ رات کے وقت انگوروں کے ایک باغ میں داخل ہوگیا اور انگوروں کی بیلوں اور انگوروں کے گچھوں کو کھا گیا اور انہیں خراب اور ضائع کر دیا۔

باغ کا مالک حضرت داؤدؑ کے پاس شکایت لے کر پہنچا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس اتنے بڑے نقصان کے بدلے میں تمام بھیڑیں باغ کے مالک کو دے دی جائیں۔

سلیمان علیہ السلام جو اس وقت بچے تھے باپ سے کہتے ہیں کہ، اے خدا کے عظیم پیغمبر آپ اس حکم کو بدل دیں اور منصفانہ فیصلہ کریں باپ نے کہا کہ وہ کیسے؟ آپؑ جواب میں کہتے ہیں کہ: بھیڑیں تو باغ کے مالک کے سپرد کی جائے تا کہ وہ ان کے دودھ اور اون سے فائدہ اٹھائے اور باغ کو بھیڑوں کے مالک کے حوالے کیا جائے تا کہ وہ اس کی اصلاح اور درستی کی کوشش کرے۔ جس وقت باغ پہلی حالت میں لوٹ آئے تو وہ اس کے مالک کے سپرد کر دیا جائے اور بھیڑیں بھی اپنے مالک کے پاس لوٹ جائیں گی (اور خدا نے سلیمانؑ کے فیصلہ کی تائید کی)۔

یہاں پر ایک اہم سوال باقی ہے: ان دونوں فیصلوں کی بنیاد اور معیار کیا تھا؟

اس سوال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ معیار اور بنیاد خسارے اور نقصان کی تلافی کرنا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے غور کیا اور دیکھا کہ انگوروں کے باغ میں جو نقصان ہوا ہے، وہ بھیڑوں کی قیمت کے برابر ہے۔ لہٰذا انہوں نے حکم دیا کہ اس نقصان کی تلافی کرنے کے لئے بھیڑیں باغ کے مالک کو دے دی جائیں کیونکہ قصور بھیڑوں کے مالک کا تھا۔

(اس بات کی طرف توجہ رہے کہ بعض اسلامی روایات میں یہ بیان ہوا ہے کہ رات کے وقت بھیڑوں والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ریوڑ کو دوسروں کے کھیتوں میں داخل ہونے

سے رو کے اور دن کے وقت حفاظت کی ذمہ داری کھیتوں کے مالک کی ہے)۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کا ضابطہ یہ تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ باغ کے مالک کا نقصان بھیڑوں کے ایک سال کے منافع کے برابر ہے۔ اس بناء پر فیصلہ تو دونوں نے حق و انصاف کے مطابق کیا ہے لیکن اس میں فرق یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ گہرائی پر مبنی تھا، کیونکہ اس کے مطابق خسارہ ایک مشت نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس طرح خسارہ تدریجی طور پر پورا ہوتا اور یہ فیصلہ بھیڑوں والے پر بھی گراں نہ تھا۔

علاوہ ازیں نقصان اور تلافی کے درمیان ایک تناسب تھا، کیونکہ انگور کی جڑیں ختم نہیں ہوئی تھیں، صرف ان کا وقتی منافع ختم ہوتا تھا، انداز زیادہ منصفانہ فیصلہ یہ تھا کہ اصل بھیڑیں باغ کے مالک کو نہ دی جائیں، بلکہ اسے ان کا منافع دیا جائے۔

بہر حال سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی اس صورت میں تائید کی گئی ہے: ''ہم نے یہ فیصلہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا تھا''۔ [1]

اور ہماری تائید سے اس نے اس جھگڑے کے حل کی بہترین راہ معلوم کر لی۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ غلط تھا۔ کیونکہ قرآن ساتھ ہی کہتا ہے: ''ہم نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو آگاہی اور فیصلے کی اہلیت اور علم عطا کیا تھا''۔ [2]

ہدہد اور ملکہ سبا کی داستان

قرآن کے ایک حصے میں خداوند عالم حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیرت انگیز زندگی کے ایک اور اہم واقعے کی طرف اشارہ فرماتا ہے اور ہدہد اور ملکہ سباء کا قصہ بیان کرتا ہے، فرماتا

---

[1] سورہ انبیاء آیت 79

[2] سورہ انبیاء آیت 79

ہے: ''سلیمان علیہ السلام کو ہد ہد دکھائی نہ دیا تو وہ اسے ڈھونڈنے لگے''۔ [1]

یہ تعبیر اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کرتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی حکومت کے حالات اور ملک کی کیفیت کو اچھی طرح مدنظر رکھتے تھے یہاں تک کہ ایک پرندہ بھی ان کی آنکھوں سے اوجھل نہیں تھا۔

سلیمان علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ ہد ہد غیر حاضر ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ اس وجہ سے کہ جب آپ سفر کرتے تو پرندے آپ کے سر پر سایہ کیے رہتے تھے۔

چونکہ اس وقت اس سائبان میں اسکی جگہ خالی نظر آئی لہٰذا انہیں معلوم ہوگیا کہ ہد ہد غیر حاضر ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے نظم حکومت میں پانی کی تلاش کا کام ہد ہد کے ذمہ تھا لہٰذا پانی کی ضرورت کے وقت جب اسے تلاش کیا گیا تو وہ نہیں ملا۔

بہر حال، اس گفتگو کی ابتداء میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھے وہ دکھائی نہیں دے رہا ہے''، پھر فرمایا: ''یا یہ کہ وہ غائب ہے''۔

ممکن ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ کیا وہ کسی معقول عذر کے بغیر حاضر نہیں ہے یا معقول عذر کی وجہ سے غائب ہے۔

بہر صورت ایک با استقلال منظم اور طاقت ور حکومت میں یہی ہوتا ہے کہ ملک میں جو بھی اتار چڑھاؤ ہو وہ سربراہ حکومت کی نظر میں ہو حتیٰ کہ کسی پرندے کی حاضری اور غیر حاضری ایک عام ملازم کی موجودگی اور عدم موجودگی اس کے پیش نظر ہو اور یہ ایک بہت بڑا درس ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوسروں کو درس دینے اور حکم عدولی پر سزا دینے کی خاطر مندرجہ ذیل جملہ کہا تا کہ ہد ہد کی غیر حاضری دوسرے پرندوں پر بھی اثر کرے چہ جائیکہ اہم

---

[1] سورہ نمل آیت 20

عہدوں اور اعلیٰ مناصب پر فائز انسان، فرمایا: "میں یقیناً اسے سخت سزا دوں گا"۔

"یا اسے ذبح کر ڈالوں گا، یا پھر وہ اپنی غیر حاضری کی میرے سامنے واضح دلیل پیش کرے"۔ [1]

درحقیقت جناب سلیمان علیہ السلام نے غیر حاضری کی صورت میں یک طرفہ فیصلہ دینے کی بجائے خلاف ورزی ثابت ہو جانے پر سزا کی تنبیہ کی ہے اور اپنی اس تنبیہ میں بھی دو مراحل بیان کئے ہیں جو جرم کی نوعیت کے مطابق ہیں ایک مرحلہ بغیر موت کے سزا ہے اور دوسرا سزائے موت کا مرحلہ ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ انہیں اپنی حکومت اور طاقت کا گھمنڈ نہیں ہے بلکہ اگر ایک کمزور سا پرندہ بھی معقول اور واضح دلیل پیش کرے تو وہ اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔

ہدہد ایک اہم خبر کے ساتھ

ہدہد کی غیر حاضری کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ہدہد واپس آ گیا اور سلیمان علیہ السلام کی طرف رخ کر کے کہنے لگا: "مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس سے آپ آگاہ نہیں ہیں، میں آپ کے لئے سرزمین سباء سے ایک یقینی (اور بالکل تازہ) خبر لایا ہوں"۔ [2]

گویا ہدہد نے جناب سلیمان علیہ السلام کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھ لئے تھے لہٰذا ان کی ناراضی دور کرنے کے لئے سب سے پہلے اس نے ایک ایسے اہم مطلب کی مختصر الفاظ میں خبر دی جس سے جناب سلیمان علیہ السلام اس قدر علم و دانش رکھنے کے باوجود بے خبر تھے، جب ان کا

[1] سورہ نمل آیت 21

[2] سورہ نمل آیت 22

غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے اس ماجرا کی تفصیل بیان کی۔ [1]

اس کی گفتار کا طریقہ ایسا نہیں تھا جیسے چاپلوس درباریوں کا جابر بادشاہوں کے سامنے ہوتا ہے کہ کسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے مدتوں خوشامد کرتے رہتے ہیں اپنے آپ کو ذرہ ناچیز جتلاتے ہیں پھر چاپلوسی اور خوشامد کے ہزاروں پردوں میں کوئی بات بادشاہ سلامت کے قدموں پر نثار کرتے ہیں اور کبھی بھی اپنی بات کھول کر بیان نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ پھول کی پتی سے بھی نازک کنایوں کا سہارا لیتے ہیں مبادا بادشاہ سلامت کی خاطر مبارک ملول ہو جائے۔

ہاں تو ہدہد نے واضح الفاظ کہہ دیا کہ میری غیر حاضری کسی دلیل کے بغیر نہیں تھی، میں ایک ایسی اہم خبر لایا ہوں جس سے آپ بھی بے خبر ہیں۔

ضمنی طور پر یہ تعبیر سب لوگوں کے لئے ایک بہت بڑا درس بھی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہدہد جیسی ایک چھوٹی سی مخلوق ایسی بات جانتی ہو جس سے اپنے دور کے بہت بڑے دانشور بھی بے خبر ہوں۔ انسان کو نہیں چاہئے کہ اپنے علم و دانش پر گھمنڈ کرے چاہے وہ نبوت کے وسیع علم کا مالک سلیمان علیہ السلام ہی کیوں نہ ہو۔

بہر حال ہدہد نے ماجرے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا: "میں سرزمین سباء میں چلا گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت وہاں کے لوگوں پر حکومت کر رہی ہے اسکے قبضے میں سب کچھ ہے خاص طور پر اس کا ایک بہت بڑا تخت بھی ہے"۔ [2]

ہدہد نے ان تین جملوں میں ملک سباء کی تقریباً تمام خصوصیات بتا دیں اور وہاں کے طرز حکومت سے بھی سلیمان علیہ السلام کو باخبر کر دیا۔

---

[1] یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے لشکر والے حتی کہ پرندہ تک کو بھی جو ان کے تابع فرمان تھے جناب سلیمان علیہ السلام نے اس قدر آزادی، امن و امان اور جسارت عطا کی ہوئی تھی کہ ہدہد نے کھل کر ان سے کہہ دیا: "مجھے ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو بھی خبر نہیں ہے"۔

[2] سورہ نمل آیت 23

پہلی خصوصیت تو یہ ہے وہ ایک ایسا آباد اور شاد ملک ہے جس میں ہر طرح کی نعمتیں اور سہولیات مہیا ہیں۔

دوسری یہ کہ ان لوگوں پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے جس کا ایک نہایت ہی آراستہ دربار ہے حتیٰ کے سلیمان علیہ السلام کے دربار سے بھی زیادہ آراستہ کیونکہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت دیکھا ہوا تھا اس کے باوصف ہونے کے باوجود اس نے ملکہ سباء کے تخت کو ''عرش عظیم'' کے عنوان سے یاد کیا۔

ان الفاظ کے ساتھ اس نے سلیمان علیہ السلام کو یہ بات جتلا دی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپؑ یہ تصور کرلیں کہ تمام جہان آپؑ کے قلمرو حکومت میں ہے اور صرف آپؑ کا تخت باعظمت ہے۔

سلیمان ہدہد کی یہ بات سن کر ایک گہری سوچ میں پڑ گئے لیکن ہدہد نے انہیں مزید سوچنے کی مہلت نہ دی اور فوراً ہی ایک اور بات پیش کردی۔ اس نے کہا: ''جو عجیب وغریب اور تکلیف دہ چیز میں نے وہاں دیکھی ہے وہ یہ کہ میں نے دیکھا کہ وہ عورت اور اس کی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کے سامنے سجدہ کرتے ہیں''۔

''شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے اور اس نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کر رکھا ہے''۔ [1]

(لہٰذا وہ سورج کو سجدہ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں)۔

(اس طرح سے) ''شیطان نے انہیں راہ حق سے روک رکھا ہے''۔ [2]

وہ بت پرستی میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ مجھے یقین نہیں کہ وہ آسانی سے اس راہ سے پلٹ جائیں۔ ''وہ بالکل ہدایت نہیں پائیں گے''۔ [3]

---

[1] سورہ نمل: آیت 24

[2] سورہ نمل آیت 24

[3] سورہ نمل آیت 24

ہدہد نے ان الفاظ کے ساتھ ان کی مذہبی اور روحانی حیثیت بھی واضح کردی کہ وہ بت پرستی میں خوب مگن ہیں، حکومت آفتاب پرستی کو ترویج کرتی ہے۔ اور لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہیں۔

ان کے بت کدوں اور دوسرے حالات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اس غلط راہ پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ جنون کی حد تک محبت کرتے ہیں اور اپنی اس غلط روش پر فخر کرتے ہیں ایسے حالات میں جبکہ حکومت اور عوام ایک ہی ڈگر پر چل رہے ہیں ان کا ہدایت پانا بہت مشکل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملکہ سبا کے نام

حضرت سلیمان علیہ السلام نے غور سے ہدہد کی باتیں سنیں اور سوچنے لگے۔ ممکن ہے ان کا زیادہ گمان یہی ہو کہ یہ خبر سچی ہے اور اس کے جھوٹا ہونے پر کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے لیکن چونکہ یہ بات معمولی نہ تھی بلکہ ایک ملک اور ایک بڑی قوم کی تقدیر اس سے وابستہ تھی لہٰذا انھوں نے ایک فرد کی خبر پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ وہ اس حساس موضوع پر مزید تحقیق کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا اس طرح فرمایا:

"ہم اس بارے میں تحقیق کریں گے اور دیکھیں گے کہ آیا تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے"۔ [1]

سلیمان علیہ السلام نے نہ تو ہدہد کو جھوٹا کہا اور نہ ہی بغیر دلیل کے اس کی بات کو تسلیم کیا بلکہ اس بارے میں تحقیقات کا حکم صادر فرمایا۔

بہرحال سلیمان علیہ السلام نے ایک نہایت مختصر لیکن جامع خط تحریر فرمایا اور ہدہد کو دے کر

---

[1] سورہ نمل آیت 27

کہا: میرا یہ خط لے جاؤ اور ان کے پاس جا کر ڈال دو پھر لوٹ آؤ اور ایک کونے میں ٹھہر جاؤ اور دیکھو وہ کیا ظاہر ردعمل کرتے ہیں۔ [1]

ملکہ سباء نے خط کھولا اور اسکے مندرجات سے آگاہی حاصل کی چونکہ اس نے اس سے پہلے سلیمان علیہ السلام کا نام اور شہرت سن رکھی تھی اور خط کے مندرجات سے بھی واضح ہوتا تھا کہ جناب سلیمان علیہ السلام نے سباء کے بارے میں سخت فیصلہ کرلیا ہے۔

لہٰذا وہ گہری سوچ میں پڑ گئی اور چونکہ ملک کے اہم ترین مسائل میں وہ اپنے مصاحبین سے مشورہ کیا کرتی تھی لہٰذا اس بارے میں بھی انہیں اظہار خیال کی دعوت دی اور ان سے مخاطب ہو کر کہا: "اے سردارو اور بزرگو ایک نہایت ہی باوقار خط میری طرف پھینکا گیا ہے"۔ [2]

باعظمت خط

ملکہ نے یہ کیوں کہا کہ یہ بہت ہی باعظمت خط ہے یا تو اس لئے کہ اس خط کے مطالب بہت ہی گہرے تھے یا پھر اس لئے کہ اس کا آغاز خدا کے نام سے ہوا تھا اور اختتام پر جناب سلیمان علیہ السلام کے صحیح دستخط تھے اور مہر لگی تھی۔ یا اس کا لکھنے والا باعظمت انسان تھا۔ مفسرین نے یہ مختلف احتمالات ذکر کئے ہیں ممکن ہے کہ یہ سب احتمالات جامع مفہوم میں جمع ہوں کیونکہ یہ ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ وہ لوگ سورج پرست تھے لیکن ہم جانتے ہیں کہ بہت سے بت پرست خدا پر بھی ایمان رکھتے تھے اور اسے "رب الارباب" کا نام دیتے تھے اور اس کا احترام کرتے تھے اور تعظیم بجالاتے تھے۔

---

[1] سورہ نمل آیت 28

[2] سورہ نمل آیت 29۔

پھر ملکہ سباء نے خط کا مضمون سناتے ہوئے کہا: "یہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور اس کے مندرجات یوں ہیں: رحمان ورحیم اللہ کے نام سے"۔ [1]

"میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم میرے مقابلے میں سرکشی سے کام نہ لو اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے میرے پاس آجاؤ"۔ [2]

حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا تذکرہ کرنے کے بعد اہل دربار کی طرف رخ کرکے ملکہ نے یوں کہا "اے سردارو! اس اہم معاملے میں تم اپنی رائے کا اظہار کرو، کیونکہ میں کوئی بھی اہم کام تمہاری شرکت اور تمہاری رائے کے بغیر انجام نہیں دیتی ہوں"۔ [3]

اس رائے طلبی سے وہ ان کے درمیان اپنی حیثیت ثابت کرنا چاہتی تھی اور ان کی نظر اور توجہ اپنی طرف مبذول کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ اس طرح سے وہ ان کی رائے اور اپنے فیصلے کو ہم آہنگ کرسکے۔

اشراف قوم نے جواب میں کہا: "ہم بڑی طاقت والے اور جنگجو لوگ ہیں لیکن آخری فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے دیکھیے، آپ کیا حکم دیتی ہیں"؟ [4]

اس طرح سے انھوں نے ایک تو اس کے سامنے اپنی فرمانبرداری کا اظہار کردیا اور دوسرے اپنی قوت کا ذکر کرکے میدان جنگ میں لڑنے کا مشورہ بھی دے دیا۔

---

[1] سورہ نمل آیت 30 و 31

[2] سورہ نمل آیت 31 و 32

بعید معلوم ہوتا ہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام نے اسی عبارت اور انہی عربی الفاظ میں خط لکھا ہو بنابریں ممکن ہے مندرجہ بالا جملے یا تو صرف معنی کو بیان کررہے ہیں یا پھر سلیمان علیہ السلام کے خط کا خلاصہ ہوں جسے ملکہ سباء نے ان افراد کے سامنے بیان کیا۔

[3] سورہ نمل آیت 32

[4] سورہ نمل آیت 33

بادشاہ تباہی لاتے ہیں

جب ملکہ نے ان کا جنگ کی طرف رجحان دیکھا اور اندرونی طور پر اس کا قطعاً یہ ارادہ نہیں تھا تو ان کی اس جنگی پیاس کو بجھانے نیز صحیح حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے انہیں قانع کرنے کے لئے کہا "جب بادشاہ کسی آباد علاقے میں داخل ہوتے ہیں تو انہیں تباہ برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں"۔ [1]

کچھ کو مار ڈالتے ہیں، کچھ کو قیدی بنا لیتے ہیں اور کچھ کو بے گھر کر دیتے ہیں۔ جہاں تک ان کے بس میں ہوتا ہے، لوٹ مار کرتے ہیں۔

پھر اس نے تاکید کے طور پر بلکہ یقینی صورت میں کہا: "جی ہاں وہ ایسا ہی کرتے ہیں"۔

درحقیقت ملکہ سبا، خود بھی ایک "بادشاہ" تھی لہٰذا وہ بادشاہوں سے اچھی طرح واقف تھی کہ بادشاہوں کی جنگی حکمت عملی دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے ایک تباہی اور بربادی اور دوسرے باعزت افراد کو ذلیل کرنا کیونکہ انہیں تو صرف اپنے ہی مفادات عزیز ہوتے ہیں۔ قوم و ملت کے مفادات اور ان کی سربلندی سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا لہٰذا عمومی طور پر یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔

پھر ملکہ نے کہا: ہمیں سب سے پہلے سلیمان علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو آزمانا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ واقعاً ہیں کیسے لوگ؟ آیا سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہے یا پیغمبر ہے؟

تباہ کار ہے یا مصلح، اقوام و ملل کو ذلیل کرتا ہے یا عزت بخشتا ہے؟ تو اس کام کے لئے ہمیں تحفے تحائف سے استفادہ کرنا چاہئے لہٰذا "میں ان کی طرف کچھ معقول تحفے بھیجتی ہوں پھر

---

[1] سورہ نمل آیت 34

دیکھوں گی کہ میرے قاصد ان کی طرف سے کیا ردعمل لاتے ہیں"۔ [1] بادشاہوں کو تحفے تحائف سے بڑی محبت ہوتی ہے اور یہ تحفے اور ہدیے ہی ان کی بہت بڑی کمزوری ہوتے ہیں۔

انہیں تحفے دے کر جھکایا جا سکتا ہے ہم دیکھیں گے اگر سلیمان علیہ السلام نے ان تحائف کو قبول کر لیا تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ بادشاہ ہے اور ہم بھی ڈٹ کر اس کا مقابلہ کریں گے اور اپنی پوری طاقت استعمال کریں گے کیونکہ ہم بہر حال طاقتور ہیں اور اگر اس۔ نے ان تحائف سے بے رخی کی اور اپنی باتوں پر ڈٹا رہا تو ہم سمجھ گے کہ وہ خدا کا نبی ہے تو ایسی صورت میں ہمیں بھی عقل مندی سے کام لینا ہوگا۔

ملکہ سباء نے جناب سلیمان علیہ السلام کے لئے کیا تحائف بھیجے؟ اس بارے میں قرآن نے تو کچھ نہیں بتایا۔ صرف کلمہ "ہدیہ" نکرہ کی صورت میں بیان کر کے اس کی عظمت کو ضرور واضح کر دیا ہے البتہ مفسرین نے اس بارے میں بہت کچھ کہا ہے جن میں سے بعض باتیں مبالغہ آرائی اور افسانوی رنگ سے خالی نہیں ہیں۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ پانچ سو بہترین غلام اور پانچ سو بہترین کنیزیں ان کے لئے بھیجی گئیں غلاموں کو زنانہ لباس میں اور کنیزوں کو مردانہ لباس میں، غلاموں کے کانوں میں گوشوارے اور ہاتھوں میں کنگن اور کنیزوں کے سر پر خوبصورت ٹوپیاں تھیں۔ ملکہ نے اپنے خط میں لکھا کہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو غلاموں اور کنیزوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیں۔

انہیں زر و جواہرات اور قیمتی زیورات سے آراستہ کر کے بہترین سواریوں پر سوار کر کے اور جواہرات کی معقول مقدار دے کر جناب سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا گیا۔

اور ساتھ ہی ملکہ نے قاصد کو یہ بات بھی سمجھا دی کہ تمہارے دربار میں پہنچتے ہی اگر سلیمان علیہ السلام نے تمہیں خشم آلود اور غضب ناک نگاہوں سے دیکھا تو سمجھ لینا کہ یہ بادشاہوں کا

---

[1] سورہ نمل آیت 35

انداز ہے اور اگر پیار بھرے انداز میں خندہ پیشانی کے ساتھ تمہیں شرف حضور بخشتا تو سمجھ لینا کہ خدا کا نبی ہے۔

مجھے مال کے ذریعہ نہ ورغلاؤ

ملکہ سباء کے روانہ کئے ہوئے افراد نے سرزمین یمن کو خیر باد کہا اور شام اور جناب سلیمان علیہ السلام کے مرکز حکومت کی طرف چل دیئے۔ دل میں یہی تصور لئے ہوئے کہ سلیمان علیہ السلام ان کے تحائف قبول کرلیں گے اور خوش ہو کر انہیں شاباش کہیں گے۔

لیکن جوں ہی وہ سلیمان علیہ السلام کے حضور پیش ہوئے تو وہاں پر عجیب وغریب منظر دیکھا سلیمان علیہ السلام نے نہ صرف ان کا استقبال نہیں کیا بلکہ ان سے یہ بھی کہا ''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ (اپنے) مال کے ذریعے میری مدد کرو؟ حالانکہ یہ مال میری نگاہ میں بالکل بے قیمت سی چیز ہے جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے اس سے کئی حصے بہتر اور کہیں قیمتی ہے۔''[1] ''دانش وہدایت اور تقویٰ کے مقابلے میں مال کی کیا حیثیت ہے؟ یہ تم ہو جو ایسے تحفے پر خوش ہوتے ہو''۔[2]

جی ہاں یہ تمہیں لوگ ہو کہ اس قسم کے حسین اور قیمتی تحفے اگر ایک دوسرے کے لئے بھی بھیجو تو اس قدر مسرور شادماں نظر آتے ہو کہ خوشی کی چمک تمہاری آنکھوں سے نمایاں ہوتی ہے لیکن میری نگاہوں میں ان کی کوئی قدروقیمت نہیں ہے۔

اس طرح سے جناب سلیمان علیہ السلام نے ان کی اقدار اور معیار کی نفی کردی اور تحائف کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا کر ثابت کردیا کہ ان کے نزدیک اقدار اور معیار کچھ اور ہیں۔ دنیا پرستو

---

[1] سورہ نمل آیت 36

[2] سورہ نمل آیت 36

ں کے مقرر کردہ معیار ان کے سامنے ہیچ اور بے قیمت ہیں۔

جناب سلیمان علیہ السلام نے حق و باطل کے مسئلے میں اپنے اس عزم بالجزم کو ثابت کرنے کے لئے ملکہ سباء کے خاص ایلچی سے فرمایا: ''تم ان کی طرف واپس پلٹ جاؤ (اور اپنے یہ تحفے بھی ساتھ لے جاؤ) لیکن یہ ضرور یاد رکھو کہ ہم کئی لشکر لے کر ان کے پاس بہت جلد پہنچ رہے ہیں جن کے مقابلے کی طاقت ان میں نہیں ہوگی، اور ہم انہیں اس سرزمین سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ نہایت ہی حقیر ہوں گے۔'' [1]

جناب سلیمان علیہ السلام کی یہ دھمکی ان لوگوں کے نزدیک صحیح اور قابل عمل بھی تھی کیونکہ انھوں نے جناب سلیمان علیہ السلام اور ان کے جاہ و جلال اور فوج و لشکر کو نزدیک سے دیکھا تھا۔

چنانچہ جناب سلیمان علیہ السلام نے ان سے دو چیزوں کا تقاضا کیا تھا ایک تو ''برتری طلبی کو ترک کردیں'' اور دوسرے ''حق کے آگے جھک جائیں''۔

اہل سباء کا ان دونوں چیزوں کا مثبت جواب نہ دینا اور اس کی بجائے تحائف کا بھیجنا اس بات کی دلیل تھا کہ وہ حق کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی برتری طلبی سے باز آتے ہیں لہٰذا سلیمان علیہ السلام نے انہیں پر فوجی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی۔

جبکہ ملکہ سباء اور اس کے درباریوں نے دلیل اور ثبوت یا معجزہ وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا لہٰذا انہیں موقع فراہم کیا کہ مزید تحقیق کریں لیکن تحفوں کے بھیجنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ انکار کر چکے ہیں۔

یہ بات بھی ہمیں معلوم ہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام کو ہدہد نے جو ناخوشگوار خبر سنائی تھی وہ یہ کہ ملک سباء کے لوگ سورج پرست ہیں اور غیب و حضور کے جاننے والے سے روگردانی کئے ہوئے ہیں اور مخلوق کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

---

[1] سورہ نمل آیت 37

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسی بات سے سخت دکھ پہنچا تھا اور ہم جانتے ہیں کہ بت پرستی ایک ایسی بات ہے جسکے سامنے کوئی بھی خدائی دین خاموش تماشائی نہیں بن سکتا اور نہ ہی بت پرستوں کو ایک مذہبی اقلیت مان سکتا ہے بلکہ بوقت ضرورت زبردستی بھی بت کدوں کو مسمار اور شرک وبت پرستی کو نیست ونابود کرسکتا ہے۔

مندرجہ بالا توضیحات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے سلیمان علیہ السلام کی یہ دھمکی "لا اکراہ فی الدین" کے بنیادی اصول سے بھی متصادم نہیں ہے کیونکہ بت پرستی کوئی دین نہیں بلکہ ایک خرافات اور راہ حق سے انحراف ہے۔

پلک جھپکتے ہی تخت موجود

آخر کار ملکہ کے کارندے اپنے تحفے تحائف اور ساز وسامان اکٹھا کر کے اپنے ملک واپس چلے گئے اور سارا ماجرا ملکہ اور اس کے مصاحبین سے جا کر بیان کیا، اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک کی معجزانہ عظمت بھی بیان کی جن میں سے ہر ایک بات اس امر کی دلیل تھی کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہیں اور نہ ہی عام دنیاوی بادشاہ ہیں بلکہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور ان کی حکومت ایک خدائی حکومت ہے۔

یہاں پر ان کے لئے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ نہ صرف جناب سلیمان علیہ السلام کے ساتھ فوجی مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ اگر بالفرض مقابلہ کریں بھی تو قوی احتمال یہی ہے کہ ان کا خدا کے ایک زبردست طاقتور نبی سے مقابلہ ہوگا۔

لہٰذا ملکہ سبا نے اپنی قوم کے بہت سے سرداروں کے ساتھ مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ذاتی طور پر جا کر اس اہم مسئلے کے بارے میں تحقیقات کریں تا کہ پتہ چل سکے کہ سلیمان علیہ السلام کا کیا مسلک ہے؟

کسی بھی صورت میں یہ خبر حضرت سلیمان علیہ السلام تک بھی پہنچ گئی لہٰذا انھوں نے فیصلہ کیا کہ اب جبکہ ملکہ اور اس کے ساتھی راستے میں ہیں انہیں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہئے، تا کہ انہیں پہلے سے زیادہ ان کے اعجاز کی حقیقت کا علم ہو جائے اور وہ ان کی دعوت قبول کر لیں۔

لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا "اے بزرگو تم میں سے کون شخص اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ خود میرے پاس آئیں اور سر تسلیم خم کریں۔" [1]

اس موقع پر دو قسم کے افراد نے کہا کہ ہم یہ کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جن میں سے ایک عجیب اور دوسرا عجیب تر تھا، سب سے پہلے جنوں میں سے ایک عفریت نے ان کی طرف منہ کر کے کہا: "میں اس کا تخت آپ کی مجلس سے اٹھنے سے پہلے پہلے آپ کے پاس لا دوں گا۔" [2]

"عفریت" کا معنی ہے

"عفریت" کا معنی ہے مغرور، سرکش اور خبیث۔ اور "میں ان کی نسبت طاقتور اور امین ہوں" جملے کی کئی بار تاکید کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عفریت میں کئی لحاظ سے خیانت کا اندیشہ تھا لہٰذا اسے اپنا دفاع کرنا پڑا اور امانت و وفاداری کا یقین دلانا پڑا۔

صورت حال خواہ کچھ ہو جناب سلیمان علیہ السلام کی زندگی عجائبات اور معجزات سے بھری پڑی ہے اور کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے کہ ایک عفریت اس قسم کا کارنامہ ایک یا چند گھنٹوں میں انجام دے یعنی جتنی دیر سلیمان علیہ السلام لوگوں میں فیصلے کے لئے یا امور مملکت میں غور و فکر کے لئے یا عوام کو نصیحت کے لئے بیٹھے ہیں اتنی دیر میں وہ بھی ملکہ سبا کا تخت لا کر حاضر کر دیتا۔

---

[1] سورہ نمل آیت 38

[2] سورہ نمل آیت 39

دوسرا ایک صالح اور متقی انسان تھا اور "کتاب خدا" سے بھی اسے اچھی خاصی واقفیت تھی۔ جیسا کہ اس شخص کے بارے میں خود قرآن کہتا ہے: "جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اس نے کہا میں آپؑ کے پلک جھپکنے سے بھی پہلے اس تخت کو لے آؤں گا"۔ [1]

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی پیش کش قبول کر لی تو اس نے بھی اپنی معنوی طاقت کے ذریعے ملکہ سبا کا تخت پلک جھپکنے میں آپؑ کے پاس حاضر کر دیا اور جب سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہنے لگے: "یہ میرے پروردگار کا فضل ہے، تاکہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر بجالاتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں"۔ [2]

آصف بن برخیا

یہ شخص کون تھا، اسے یہ عجیب وغریب طاقت کہاں سے ملی اور علم الکتاب سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص جناب سلیمان علیہ السلام کے مومن اور قریبی رشتہ داروں اور خاص دوستوں میں سے تھا۔

تواریخ میں اسکا نام "آصف بن برخیا" لکھا ہے۔ وہ جناب سلیمان علیہ السلام کے وزیر اور بھانجے تھے اور "علم کتاب" سے ان کی آسمانی کتابوں سے واقفیت مراد ہے ایسی عمیق اور گہری واقفیت جس سے ان کے لئے ممکن ہو گیا کہ وہ اس طرح کا معجزانہ کارنامہ انجام دیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔

یعنی علم الٰہی کی لوح اور اس کے صرف ایک گوشے کا اس بندۂ خدا کو علم حاصل تھا جس کی وجہ سے وہ ملکہ کے تخت کو "سباء" سے آنکھ جھپکنے کی دیر میں لانے پر قادر تھا۔

---

[1] سورہ نمل آیت 40

[2] سورہ نمل آیت 40

بہت سے مفسرین اور غیر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ مرد مومن اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے باخبر تھا۔ یعنی ایسا باعظمت اور بزرگ نام جس کے سامنے دنیا کی ہر چیز سر جھکائے ہوئے ہے اور وہ انسان کو بے حدو اندازہ قدرت عطا کرتا ہے۔

اس نکتے کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسم اعظم سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص کلمہ کے زبان سے نکال دینے سے اس کے اس قدر عجیب و غریب اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔

ایسی بات نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اس نام اور اس کی صفات کو اپنانا ہوتا ہے اور دل و جان سے اس پر عمل کرنا ہوتا ہے اور علم، اخلاق تقویٰ اور ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو کر خود کو اس کا مظہر بنانا ہوتا ہے تب کہیں جا کر اس اسم اعظم کے پرتو میں انسان کے اندر معجزانہ امور کی انجام دہی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ "عفریت جن" میں ایسے خارق العادۃ کام انجام دینے کی طاقت کیونکر ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب تو ہم اعجاز سے متعلق بحث میں دے چکے ہیں۔

غیر مومن لوگ بھی زبردست ریاضتوں اور مشقتوں کی وجہ سے کچھ ایسے امور کی انجام دہی پر قادر ہو جاتے ہیں جو عموماً خلاف معمول ہوتے ہیں۔

لیکن ان کے کاموں میں اور معجزات میں فرق ہوتا ہے کیونکہ ان کے اس قسم کے کام محدود بشری طاقت کے مرہون منت ہوتے ہیں جبکہ معجزات کا دارومدار خداوند عالم کی بے پایاں اور لا یزال قدرت پر ہوتا ہے جو خود خدا کی دوسری صفات کی مانند غیر محدود ہوتی ہے۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ عفریت جن اپنی توانائی کو ملکہ سبا کے تخت کو لانے کے لئے جناب سلیمان علیہ السلام کی مجلس برخاست کرنے میں محدود کرتا ہے جبکہ جناب آصف بن برخیا نے اپنی توانائی کو کسی حد میں محدود نہیں کیا اگر وہ پلک جھپکنے کی بات بھی کرتے ہیں تو در حقیقت ایک کم از کم

مدت کی طرف اشارہ ہے جس سے کم مدت اور کوئی ہو نہیں سکتی۔

اور مسلم ہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام بھی اس قسم کے کاموں میں صالح شخص کی حمایت کریں گے کیونکہ اس طرح سے اس کا تعارف ہوگا اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے نہ کہ ایک عفریت کی کہ جس کی وجہ سے کوتاہ نظر لوگ شک میں پڑ جائیں اور اسے اس کی پاکیزگی اور اچھائی کی دلیل سمجھنے لگ جائیں۔

ملکہ سبا کے دل میں نور ایمان

قرآن میں سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کی سبق آموز داستان سے متعلق ایک اور پہلو پیش کیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کی عقل و خرد کو آزمانے اور خدا پر اس کے ایمان لانے کے لئے راہ ہموار کرنے کی غرض سے اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ وہ پہچانا نہ جاسکے چنانچہ انھوں نے کہا: اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کردو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو ہدایت نہیں پاتے"۔ [1]

اگرچہ ملکہ کے تخت کا سبا سے شام میں آجانا ہی اس بات کے لئے کافی تھا کہ وہ اسے آسانی کے ساتھ نہ پہچان سکے لیکن اس کے باوجود جناب سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس میں کچھ تبدیلیاں بھی کردی جائیں۔ ممکن ہے کہ یہ تبدیلیاں بعض علامتوں اور جواہر کو ادھر ادھر کرکے کی گئی ہوں یا بعض رنگوں کو تبدیل کردیا گیا ہو۔ [2]

---

[1] سورہ نمل آیت 41

[2] لیکن یہاں پر جو سوال درپیش ہے وہ یہ ہے کہ آخر جناب سلیمان علیہ السلام، اس کی عقل و خرد اور فہم و ذکا کو کیوں آزمانا چاہتے تھے؟ ہوسکتا ہے اس لئے تاکہ وہ یہ جان سکیں کہ اس کے ساتھ کس انداز میں پیش آنا چاہئے۔ لہذا وہ اس طرح سے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت کو جاننا چاہتے ہوں۔

صورت حال خواہ کچھ بھی ہو اب ملکہ پہنچی تو کسی نے (تخت کی طرف اشارہ کر کے) کہا: ''کیا آپ کا تخت اسی طرح کا ہے''۔ [1]

ملکہ سبا نے نہایت ہی زیرکانہ انداز میں ایک بہت ہی شستہ اور جچا تلا جواب دیتے ہوئے کہا: ''یہ تو خود وہی تخت معلوم ہوتا ہے''۔ [2]

اگر وہ کہتی کہ اس جیسا ہے تو جواب صحیح نہ ہوتا اور اگر کہتی کہ بالکل وہی ہے تو خلاف احتیاط بات تھی۔ کیونکہ اس قدر لمبے فاصلوں سے اس کے تخت کا سرزمین سلیمان علیہ السلام میں آنا عام حالات میں ممکن نہیں تھا۔ اس کی صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہ ہے معجزہ۔

اس کے علاوہ تاریخ میں ہے کہ ملکہ نے اپنے اس گراں قیمت تخت کی بڑی حفاظت کی تھی اسے اپنے خصوصی محل کے خاص کمرے میں اہم مقام پر نصب کیا ہوا تھا جس کی حفاظت کے لئے خصوصی دستہ مقرر تھا اور اس محل میں نہایت مضبوط دروازے لگے ہوئے تھے۔

لیکن ان تمام تبدیلیوں کے باوجود ملکہ نے اپنے تخت کو پہچان لیا تھا۔

اس نے فوراً کہا: ''ہم تو اسے پہلے ہی جان چکے تھے اور سر تسلیم خم کر چکے تھے''۔

گویا وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ ان سارے کاموں سے سلیمان علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ ہم اس کے معجزے پر ایمان لے آئیں لیکن ہم تو اس سے پہلے دوسری علامتوں کی وجہ سے ان کی حقانیت کے معترف ہو چکے ہیں اور ان غیر معمولی چیزوں کو دیکھنے سے پہلے ہی ان پر ایمان لا چکے ہیں اس طرح کے کاموں کی اب چنداں ضرورت نہیں تھی۔

تو اس طرح سے (سلیمان نے) اسے ہر غیر خدا کی عبادت سے روک دیا۔

ہر چند کہ وہ اس سے پہلے کافروں میں سے تھی۔

تو اس نے یہ واضح اور روشن علامات دیکھ کر اپنے تاریک ماضی کو الوداع کہا اور اپنی

---

[1] سورہ نمل آیت 42

[2] سورہ نمل آیت 42

زندگی کے نئے مرحلے میں قدم رکھا، جو نور ایمان و یقین سے بھر پور تھا۔

ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں

اس سلسلہ کے آخر میں اس داستان کا ایک اور منظر پیش کیا گیا ہے اور وہ ہے ملکہ سباء کا حضرت سلیمان کے محل میں داخل ہونا حضرت سلیمان نے حکم دے دیا تھا کہ ان کے ایک محل کے صحن کو بلور سے تیار کیا جائے اور اس کے نیچے پانی چلا دیا جائے۔

"تو جب ملکہ سباء وہاں پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ محل کے صحن میں داخل ہو جاؤ"۔ [1]

ملکہ نے جب صحن کو دیکھا تو اس نے سمجھا کہ پانی کی نہر چل رہی ہے اس نے پنڈلی سے کپڑا اٹھایا تا کہ پانی کو عبور کرے (اور وہ تعجب میں غرق تھی کہ پانی کی نہر کا یہاں کیا کام؟)

"لیکن سلیمان نے اس سے کہا محل کا صحن صاف و شفاف بلور سے بنا ہوا ہے"۔ [2]

(یہ پانی نہیں ہے کہ جسے عبور کرنے کے لئے تم نے پائنچے اٹھا رکھے ہیں)۔

حضرت سلمان ؑ آرائشی اور زیبائشی کاموں میں کیوں لگ گئے؟

اس مقام پر ایک نہایت ہی اہم سوال پیش آتا ہے اور وہ یہ کہ جناب سلیمان اللہ کے ایک عظیم پیغمبر تھے وہ اس قدر آرائشی اور زیبائشی کاموں میں کیوں لگ گئے؟ یہ ٹھیک ہے کہ وہ ایک بادشاہ اور فرمانروا تھے لیکن دوسرے انبیاء کی طرح کیا وہ سادگی کو اختیار نہیں کر سکتے تھے؟

جواباً عرض ہے کہ اگر حضرت سلیمان نے ملکہ سبا کو مسلمان بنانے کے لئے اس طرح کی آرائش و زیبائش سے کام لیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ خصوصاً جبکہ ملکہ اپنی تمام طاقت

---

[1] سورہ نمل آیت 44

[2] سورہ نمل آیت 44

وعظمت، خوبصورت تاج وتخت، باشکوہ محل وقصر اور زرق وبرق آرائش وزیبائش میں ہی سمجھتی تھی چنانچہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنی سلطنت کی ایک جھلک دکھائی تو ملکہ کی آنکھوں کے سامنے اپنی حکومت کی تمام سج دھج ماند پڑ گئی اور یہی بات اس کی زندگی کا اہم موڑ ثابت ہوئی جس میں اسے اقدار اور معیار زندگی کے بارے میں تبدیلی کرنا پڑی۔

آخر اس بات میں کیا حرج ہے کہ انھوں نے نقصان دہ اور خونریز لشکر کشی کی بجائے ایسی حکمت عملی اختیار کی ملکہ کا دماغ چکرانے لگا وہ اس قدر مبہوت ہوگئی کہ جنگ کا تصور ہی اس کے دماغ سے کافور ہوگیا خصوصاً جبکہ وہ ایک عورت تھی اور عورت کی سب سے بڑی کمزوری اس قسم کے تکلفات ہوتے ہیں کیونکہ عورت ایسے تکلفات کو بہت اہمیت دیتی ہے۔

بہت سے مفسرین نے اس بات کی تصریح بھی کی ہے ملکہ سباء کے سرزمین شام میں قدم رکھنے سے پہلے حضرت سلیمان نے حکم جاری کر دیا تھا کہ اس قسم کا ایک عظیم محل تیار کیا جائے جس سے ان کا مقصد ملکہ کو مطیع کرنے کے لئے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا اور اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ظاہری طاقت کے لحاظ سے بھی عظیم جناب سلیمان کے پاس ایک بڑی طاقت ہے جس کے ذریعے انھوں نے ایسا کام انجام دیا ہے۔

''دوسرے لفظوں میں ایک وسیع وعریض علاقے کا امن وامان، دین حق کی قبولیت اور بے پناہ جنگی اخراجات سے بچنے کے لئے اس قسم کے اخراجات کوئی بات نہیں تھے۔''

''یہی وجہ ہے کہ جب ملکہ سبا نے ان مناظر کو دیکھا تو فوراً کہا: پروردگارا: ''میں نے تو اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اب میں سلیمان کے ساتھ مل کر اس اللہ کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کر چکی ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔ [1]

میں پہلے سورج کی پوجا کیا کرتی تھی، زیب وزینت میں کھو چکی تھی اور خود کو دنیا کا سب

---

[1] سورہ نمل آیت 44

سے بہتر اور برتر انسان سمجھتی تھی۔

لیکن اب پتہ چلا ہے کہ میری طاقت کتنی کمزور اور حقیر تھی بلکہ اصولی طور پر یہ زر و جواہر اور قیمتی زیورات انسانی روح کو بھی سیراب نہیں کر سکتے۔"

پروردگارا میں اپنے رہبر سلیمان کے ساتھ مل کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور اپنے کئے پر نادم ہوں اور تیرے آستان قدس پر میں نے اپنا سر جھکا دیا ہے۔

ملکہ سبا کا انجام

ملکہ سبا۔کے بارے میں جو کچھ قرآن مجید نے بیان کیا ہے وہی ہے جو ہم نے ابھی پڑھا ہے آخر کار وہ ایمان لے آئی اور صالحین کے کارواں میں شامل ہوگئی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ ایمان اختیار کرنے کے بعد اپنے ملک کو واپس لوٹ گئی اور سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملک پر حکمراں رہی یا سلیمان علیہ السلام کے پاس رہ گئی اور انہی کے ساتھ شادی کر لی یا سلیمان کے مشورہ پر یمن کے کسی بادشاہ جسے "تبع" کہا جاتا تھا، اس کے ساتھ عقد کر لیا اس بارے میں قرآن نے کچھ نہیں بتایا۔

چونکہ قرآن کا ہدف اصلی تربیتی مسائل بیان کرنا ہے اور یہ بات ان مسائل سے غیر متعلق تھی لہٰذا اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی لیکن مفسرین اور مورخین نے اس کے بارے میں مختلف راستے اختیار کئے ہیں جنکی تحقیق کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین کے بقول مشہور و معروف یہی ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئی۔

البتہ اس مقام پر اس نکتے کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جناب سلیمانؑ اور ان کے لشکر و حکومت کے بارے میں نیز ملکہ سباء اور اس کی تفصیلی زندگی کے بارے میں بہت

ہی افسانہ طرازی کی گئی ہے کہ بعض مواقع پر تو عوام الناس کے لئے حق و باطل میں تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اور بعض موقعوں پر اس صحیح تاریخی واقعے پر ایسے تاریک پردے ڈال دیئے جاتے ہیں کہ اس کی اصلیت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور یہ سب کچھ ان خرافات کا غلط نتیجہ ہوتا ہے جو حقائق کے ساتھ ملا دیئے جاتے ہیں لہٰذا ایسے خرافات سے پوری طرح چوکنا رہنا چاہئے۔

عبرت انگیز موت

قرآن ایک مقام پر خدا کے اس عظیم پیغمبر کی عجیب و غریب اور عبرت انگیز موت کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے اور اس حقیقت کو روشن کر رہا ہے کہ اتنے باعظمت، پیغمبر اور اتنی قدرت، رعب اور دبدبہ رکھنے والے حکمران نے اپنی جان کس طرح آسانی کے ساتھ جان آفرین کے سپرد کر دی۔ یہاں تک کہ بستر پر لیٹنے سے پہلے ہی موت کے چنگل نے ان کے گریبان کو پکڑ لیا۔ فرماتا ہے: "جب ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے موت کا حکم نافذ کر دیا تو کسی نے بھی لوگوں کو اس کی موت سے آگاہ نہ کیا مگر زمین پر رینگنے والے نے کہ جس نے اس کے عصاء کو کھا لیا یہاں تک کہ اس کا عصا ٹوٹ گیا اور سلیمان علیہ السلام کا پیکر نیچے گر پڑا"۔ [1]

جب سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت آن پہنچا تو وہ اس وقت کھڑے ہوئے تھے اور اپنے عصا پر تکیہ کئے ہوئے تھے کہ اچانک موت نے ان کو آ پکڑا، اور ان کی روح بدن سے پرواز کر گئی اور وہ ایک مدت تک اسی حالت میں کھڑے رہے یہاں تک کہ دیمک نے کہ قرآن جسے "دابۃ الارض" (زمین پر رینگنے والی چیز) سے تعبیر کرتا ہے، ان کے عصا کو کھا لیا، جس سے ان کا اعتدال برقرار نہ رہ سکا اور زمین پر گر پڑے تب لوگ ان کی موت سے آگاہ ہوئے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس دن سلیمان علیہ السلام نے دیکھا

---

[1] سورہ سبا، آیت 14

کہ ایک خوبصورت اور خوش پوش جوان قصر کے ایک کونے سے باہر آیا اور ان کی طرف بڑھا، سلیمان علیہ السلام نے تعجب کیا، کہا: تو کون ہے؟ اور کس کی اجازت سے یہاں آیا ہے؟

میں نے تو یہ حکم دیا ہوا تھا کہ آج کوئی شخص یہاں نہ آنے پائے۔

اس نے جواب دیا: میں وہ ہوں کہ نہ بادشاہوں سے ڈرتا ہوں اور نہ کسی سے رشوت لیتا ہوں سلیمانؑ نے بہت ہی تعجب کیا۔ لیکن اس نے مہلت نہ دی اور کہا میں موت کا فرشتہ ہوں، میں اسلئے آیا ہوں تا کہ میں آپؑ کی روح قبض کروں یہ کہتے ہی فوراً ان کی روح قبض کر لی۔ [1]

سلیمان علیہ السلام کی موت ایک مدت تک کیوں پوشیدہ رہی؟

یہ بات کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت ان کے کارکنان حکومت پر کتنی مدت تک مخفی رہی صحیح طور پر واضح نہیں ہے، ایک سال؟ ایک ماہ؟ یا چند روز؟

مفسرین کا اس سلسلہ میں ایک نظریہ نہیں ہے۔

کیا یہ اخفا اور کتمان ان کے اصحاب اور ارکان سلطنت کی جانب سے صورت پذیر ہوا تھا؟ کیا انہوں نے جانتے بوجھتے اس غرض سے کہ کہیں امور سلطنت کا رشتہ وقتی طور پر بکھر نہ جائے، ان کی موت کو پوشیدہ رکھا؟

یا یہ کہ اصحاب وارکان سلطنت بھی اس امر سے آگاہی نہیں رکھتے تھے۔

یہ بات بہت ہی بعید نظر آتی ہے کہ ایک طولانی مدت تک، یہاں تک کہ ایک دن سے

---

[1] اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ بہت سے انبیاء کی داستانوں کی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی داستان میں بھی افسوسناک حد تک گھڑی ہوئی روایات شامل کر دی گئی ہیں، اور ان کے ساتھ بہت سی خرافات منسوب کر دی گئی ہیں، کہ جنہوں نے اس عظیم پیغمبر کے چہرے کو بدل دیا ہے، اور ان خرافات کا زیادہ تر حصہ موجودہ توریت سے لیا گیا ہے، اور اگر ہم صرف اسی پر قناعت کر لیں کہ جو قرآن نے کہا ہے، تو پھر کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

زیادہ ہی سہی، ان کے اطرافیان، (گرد وپیش رہنے والے اصحاب وارکان سلطنت) بھی آگاہ نہ ہوں، کیونکہ یہ بات تو مسلم ہے، کہ کچھ لوگ ان کا کھانا لے جانے پر مامور تھے اوران تک دوسری ضروریات پہنچاتے تھے، وہ تو اس واقعہ سے ضرور آگاہ ہو جاتے، اس بنا پر بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے۔

کہ وہ اس امر سے آگاہ تھے، لیکن اسے کچھ مصلحتوں کی بنا پر مخفی رکھا، اسی لئے بعض روایات میں آیا ہے کہ اس مدت میں "آصف بن برخیا" ان کے وزیر خاص ملک کے امور کی تدبیر کرتے اور نظم ونسق چلاتے رہے۔

کیا سلیمان علیہ السلام کھڑے ہوئے عصا کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے یا بیٹھے ہوئے اپنے ہاتھ عصا پر رکھے ہوئے تھے، اور سر کو ہاتھوں پر ٹکائے ہوئے تھے اور اسی حالت میں ان کی روح قبض ہوگئی اور وہ ایک مدت تک اسی طرح رہے؟ اس سلسلے میں مختلف احتمالات ہیں، اگرچہ آخری احتمال زیادہ نزدیک نظر آتا ہے۔

اگر یہ مدت طولانی تھی تو کیا غذا کا نہ کھانا اور پانی کا نہ پینا دیکھنے والوں کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرتا تھا۔

چونکہ سلیمان علیہ السلام کے تمام کام عجیب وغریب تھے لہٰذا وہ شاید اس مسئلہ کو بھی عجیب و غریب شمار کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آہستہ آہستہ ایک گروہ کے درمیان زمزمہ پیدا ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کی پرستش کرنا چاہئے یا ایسا نہیں ہے کہ وہ ایک عرصہ سے ایک ہی جگہ پر ثابت وبرقرار ہے؟ نہ تو وہ سوتا ہے، نہ کھانا کھاتا ہے اور نہ پانی پیتا ہے۔

لیکن جس وقت عصا ٹوٹا اور سلیمان علیہ السلام نیچے گرے، تو یہ تمام رشتے ایک دوسرے سے ٹوٹ گئے اور ان کے خیالات نقش برآب ہو گئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کی حیران کن زندگی اور ان کا صبر

گفتگو حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ جو صبر و استقامت کا نمونہ تھے، ان کا ذکر اس لئے ہے تا کہ اس وقت کے اور پھر آج کے اور آئندہ کے مسلمانوں کے لئے مشکلوں اور پریشانیوں میں استقامت، قیام اور جد و جہد کا درس ہو اور انہیں پامردی کی دعوت دی جائے اور اس صبر و استقامت کا حسن انجام واضح کیا جائے۔

حضرت ایوب علیہ السلام وہ تیسرے نبی ہیں کہ ہمارے عظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض کیا گیا ہے کہ ان کے واقعہ کو مسلمان کے لئے بیان کریں تا کہ مسلمان بڑی بڑی مشکلات سے نہ گھبرائیں اور اس کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہ ہوں۔ [1]

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ''ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو کہ جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض کی: شیطان نے مجھے بہت تکلیف اور اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے''۔ [2]

اس گفتگو میں قرآن:

اولاً: بارگاہ الٰہی میں حضرت ایوب علیہ السلام کا بلند مقام ''عبدنا'' (ہمارا بندہ) سے معلوم

---

[1] برخلاف موجودہ توریت کے کہ جو انہیں انبیاء کے زمرے میں شمار نہیں کرتی بلکہ انہیں ایک نیک اور صالح انسان سمجھتی ہے کہ جن کی بہت سی اولاد تھی اور جو صاحب مال شخص تھے۔

[2] سورہ انبیاء آیت 41

ہوتا ہے۔

ثانیاً: اشارتاً حضرت ایوب علیہ السلام کی شدید اور طاقت فرسا تکلیف اور فراواں مصیبت کا ذکر ہے، اس ماجرے کی تفصیل قرآن میں نہیں آئندہ لیکن حدیث وتفسیر کی مشہور کتب میں اس کی تفصیل نقل ہوئی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کیوں مشکلات میں گرفتار ہوئے

کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: وہ مصیبت جو حضرت ایوب علیہ السلام کو دامن گیر ہوئی، کس بنا پر تھی؟ (شاید سائل کا خیال تھا کہ ان سے کوئی غلط کام سرزد ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اللہ نے انہیں مصیبت میں مبتلا کر دیا)۔

امام علیہ السلام نے اس سوال کا تفصیلی جواب دیا جس کا خلاصہ یوں ہے: ایوب علیہ السلام کفران نعمت کی وجہ سے ان عظیم مصائب میں گرفتار نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس شکر نعمت کی وجہ سے ہوئے، کیونکہ شیطان نے بارگاہ خدا میں عرض کی کہ یہ جو ایوب تیرا شکر گزار ہے وہ فراواں نعمتوں کی وجہ سے ہے کہ جو تو نے اسے دی ہیں، اگر یہ نعمتیں اس سے چھین لی جائیں تو یقیناً وہ کبھی شکر گزار بندہ نہیں ہوگا۔

اس بنا پر کہ ساری دنیا پر ایوب علیہ السلام کا خلوص واضح ہو جائے اور انہیں عالمین کے لئے نمونہ قرار دیا جائے تا کہ لوگ نعمت اور مصیبت ہر دو عالم میں شاکر و صابر رہیں۔ اللہ نے شیطان کو اجازت دی کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دنیا پر قبضہ کر لے، شیطان نے اللہ سے خواہش کی ایوب کا فراواں مال و دولت، ان کی کھیتیاں، بھیڑ بکریاں اور اولاد سب ختم ہو جائے۔ آفتیں اور مصیبتیں آئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا لیکن نہ صرف یہ کہ ایوب علیہ السلام کے شکر میں کمی نہیں آئی بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا۔ خدا سے شیطان نے خواہش کی کہ اب اسے

ایوب علیہ السلام کے بدن پر بھی مسلط کردے اور وہ اس طرح بیمار ہو جائیں کہ ان کا بدن شدت درد کی لپیٹ میں آجائے اور وہ بیماری کے بستر کا اسیر ہو جائے لیکن اس چیز نے بھی ان کے مقام شکر میں کمی نہ کی۔

پھر ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس نے ایوب علیہ السلام کا دل توڑ دیا اور ان کی روح کو سخت مجروح کیا، وہ یہ کہ بنی اسرائیل کے راہبوں کی ایک جماعت انہیں دیکھنے آئی اور انھوں نے کہا کہ تونے کون سا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے اس دردناک عذاب میں مبتلا ہے؟ ایوب علیہ السلام نے جواباً کہا: میرے پروردگار کی قسم کہ مجھ سے کوئی غلط کام نہیں ہوا میں ہمیشہ اللہ کی اطاعت میں کوشاں رہا ہوں اور میں نے جب بھی کوئی لقمہ غذا کا کھایا ہے کوئی نہ کوئی یتیم و بے نوا میرے دسترخوان پر ہوتا تھا۔

یہ ٹھیک ہے کہ ایوب علیہ السلام دوستوں کی اس دل آزاری پر ہر دوسری مصیبت سے زیادہ دکھی ہوئے پھر بھی صبر کا دامن نہ چھوڑا اور شکر کے صاف و شریں پانی کو کفران سے الودہ نہ کیا، صرف بارگاہ خدا کی طرف رخ کیا اور مذکورہ جملہ عرض کیا اور چونکہ آپ اللہ کے امتحانوں سے خوب عہدہ برا ہوئے لہٰذا اللہ نے اپنے اس شاکر و صابر بندے پر پھر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے اور کھوئی ہوئی نعمتیں یکے بعد دیگرے پہلے سے بھی زیادہ انہیں عطا کیں تا کہ سب لوگ صبر و شکر کا نیک انجام دیکھ لیں۔

بہر حال کہتے ہیں کہ ان کی بیماری اور ناراحتی سات سال تک رہی اور ایک روایت کے مطابق سترہ برس تک رہی، یہاں تک کہ آپ کے نزدیک ترین ساتھی بھی ساتھ چھوڑ گئے، صرف ایک بیوی نے وفا میں استقامت کی اور یہ چیز خود ایک شاہد ہے بعض بیویوں کی وفاداری پر۔

سب سے بڑا غم دشمنوں کی دلآزاری باتیں

لیکن حضرت ایوب علیہ السلام کو جس چیز سے زیادہ دکھ ہوتا تھا وہ دشمنوں کی دل آزاری تھی، اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کو کھوئی ہوئی صحت وسلامتی پھر مل گئی اور رحمت الٰہی کے دروازے ان کے لئے کھل گئے تو لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ سب سے شدید درد آپ کو کون سا تھا؟ تو آپ نے کہا: دشمنوں کی شماتت۔

آخر کار حضرت ایوب علیہ السلام ازمائش الٰہی کی اس گرم بھٹی سے صحیح وسالم باہر نکل آئے اور پھر رحمت خدا کا آغاز ہوا، انہیں حکم دیا گیا کہ "اپنا پاؤں زمین پر مارو" تو پانی کا چشمہ ابل پڑے گا کہ جو تیرے نہانے کے لئے ٹھنڈا بھی ہوگا اور تیرے پینے کے لئے عمدہ بھی۔ [1]

وہی خدا جس نے خشک اور تپتے بیابان میں شیر خوار اسماعیل کی ایڑیوں کے نیچے چشمہ پیدا کر دیا، وہی خدا کہ ہر حرکت وسکون اور ہر نعمت وعنایت جس کی طرف سے ہے، اس نے یہ فرمان ایوب علیہ السلام کے لئے بھی صادر فرمایا، پانی کا چشمہ ابلنے لگا، ٹھنڈا اور میٹھا چشمہ جو اندرونی و بیرونی سب۔ بیماریوں کے لئے شفا بخش تھا۔

بعض کا خیال ہے کہ اس چشمے میں ایک طرح کا معدنی پانی تھا جو پینے کے لئے بھی اچھا تھا اور بیماریوں کو دور کرنے کے لئے بھی موثر تھا، بہر حال کچھ بھی تھا ایک صابر وشاکر بنی کے لئے اللہ کا لطف وکرم تھا۔

پہلی اور اہم ترین خدائی نعمت صحت تھی، جب وہ ایوب علیہ السلام کی طرف لوٹ آئی تو دوسری نعمتوں کے لوٹنے کی نوبت ائی، اس سلسلے میں قرآن کہتا ہے: "ہم نے اسے اس کے گھر والے بخش دیئے۔ اور ان کے ساتھ ان کے مانند بھی قرار دیئے۔ تا کہ ہماری طرف سے رحمت ہو

---

[1] سورہ ص آیت 42

اور صاحبان فکر ونظر کے لئے نصیحت بھی"۔ [1]

ان کا گھرانہ ان کے پاس واپس آیا، اس سلسلے میں مختلف تفسیریں موجود ہیں، مشہور یہ ہے کہ وہ مر چکے تھے اور اللہ نے انہیں پھر زندگی دی۔

لیکن بعض نے لکھا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طویل بیماری کے باعث وہ ادھر ادھر بکھر چکے تھے جب حضرت ایوب علیہ السلام صحت یاب ہو گئے تو وہ پھر آپ کے گرد اگرد جمع ہو گئے۔

کچھ لوگوں نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ وہ سب یا ان میں سے بعض افراد بھی طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے تھے رحمت الٰہی ان کے شامل حال ہوئی وہ سب روبصحت ہوئے اور پروانوں کی طرح وجود پدر کی شمع کے گرد جمع ہوئے۔

"اور ان کے ساتھ ان کے مانند بھی قرار دیئے" یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے ان کے گھر کو پہلے سے بھی زیادہ آباد اور پر رونق کیا اور ایوب علیہ السلام کو مزید بیٹے عطا کئے۔

قرآن میں اگرچہ حضرت ایوب علیہ السلام کے مال و دولت کے بارے میں بات نہیں کی گئی لیکن موجود قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے پھر آپ کو مال و دولت بھی فراواں تر عطا فرمایا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم

اب صرف ایک مشکل ایوب علیہ السلام کے لئے باقی تھی، وہ قسم جو انھوں نے اپنی بیوی کے بارے میں کھائی تھی اور وہ یہ تھی کہ انھوں نے ان سے کوئی خلاف مرضی کام دیکھا تھا لہٰذا انھوں نے اس بیماری کی حالت میں قسم کھائی کہ جس وقت ان میں طاقت پیدا ہو گئی تو وہ اسے ایک سو یا اس سے کچھ کم کوڑے ماریں گے، لیکن صحت یابی کے بعد وہ چاہتے تھے۔

کہ اس کی خدمات اور وفاداریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے معاف کر دیں لیکن قسم اور

---

[1] سورہ ص آیت 43

خدا کے نام کا مسئلہ درمیان میں تھا۔

خدا نے یہ مشکل بھی ان کے لئے حل کر دی، جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ ان سے فرمایا گیا: ''گندم کی شاخوں (یا اسی قسم کی کسی چیز) کی ایک مٹھی بھر لو اور اس کے ساتھ مارو اور اپنی قسم نہ توڑو''۔ [1]

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام ایک روایت کے مطابق ''لیا'' بنت یعقوب تھا، اس بارے میں کہ اس سے کون سی غلطی ہوئی تھی مفسرین کے درمیان بحث ہے۔

مشہور ترین مفسر، ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ شیطان یا (کوئی شیطان صفت) ایک طبیب کی صورت میں ایوب علیہ السلام کی بیوی کے پاس آیا اس نے کہا: میں تیرے شوہر کا علاج کرتا ہوں صرف اس شرط پر کہ جس وقت وہ ٹھیک ہو جائے تو وہ مجھ سے یہ کہہ دے کہ صرف میں نے اسے شفایاب کیا ہے، اس کے علاوہ میں اور کوئی اجرت نہیں چاہتا۔ ان کی بیوی نے جو ان کی مسلسل بیماری کی وجہ سے سخت پریشان تھی اس شرط کو قبول کر لیا اور حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے یہ تجویز پیش کی، حضرت ایوب علیہ السلام جو شیطان کے جال کو سمجھتے تھے، بہت ناراض ہوئے اور قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو سزا دیں گے۔

بعض نے کہا ہے کہ جناب ایوب علیہ السلام نے اسے کسی کام کے لئے بھیجا تھا تو اس نے دیر کر دی، حضرت ایوب علیہ السلام چونکہ بیماری سے تکلیف میں تھے، بہت پریشان ہوئے اور اس طرح کی قسم کھائی۔ بہر حال اگر وہ ایک طرف سے اس قسم کی سزا کی مستحق تھی تو دوسری طرف اس طویل بیماری میں اس کی وفاداری، خدمت اور تیمارداری اس قسم کے عفو و درگذر کا استحقاق بھی رکھتی تھی۔

یہ ٹھیک ہے کہ گندم کی شاخوں کے ایک دستہ یا خوشہ خرما کی لکڑیوں سے مارنا ان کی قسم

---

[1] سورہ ص آیت 44

کا واقعی مصداق نہیں تھا لیکن خدا کے نام کے احترام کی حفاظت اور قانون شکنی پھیلنے سے روکنے کے لئے انھوں نے یہ کام کیا اور یہ بات صرف اس صورت میں ہے کہ کوئی مستحق عفوو در گذر ہو، اور انسان چاہے کہ عفوو در گذر کے باجود قانون کے ظاہر کو بھی محفوظ رکھے ورنہ ایسے مواقع پر جہاں استحقاق عفوو بخشش نہ ہو وہاں ہرگز اس کام کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن میں اس واقعہ کے آخری جملے میں جو اس داستان کی ابتداء و انتہا کا نچوڑ ہے، فرمایا گیا ہے: ''ہم نے اسے صابر و شکیبا پایا، ایوب کتنا اچھا بندہ تھا جو ہماری طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا تھا''۔ [1]

یہ بات کہے بغیر ہی ظاہر ہے کہ ان کا خدا کی بارگاہ میں دعا کرنا اور شیطان کو وسوسوں اور درد، تکلیف اور بیماری کے ودو ہونے کا تقاضا کرنا، مقام صبر و شکیبائی کے منافی نہیں اور وہ بھی سات سال اور ایک روایت کے مطابق اٹھارہ سال تک بیماری اور فقر و ناداری کے ساتھ نبھانے اور شاکر رہنے کے بعد۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس جملے میں حضرت ایوب علیہ السلام کی تین اہم صفات کے ساتھ توصیف کی گئی ہے کہ جو جس کسی میں بھی پائی جائیں وہ ایک انسان کامل ہوتا ہے۔

1۔ مقام عبودیت　　　　2۔ صبر و استقامت

3۔ پے در پے خدا کی طرف بازگشت۔

حضرت ایوب علیہ السلام قرآن اور توریت میں

اس عظیم پیغمبر کا پاک چہرہ، جو صبر و شکیبائی کا مظہر ہے، یہاں تک کہ صبر ایوب علیہ السلام سب کے لئے ضرب المثل ہو گیا ہے، قرآن مجید میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ خدا نے کس طرح سے اس داستان کی ابتدا اور انتہا میں ان کی تعریف کی ہے۔

---

[1] سورہ ص آیت 44

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس عظیم پیغمبر کی سرگزشت بھی جاہلوں یا دانا دشمنوں کی دستبرد سے محفوظ نہ رہی اور ایسے ایسے خرافات ان پر باندھے گئے جن سے ان کی مقدس و پاک شخصیت منزہ ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیماری کے وقت حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑے پڑ گئے تھے اور ان میں بدبو پیدا ہو گئی تھی کہ بستی والوں نے انہیں آبادی سے باہر نکال دیا۔

بلا شک و شبہ اس قسم کی روایت جعلی اور من گھڑت ہے، چاہے وہ حدیث کی کتابوں کے اندر ہی کیوں نہ ذکر ہوئی ہوں، کیونکہ پیغمبروں کی رسالت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ ہر وقت اور ہر زمانے میں میل و رغبت کے ساتھ ان سے مل سکیں اور جو بات لوگوں کے تنفر و بے زاری اور افراد کے ان سے دور رہنے کا موجب بنے، چاہے وہ تنفر بیماریاں ہوں یا عیوب جسمانی یا اخلاقی خشونت و سختی، ان میں نہیں ہوں گی، کیونکہ یہ چیزیں ان کے فلسفہ رسالت سے تضاد رکھتی ہیں۔

لیکن توریت میں ایک مفصل قصہ ''ایوب'' کے بارے میں نظر آتا ہے جو ''مزامیر داوؑ'' سے پہلے موجود ہے، یہ کتاب 42 فصل پر مشتمل ہے اور ہر فصل میں تفصیلی بحث موجود ہے، بعض فصول میں تو انتہائی تکلیف دہ مطالب نظر آتے ہیں، ان میں سے تیسری فصل میں ہے کہ: ایوب علیہ السلام نے شکایت کے لئے زبان کھولی اور بہت زیادہ شکوہ کیا، جب کہ قرآن نے ان کی صبر و شکیبائی کی تعریف کی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام

''یونس''''متی'' کے فرزند ہیں ''ذوالنون'' (مچھلی والا) آپ کا لقب ہے اور یہ لقب اس بنا پر ہے کہ چونکہ ان کی سرگذشت، جیسا کہ ہم بیان کریں گے، ایک مچھلی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، آپ ان مشہور پیغمبروں میں سے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد اس دنیا میں آئے۔

بعض نے انہیں حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد میں سے قرار دیا ہے اور ان کی ماموریت قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگوں کی ہدایت قرار دیا ہے۔

ان کے ظہور کا مقام عراق کا ایک علاقہ ہے جس کا نام نینوا تھا۔

بعض نے ان کا ظہور 825 قبل مسیح لکھا ہے اور اب بھی کوفہ کے نزدیک شط فرات کے کنارے ''یونس'' کے نام کی معروف قبر موجود ہے۔

بعض کتابوں نے لکھا ہے کہ آپ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اہل نینوا کی طرف مبعوث ہوئے۔ [1]

---

[1] کتاب ''یوناہ'' میں جو عہد عتیق (توریت) کی کتابوں میں سے ہے۔ ''یونس'' کے بارے میں تفصیلی ذکر ''یوناہ بن متی'' کے نام سے کیا گیا ہے۔

اس کے مطابق وہ اس کے لئے مامور ہوئے تھے کہ عظیم شہر نینوا جائیں اور لوگوں کی شرارت کے خلاف قیام کریں،

یونس علیہ السلام امتحان کی بھٹی میں

یونس علیہ السلام نے بھی دیگر انبیاء کی طرح اپنی دعوت کی ابتداء توحید اور بت پرستی کے خلاف قیام سے شروع کی۔اس کے بعد ان برائیوں کے خلاف نبرد آزمائی کی جو اس ماحول میں رائج تھے۔

لیکن وہ متعصب قوم، جو آنکھیں اور کان بند کر کے، اپنے بوڑھوں کی تقلید کر رہی تھی۔ان کی دعوت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔

اس کے بعد کچھ اور واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جو قرآن کے بیان سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ اسلامی روایت کے مطابق تو حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دینے کے لئے قیام کیا اور اس سلسلے میں اپنے فریضے اور ذمہ داری کو انجام دیا اور جب انکی قوم نے ان کی دعوت کو رد کر دیا تو انھوں نے انہیں نفرین کی اور بددعا دی پھر ان کے درمیان سے چلے گئے اور کشتی اور مچھلی کا واقعہ انہیں پیش آیا لیکن توریت کی عبارت بہت ناموزوں سی ہے اور تصریح کے ساتھ کہتی ہے کہ وہ انجام ذمہ داری سے پہلے ہی یہ چاہتے تھے کہ استعفی دے دیں۔لہٰذا وہ بھاگ کھڑے ہوے اور کشتی اور مچھلی والا واقعہ پیش آیا۔

اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ "توریت" کہتی ہے: جب خدا نے اس قوم سے ان کی توبہ کی وجہ سے عذاب اٹھالیا، تو یونس کو بہت دکھ ہوا اور وہ بھڑک اٹھے۔

توریت کی فصول سے معلوم ہوتا ہے کہ یونس علیہ السلام کو دو مرتبہ مامور کیا گیا پہلی ماموریت۔کے موقع پر انکار کر دیا اور اس دردناک انجام میں مبتلا ہوئے۔دوبارہ انہیں مامور کیا گیا کہ اسی شہر "نینوا" کی طرف جائیں کہ نینوا کے لوگ بیدار ہو چکے ہیں اور خدا پر ایمان لے آئے ہیں اور انھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی ہے۔اور وہ عفو الٰہی ان کے شامل حال ہو گیا ہے۔لیکن عفو و بخشش یونس علیہ السلام کو اچھی نہیں لگی۔

قرآن اور اسلامی روایات کے بیانات کا موجودہ توریت کے بیانات سے موازنہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ "توریت" میں کتنی تحریف ہو گئی ہے کہ اس نے اس عظیم پیغمبر علیہ السلام کے مقام کو اس قدر گرا دیا ہے کبھی ان کی طرف ماموریت اور ذمہ داری قبول نہ کرنے کی نسبت دیتی ہے اور کبھی ایک توبہ کرنے والی قوم پر پروردگار کے عفو و رحمت کو دیکھ کر خشم ناک ہونے کی نسبت دیتی ہے۔ یہی چیزیں ہیں جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ موجودہ توریت کسی لحاظ سے بھی قابل اعتماد کتاب نہیں ہے۔ بہر حال وہ ایک عظیم پیغمبر ہیں جن کو قرآن نے عظمت کے ساتھ یاد کیا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام اسی طرح ایک مہربان باپ کے مانند دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ اس گمراہ قوم کو وعظ و نصیحت کرتے رہے، لیکن اس حکیمانہ منطق کے مقابلے میں دشمنوں کے پاس مغالطہ اور ڈھٹائی کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔

• صرف ایک چھوٹا سا گروہ جو شاید دو افراد (ایک عابد اور ایک عالم) پر مشتمل تھا ان پر ایمان لایا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس قدر تبلیغ کی کہ ان سے تقریباً مایوس ہو گئے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ عابد کے کہنے پر (گمراہ قوم کی کیفیت اور حالات کو دیکھتے ہوئے) آپؑ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ ان کے خلاف بددعا کریں۔

یہ پروگرام پورا ہو گیا اور حضرت یونس علیہ السلام نے ان پر نفرین کی اور انہیں بددعا دی۔ جو آپؑ پر وحی آئی کہ فلاں وقت عذاب الٰہی نازل ہو گا۔ جب عذاب کے وعدے کا وقت قریب آیا تو حضرت یونس علیہ السلام اس عابد کے ساتھ اس قوم کے درمیان سے باہر چلے گئے۔ ایسی حالت میں کہ آپؑ نہایت غصے میں تھے یہاں تک کہ دریا کے کنارے پر پہنچ گئے وہاں لوگوں اور وزن سے بھری ایک کشتی دیکھی۔ آپؑ نے ان سے خواہش کی کہ مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلیں۔

یونس علیہ السلام فراری بندہ

اسی واقعے کی طرف قرآن اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: "اس وقت کو یاد کرو جب اس نے وزن اور لوگوں سے بھری ہوئی کشتی کی طرف فرار کیا"۔ [1]

قرآن میں "ابق" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ "اباق" کے مادہ سے غلام کے اپنے آقا و مولا کے پاس سے بھاگ جانے کے معنی میں ہے اس مقام پر یہ ایک عجیب و غریب تعبیر ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ بہت ہی چھوٹا سا ترک اولی کہ جو عالی مقام پیغمبروں سے سرزد ہو جائے، خدا کی طرف سے کس قدر سخت گیری اور عتاب کا باعث بنتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے پیغمبر کو بھاگ جانے والے غلام کا نام دیتا ہے۔

بلاشک و شبہ یونس علیہ السلام معصوم پیغمبر تھے اور وہ کبھی بھی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے لیکن پھر بھی بہتر یہی تھا کہ وہ تحمل سے کام لیتے اور نزول عذاب سے قبل کے آخری لمحات تک اپنی قوم کے ساتھ رہتے کہ شاید وہ بیدار ہو جائے۔

یہ ٹھیک ہے کہ بعض روایات کے مطابق آپؑ نے چالیس سال تک تبلیغ کی تھی، لیکن پھر بھی بہتر یہی تھا کہ چند روز یا چند گھنٹے اور ٹھہر جاتے۔ آپؑ نے چونکہ ایسا نہیں کیا لہٰذا آپؑ کو بھاگ جانے والے غلام سے تشبیہ دی گئی ہے۔

قرعہ تین بار جناب یونس علیہ السلام کے نام

بہرحال یونس علیہ السلام کشتی پر سوار ہو گئے۔ روایات کے مطابق ایک بہت بڑی مچھلی نے کشتی کی راہ روک لی اور منہ کھول دیا گویا وہ کچھ کھانے کو مانگ رہی ہو۔ کشتی میں بیٹھنے والوں نے

---

[1] سورہ صافات آیت 140

کہا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گنہگار ہمارے درمیان ہے (کہ جسے اس مچھلی کا لقمہ بننا چاہئے اور قرعہ اندازی سے کام لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔) اس موقع پر انھوں نے قرعہ ڈالا تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکل آیا۔

ایک روایت کے مطابق انھوں نے تین مرتبہ قرعہ ڈالا اور ہر دفعہ حضرت یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا۔ ناچار انھوں نے یونس علیہ السلام کو پکڑ کر اس بہت بڑی مچھلی کے منہ میں پھینک دیا۔

یہ تفسیر بھی بیان کی جاتی ہے کہ دریا میں طوفان آگیا تھا اور کشتی پر وزن بہت زیادہ تھا کشتی میں بیٹھنے والوں کو ہر لمحے غرق ہونے کا خطرہ ہونے لگا۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ کشتی کو ہلکا کرنے کے لئے کچھ لوگوں کو دریا میں پھینک دیا جائے اور قرعہ یونس علیہ السلام کے نام نکل آیا۔ انھوں نے آپؑ کو دریا میں پھینک دیا اور ٹھیک اسی وقت ایک مگر مچھ وہاں آن پہنچا اور اس نے آپؑ کو نگل لیا۔

لیکن وہ خدا جو آگ کو پانی کے اندر اور شیشے کو پتھر کی آغوش میں محفوظ رکھتا ہے، اس نے اس عظیم جانور کو حکم تکوینی دیا کہ اس کے بندے یونس علیہ السلام کو معمولی سی تکلیف بھی نہ پہنچائے، حضرت یونس علیہ السلام کو ایک بے نظیر اور عجیب قید میں رہنا تھا، تاکہ وہ اپنے ترک اولیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اس کی تلافی کریں۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے: ''خدا نے اس مچھلی کی طرف وحی کی کہ اس کی کوئی ہڈی نہ توڑنا اور اس کے کسی جوڑ کو نہ کاٹنا''۔

جناب یونس علیہ السلام نے استغفار کیا

یونس علیہ السلام بہت جلد ہی اصل قضیے کی طرف متوجہ ہو گئے، آپ نے پوری توجہ کے ساتھ بارگاہ خداوندی کی طرف رخ کیا اور اپنے ترک اولیٰ پر استغفار کی اور اس کی مقدس اور معروف

بارگاہ سے عفوو کا تقاضا کیا۔ [1]

میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور تیری بارگاہ سے دور ہو گیا ہوں اور تیرے عتاب و سرزنش میں، جو میرے لئے جہنم سوزان کے مانند ہے، گرفتار ہو گیا ہوں۔

یہاں ظلمات کے کیا معنی ہیں؟ ممکن ہے کہ یہ تعبیر دریا اور پانی کی گہرائیوں کی تاریکی اور اس بہت بڑی مچھلی کے پیٹ کی تاریکی اور رات کی تاریکی کی طرف اشارہ ہو، اور ایک روایت کہ جو امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے، وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

اس مخلصانہ اعتراف اور ندامت سے ملی ہوئی تسبیح نے اپنا کام کیا اور جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے: اس نے تہہ بہ تہہ تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک و منزہ ہے میں ہی ظالموں میں سے تھا۔ "ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور اسے غم و اندوہ سے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح سے نجات دیا کرتے ہیں"۔ [2]

اب دیکھیں قرآن اس سلسلے میں کیا کہتا ہے، ارشاد پروردگار ہوا: "اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا، تو یقیناً وہ قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتا"۔ [3]

اور یہ وقتی قید خانہ دائمی زنداں میں بدل جاتا اور وہ دائمی زنداں اس کے لئے قبرستان میں بدل جاتا۔ وہ بہت بڑی مچھلی خشک و بے گیاہ ساحل کے نزدیک آئی اور حکم خدا سے اس لقمے کو جو اس سے زائد تھا باہر پھینک دیا۔

لیکن یہ بات واضح ہے کہ اس عجیب و غریب زندان نے یونس علیہ السلام کے جسم کی سلامتی کو

---

[1] اس مقام پر ایک نہایت پر معانی اور معروف ذکر حضرت یونس علیہ السلام کی زبانی نقل ہوا ہے جو سورہ انبیاء کی آیہ 87 میں آیا ہے اور اہل عرفان کے درمیان ذکر "یونسیہ" کے نام سے مشہور ہے: فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔

[2] سورہ انبیاء آیت 88

[3] ۔۔۔ صافات آیت 143-144

درہم وبرہم کر دیا تھا، لہٰذا وہ بیمار و ناتواں اس زنداں سے آزاد ہوئے۔

ہمیں صحیح طور پر معلوم نہیں ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کتنی مدت تک مچھلی کے پیٹ میں رہے، لیکن یقینی طور پر جتنا عرصہ بھی رہے اس کے عوارض سے بچ نہیں سکتے تھے، یہ ٹھیک ہے کہ فرمان الٰہی صادر ہوا تھا کہ مچھلی کے بدن میں ہضم اور جذب نہ ہوں، لیکن یہ اس معنی میں نہیں تھا کہ اس زندان کے کچھ آثار بھی وہ اپنے ساتھ نہ لائیں لہٰذا مفسرین کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ وہ ایک نومولود، ضعیف وناتوان اور بے پروبال، پرندے کے بچے کی طرح مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے، اس طرح سے کہ ان میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہیں تھی۔

جناب یونس علیہ السلام کدو کی بیل کے سایہ میں

پھر لطف الٰہی ان کے شامل حال ہوا، کیونکہ ان کا بدن بیمار اور خستہ حال اور ان کا جسم کمزور و ناتواں تھا، ساحل کی دھوپ انہیں تکلیف پہنچاتی تھی، لہٰذا ان کے لئے ایک نرم و گداز اور لطیف قسم کے لباس کی ضرورت تھی تا کہ ان کے بدن کو اس کے نیچے آرام حاصل ہو، اس مقام پر قرآن کہتا ہے: ہم نے ایک کدو کی بیل اس کے اوپر اگا دی"(1) تا کہ وہ اس کے چوڑے اور مرطوب پتوں کے نیچے ارام کرے۔

کہتے ہیں کہ کدو کی بیل میں اس کے علاوہ کہ اس کے پتے چوڑے اور پانی سے پر ہوتے ہیں اور اس سے اچھا سائبان بنایا جا سکتا ہے، مکھی بھی اس کے پتوں پر نہیں بیٹھتی۔

اور یونس علیہ السلام کے بدن کی جلد مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے اس قدر نازک اور حساس ہو گئی تھی کہ اس پر حشرات کے بیٹھنے سے بھی تکلیف ہوتی تھی،

انھوں نے اپنے بدن کو اس کدو کی بیل کے ساتھ چھپا لیا تا کہ سورج کی تپش سے بھی مامون رہیں اور حشرات الارض سے بھی۔

شاید خدا کو یہ مطلوب ہے کہ وہ سبق جو حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیا تھا

اس کی اس مرحلہ میں تکمیل کرے، وہ سورج کی تپش اور اس کی حرارت کو اپنے بدن کی نازک جلد

پر محسوس کریں،

تاکہ آئندہ رہبر ہوتے ہوئے اپنی امت کو جہنم کی جلانے والی آگ سے نجات کے

لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔

قوم یونس علیہ السلام کا انجام

اب ہم حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر چھوڑتے ہیں اور ان کی قوم کا حال بیان کرتے ہیں۔

جب حضرت یونس علیہ السلام نے غیض وغضب کی حالت میں اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور خدا کے

غضب کے آثار بھی اس پر ظاہر ہو گئے۔ تو وہ لوگ شدت کے ساتھ لرز اٹھے،

اب انہیں ہوش آیا، ایک عالم کہ جو ان کے درمیان رہتا تھا وہ اس کے گرد جمع ہو گئے

اور اس کی رہبری اور ہدایت سے توبہ پر آمادہ ہو گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ وہ سب مل کر بیابان کی طرف چل پڑے اور عورتوں اور

بچوں نیز جانوروں اور ان کے بچوں کے درمیان جدائی ڈال دی، پھر گریہ وزاری میں مشغول ہو

گئے اور نالہ وفریاد کی صدا بلند کی، اور خلوص کے ساتھ اپنے گناہوں اور ان کوتاہیوں پر توبہ کی کہ جو

انھوں نے خدا کے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ روا رکھی تھیں۔

اس موقع پر عذاب کے پردے ہٹ گئے اور وہ حادثہ پہاڑوں پر جا گرا، اور توبہ

کرنے والے اہل ایمان نے لطف الٰہی کے باعث نجات پائی۔

حضرت یونس علیہ السلام اس ماجرے کے بعد اپنی قوم کے پاس آئے تا کہ دیکھیں کہ عذاب

سے ان پر کیا گزری۔

جب وہ آئے تو بہت متعجب ہوئے کہ گویا دنیا بدل گئی، وہ ان کی ہجرت کے وقت سب کے سب بت پرست تھے لیکن اب وہ سب کے سب خدا پرست موٴحد بن گئے ہیں۔

قرآن اس موقع پر کہتا ہے: ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ افراد کی طرف بھیجا۔ [1]

وہ ایمان لے آئے اور ہم نے انہیں معین مدت تک دنیاوی نعمتوں اور زندگی سے بہرہ مند کیا۔ [2]

البتہ ان کا اجمالی ایمان اور توبہ تو پہلے ہو چکی تھی لیکن خدا اور اس کے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی تعلیمات و احکام پر تفصیلی ایمان اس وقت صورت پذیر ہوا جب جناب یونس علیہ السلام ان کے درمیان پلٹ کر آئے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ آیات قرآنی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماموریت نئے سرے سے اسی قوم کی طرف ہوئی تھی اور یہ جو بعض نے ان کی جدید ماموریت کو ایک نئی قوم کے لئے سمجھا ہے وہ ظاہر قرآن کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے۔

یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کیسے زندہ رہے؟

بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں ہے کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنی مدت رہے؟ چند گھنٹے یا چند دن یا چند ہفتے؟ بعض روایات میں نو گھنٹے، بعض میں تین دن اور بعض میں اس سے زیادہ، یہاں تک کہ چالیس دن تک کی مدت بیان کی گئی ہے، لیکن ان اقوال کا کوئی یقینی ثبوت موجود نہیں ہے، صرف تفسیر علی بن ابراہیم میں امیر المومنین علیہ السلام سے ایک

---

[1] سورہ صافات آیت 147

[2] سورہ صافات آیت 148

حدیث میں حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں توقف 9 گھنٹے بیان ہوا ہے۔ بعض مفسرین اہل سنت نے اس کی مدت ایک گھنٹہ بھی بیان کی ہے۔

لیکن جو کچھ بھی ہو بلاشک وشبہ یہ توقف ایک غیر معمولی امر ہے انسان ایسے ماحول میں جہاں ہوا نہ ہو چند منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا، اور اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بچہ ماں کے پیٹ میں کئی ماہ تک زندہ ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک اس کے تنفس کی مشینری نے اپنا کام کرنا شروع نہیں کیا ہوتا ہے اور وہ ضروری آکسیجن صرف ماں کے خون کے راستے سے حاصل کرتا ہے۔

اس بنا پر حضرت یونس علیہ السلام کا ماجرا بلاشبہ ایک اعجاز ہے اور یہ پہلا اعجاز نہیں ہے جو ہمیں قرآن سے معلوم ہوا ہے، وہی خدا جس نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے درمیان سالم رکھا، اور موسیٰ علیہ السلام و بنی اسرائیل کو دریا کے وسط میں خشک راستے بنا کر غرق ہونے سے بچایا، اور نوح علیہ السلام کو ایک سادہ اور عام کشتی کے ذریعے اس عظیم اور وسیع طوفان سے نجات بخشی اور صحیح و سالم زمین پر اتارا، وہی خدا یہ قدرت بھی رکھتا ہے کہ اپنے مخصوص بندوں میں سے ایک بندے کو بہت بڑی مچھلی کے پیٹ میں صحیح و سالم رکھے۔

البتہ گزشتہ اور موجودہ زمانے میں اس قسم کی بڑی مچھلیوں کا موجود ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے، اس وقت بھی بڑی مچھلیاں "وہیل" نام کی موجود ہیں، جس کی لمبائی 20 میٹر سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور یہ اس زمین کا سب سے بڑا جانور ہے اور اس کا جگر ایک ٹن تک ہوتا ہے۔

کتب مصباح القرآن ٹرسٹ

تفسیر نمونہ 15 جلد مکمل سیٹ	7500/-	انتخابات تفسیر نمونہ 5 جلد مکمل سیٹ	3000/-
تفسیر پیام قرآن 10 جلد مکمل سیٹ	4000/-	تفسیر فصل الخطاب 3 جلد مکمل سیٹ	1200/-
تفسیر الکوثر (جلد نمبر 3,4,5)	1800/-	علم الاخلاق 3 جلد مکمل سیٹ	1500/-
تفسیر الکوثر 5 جلد	3000/-	حکمت نامہ امام حسینؑ 2 جلد مکمل سیٹ	1000/-
میزان الحکمت 8 جلد	4000/-	اسوۃ الرسولؐ 3 جلد مکمل سیٹ	1800/-
تفسیر موضوعی 12 جلد مکمل سیٹ	3000/-	معاد 3 جلد مکمل سیٹ	1200/-
100 موضوع 500 داستان 3 جلد مکمل سیٹ	1500/-	عیون اخبار الرضاؑ 2 جلد مکمل سیٹ	1200/-
آخری نجات دہندہ 3 جلد مکمل سیٹ	1000/-	الخصال 2 جلد مکمل سیٹ	1000/-
احسن المقال 2 جلد مکمل سیٹ	1000/-	اقوال علیؑ	500/-
ادوار اجتہاد	500/-	صحیفہ کربلا	500/-
دعا و توبہ	500/-	گوہر پارے	350/-
قصص القرآن	500/-	110 سوال و جواب	400/-
تاریخ اسلام	500/-	تفسیر آیۃ الکرسی	400/-
زاد راہ مبلغین	350/-	علی اور شیعیان علی سے دوستی	400/-
اسلام اور سیاست	500/-	فروغ ولایت	600/-
عقل [illegible]	500/-	نوجوانوں کے لیے اصول عقائد کے 50 سبق	300/-
مولا علیؑ کے عشق میں صحابی و صحابیات	600/-	تفسیر پیام قرآن (جلد نمبر 8,9,10)	1000/-
تذکرۃ الاطہار	500/-	انتخاب طبری	500/-
تاریخ قرآن	600/-		

کتب معراج کمپنی

چودہ ستارے	500/-	سعادت الدارین	600/-
معراج الخطابت	700/-	مصائب آل محمدؐ	400/-
روایات عزا	600/-	ہمارے عقائد	100/-
نہج البلاغہ	350/-	صحیفہ کاملہ (سجادیہ)	250/-
سیرت امیر المومنینؑ	600/-	آداب اسلامی	500/-
صدیقۂ کائنات (سوانح حیات حضرت بی بی خدیجہؑ)	300/-	رہنمائے اسلام	150/-
جامع المصائب	200/-	آداب نماز	500/-

معراج کمپنی

یوسف میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0321-4971214,0423-7361214

www.facebook.com/merajcompanypakistan

مطبوعات معراج کمپنی

- چودہ ستارے
- روایات عزا
- سیرت امیر المومنینؑ
- آداب اسلامی
- خطرات نفس
- دوستی
- مصائبِ معصومینؑ
- مجالسِ امام حسینؑ
- کامیابی راز
- انبیائے قرآن (3 جلد)
- حکومت مہدیؑ
- بازار اسلامی
- صدیقہ کائنات (سوانح حیات حضرت بی بی خدیجہؑ)
- سعادت الدارین
- مصائب آلِ محمدؐ
- ہمارے عقائد
- قرآن اور امامت
- انسان اور تقدیر
- اصل و اصول شیعہ
- مکتبِ اہل بیتؑ
- خطباتِ امام حسینؑ
- زندگانی امام سجادؑ
- چہل حدیث
- امہات المعصومینؑ
- احکامِ دین
- امام مہدیؑ کی بشارتیں آسمانی کتابوں میں
- معراجِ خطابت
- نہج البلاغہ
- صحیفہ کاملہ (سجادیہ)
- آداب نماز
- جامع المصائب
- راہنمان اسلام
- مجالس اُم رباب
- انقلابِ امام حسینؑ
- درسِ زندگی
- سیرت عباس علمدار
- آداب معاشرت
- معرفت امامؑ